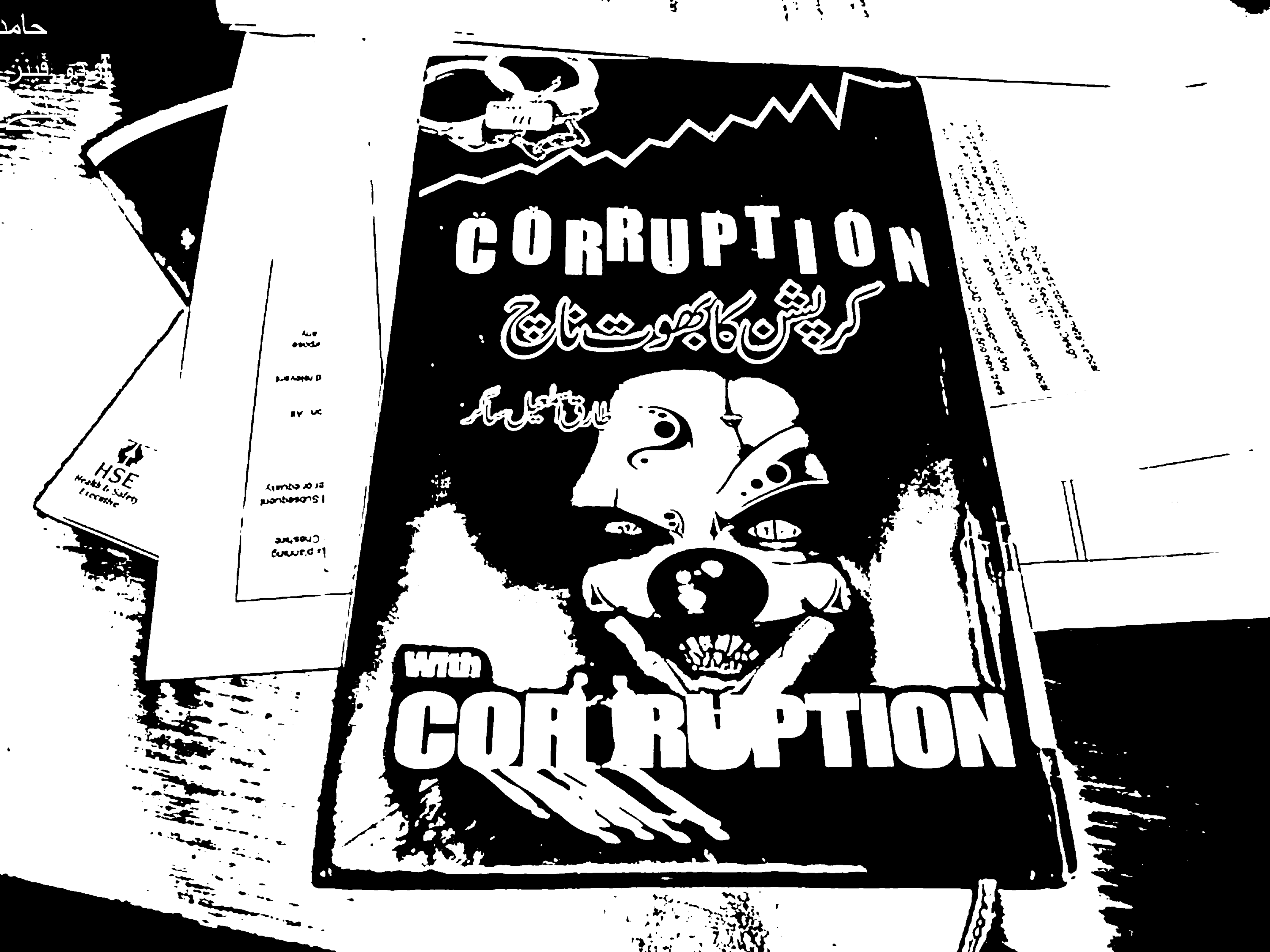
CORRUPTION
کرپشن کا بھوت ناچ
طارق اسمٰعیل ساگر
With
CORRUPTION

کرپشن کا بھوت ناچ

طارق اسمٰعیل ساگر

ساگر پبلی کیشنز

16-ای ٹیمپل روڈ مہتہ سٹریٹ صفانوالہ چوک لاہور

Cell: 0300-9468248, Ph: 042-36361089

E-mail: ti_sagar@yahoo.com Web: www.nayajahan.com

حامد
اردو فینز
کیلئے

پیش لفظ

یہ کتاب ان سیاہ چہروں کو بے نقاب کرتی ہے جو ہمارے ووٹوں سے ہمیں جمہوریت، روٹی، کپڑا، مکان، روزگار، انصاف وغیرہ کا لالچ دے کر برسرِ اقتدار آتے ہیں اور جیسے ہی وہ ایوانِ اقتدار میں پہنچتے ہیں اپنے تمام وعدے، ارادے، قسمیں وغیرہ بھول کر انسانوں سے آدم خور بن جاتے ہیں۔ نمرود، فرعون بن جاتے ہیں۔ اُن کے منہ کو انسانی خون کی ایسی چاٹ لگ جاتی ہے کہ وہ خون آشام بھیڑیے بن کر بے کس، بے بس عوام کا خون پینے لگتے ہیں۔

حیرت اور شرم کی بات تو یہ ہے کہ ان انسان نما درندوں نے پاکستانی عوام کی ہڈیوں سے گودا نکال لیا ہے لیکن ان کی خون کی پیاس نہیں بجھتی اور یہ ''ہل من مزید'' کی تکرار کرتے رہتے ہیں۔ یورپ، امریکہ کے محلات، مڈل ایسٹ کی فیکٹریاں، غیر ملکی بینکوں میں کھربوں روپے کے اکاؤنٹس رکھنے کے باوجود یہ انسان نما بھیڑیے مطمئن نہیں ہوتے اور دن رات لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم رکھے ہوئے ہیں۔ اپنے خونی پنجوں سے پاکستانی عوام جوان کے نزدیک بھیڑوں کا ریوڑ ہے کی ہڈیوں سے چمٹا گوشت اُتارتے رہتے ہیں۔ یقیناً جہنم کی

آگ ہی ان کے پیٹ بھرے گی۔

کرپشن، لوٹ مار، بے حیائی اور حرامکاری کے اس حمام میں ایسے ایسے پردہ نشین ننگے ہوئے کہ الامان الحفیظ! کوئی ان کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں۔ اب اللہ تعالیٰ نے اس بے بس قوم کی حالت پر رحم فرماتے ہوئے ایک آزاد عدلیہ نصیب فرمائی ہے جو اپنی بساط بھر کوششوں کے ساتھ ان پر گرفت کر رہی ہے اور پاکستانی عوام کی واحد اُمید بن گئی ہے۔

یہ مضامین ماہنامہ نیا جہان انٹرنیشنل کے گزشتہ ایک سال کے شماروں میں شائع ہوئے اور بلاشبہ تحقیقی صحافت کی اعلیٰ ترین روایات رکھتے ہیں۔ افسوس یہ دور اپنے الگ تقاضے رکھتا ہے جن پر کوئی غیرت مند صحافی شاید پورا نہیں اتر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ صحافت کی اعلیٰ اقدار کے امین وہ پرچے جنہیں سرکاری یا غیر سرکاری سرپرستی حاصل نہیں عوام تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے۔ لیکن تابہ کے؟

اب وقت آگیا ہے کہ ہم اپنی بقاء کے لئے ہی سہی، اپنے افعال و کردار پر نظرِ ثانی کریں۔

طارق اسمعیل ساگر

اردو فینز کیلئے

عنوان	صفحہ نمبر
لوڈشیڈنگ حقیقت یا سازش	7
شوگر مافیا کو بیوروکریسی نے بچالیا	22
پاکستانی معیشت کا کینسر	28
پاکستان کو بنجر کرنے کا خوفناک بھارتی منصوبہ	35
600ارب روپے کے نئے ٹیکس	44
ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل اور ہم	47
ناقص زرعی پالیسیاں	55
کیری لوگر بل کیا دے گیا کیا لے گیا	59
لٹ کے کھا گئے	75
اقتصادی نہیں سونے کے ذخائر	83
30ارب کے اور ٹیکس	92
بینک ڈکیتی اور FIA کا کردار	98
پاک افغان ٹرانزٹ ٹریڈ	108
کرپشن، حسد ملی کا کینسر	112
فاٹا کی مفلوج معیشت	119
تیرا ہی دل نہ ہو تو بہانے ہزار ہیں	123
پاکستان برائے فروخت نہیں	138
بجلی کی قیمتوں میں اضافہ	144

حامد
اردو فینز
کیلئے

سرکاری [illegible]	147
بجلی کا بے قابو جن	156
ڈی اے پی کا عذاب	160
معاشی ترقی کی حقیقت	165
لوڈشیڈنگ، مہنگائی، ہنگامہ آرائی	171
توانائی کا بحران	176
اس آئینے میں اپنا چہرہ دیکھئے	183
لوٹ مار، دھونس دھاندلی کب تک؟	189
جھوٹ کا دھندہ	197
آپ کے دعوے اور زمینی سچائیاں	203
زراعت، ٹریڈ اور بھارتی راہداری	208
معاشی گورکھ دھندہ	212
اقتصادیات کا جنازہ	216
پاک افغان تجارتی معاہدہ	225
کرپشن کا بھوت ناچ جاری ہے	233

لوڈشیڈنگ! حقیقت یا سازش

ملک میں جاری 20،20 گھنٹوں پر مشتمل اعلانیہ اور غیر اعلانیہ لوڈشیڈنگ نے اہل پاکستان کی زندگیوں کو اجیرن کر دیا ہے۔ بجلی کے مسلسل تعطل کے باعث معاشی ترقی کی رفتار قابل ذکر حد تک سست ہو چکی ہے۔ دفتری امور معطل ہیں، گھریلو زندگی اذیت ناک ہو چکی ہے۔ گرمی و حبس کی وجہ سے کئی قیمتی جانیں ضائع ہو چکی ہیں۔ گزشتہ دو ماہ کے اخبارات پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جب گرمی، حبس اور لوڈشیڈنگ کی وجہ سے چند ہلاکتوں کی اطلاع نہ دی گئی ہو۔ ہسپتالوں میں مریض گرمی اور آپریشن وقت پر نہ ہونے کی وجہ سے جان کی بازی ہار رہے ہیں۔ طلباء کو پڑھنے اور امتحان کی تیاری کے لئے موم بتیاں جلانی پڑ رہی ہیں۔ کاروباری طبقہ الگ پریشان ہے، ان کے کاروبار ٹھپ ہو کر رہ گئے ہیں، صنعتیں بجلی کے اس بحران کی وجہ سے بند ہو رہی ہیں یا ان میں ڈاؤن سائزنگ ہو رہی جس کی وجہ سے لاکھوں افراد بے روزگار ہو گئے ہیں اور ان کے گھروں میں چولہے ٹھنڈے پڑ چکے ہیں۔ گزشتہ ایک عشرے میں ہونے والی تیز معاشی ترقی الٹے قدموں پیچھے کی طرف رواں ہے، پیداوار میں قابل لحاظ کمی واقع ہو رہی جس کے باعث قیمتیں آسمان سے باتیں کرنے لگی ہیں۔ راتوں کو مسلسل وقفے وقفے سے

حامد
اردو فینز
کیلئے
؟

[illegible] کی بیداری نہیں ہوئی جس کی وجہ سے بڑے بڑے احتجاج پھیل رہا ہے۔ لوڈشیڈنگ کے باعث لوگوں [illegible] بجلی کے نرخوں میں اضافے اور پیداواری صلاحیتوں میں کمی آ رہی ہے۔ بجلی کی قلت کی بنیادوں پر احتجاج اور [illegible] بڑے شہروں میں روزانہ [illegible] لوڈشیڈنگ کے خلاف [illegible] ہو رہے ہیں [illegible] سرکاری عمارتوں کے گھیراؤ اور [illegible] سے زیادہ [illegible] بڑھ رہے ہیں [illegible] مالی بحران کی پہلے سے سست رفتار [illegible] کی [illegible] کر رہے ہیں جس سے [illegible] میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ 28 جون کو پشاور [illegible] گزشتہ چند ہفتوں سے ان مسائل کی شدت میں [illegible] فیصلہ کیا کہ اگر طویل لوڈشیڈنگ کا خاتمہ نہ [illegible] تاجروں نے [illegible] تمام اہم شاہراہوں کو ہر قسم کی ٹریفک کے لئے بند کر [illegible] دیں گے [illegible] اگر حکومت نے لوڈشیڈنگ ختم نہ کی تو [illegible] 21 جولائی کو پہیہ جام ہڑتال بھی [illegible] تاجروں کی طرف سے [illegible] حکومت پر یہ الزام بھی لگایا ہے کہ انہیں شریف [illegible] جھنگ میں بھی مشتعل مظاہرین نے [illegible] لوڈشیڈنگ کی وجہ سے سیاسی میدان میں بھی [illegible] مسلم لیگ (ن) کے بہت سے لیڈر اپنی مرکزی قیادت کو مشورہ دے [illegible] اور عوامی ایجنڈا اپنائے ورنہ پچھلے [illegible] مقبولیت کم ہو جائے گی۔

[illegible] کیفیت پیدا ہونے کا [illegible] 65 [illegible] جولائی سے [illegible] احتجاج کیا اور [illegible]

[illegible] ات مالیات [illegible] اضافہ کریں۔ از خود نوٹس [illegible] عدالت [illegible] بجلی [illegible] کی طرف سے [illegible] دوسری طرف [illegible] اپنی حیثیت [illegible] آئی ایم ایف [illegible] کے مصیبت [illegible] انہوں نے آئی ایم ایف [illegible] آئی ایم ایف [illegible] سبسڈی کو ختم [illegible] سبسڈی [illegible] خاتمہ [illegible] بجلی کے نرخوں میں [illegible] 30 فیصد اضافہ [illegible] 17 فیصد اضافے کے بعد ایک اور بجلی [illegible] پہلے [illegible] سے بجلی کے نرخوں میں 13 فیصد مزید اضافہ ہوگا۔ [illegible] حکومت [illegible] لوڈشیڈنگ کے خاتمے تک سبسڈی کا خاتمہ نہیں کیا جائے گا۔ انتظامیہ اور عدلیہ کے درمیان بجلی کے بحران سے شروع ہونے والا تنازعہ بعض مبصرین کے نزدیک شدید تر ہو سکتا ہے۔ عدلیہ اور انتظامیہ کے درمیان ٹکراؤ کا مظہر پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافے اور [illegible] کے خلاف سپریم کورٹ کا از خود نوٹس بھی ہے، جس کو [illegible] کرنے کے [illegible] پٹرولیم ڈویلپمنٹ لیوی (پی ڈی ایل) نافذ کرنا پڑا۔

حیرت کی بات ہے کہ گزشتہ چند سالوں سے عوام کبھی آٹا بحران، کبھی شوگر بحران، کبھی بجلی بحران اور کبھی مہنگائی اور بے روزگاری کے بحران کا عذاب جھیل رہے ہیں جبکہ [illegible] کمپنیاں دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹ رہی ہیں۔ جنس بھجوان [illegible] کی سرگرمی میں [illegible] جانے والے جوڈیشل کمیشن کی رپورٹ کے مطابق 2001ء سے لیکر 2008ء کے درمیان حکومت نے آئل سیکٹر سے 1 ٹریلین روپے (12.5 ارب ڈالر) کمائے جبکہ 2001-02 کے مقابلے میں 2007-08 میں ہر آئل کمپنی نے 3516 فیصد سے زائد منافع کمایا ہے۔

[illegible] منافع [illegible] مثال کے طور پر اٹک پٹرولیم کی پیداوار 1398
فیصد، پاکستان کی آئل ریفائنری [illegible] پاکستان [illegible] آئل کا منافع 440 فیصد،
[illegible] شیل پاکستان کا منافع 483 فیصد [illegible] پاکستان
[illegible] پاکستان کا 170 فیصد، اٹک ریفائنری کا 830 فیصد، نیشنل آئل ریفائنری کا 768
فیصد اور پاک عرب ریفائنری کا منافع 567 فیصد رہا۔ جب حکومت کی طرف سے کاربن ٹیکس
[illegible] رپورٹ [illegible] کے مطابق سپریم کورٹ نے ازخود نوٹس لیتے ہوئے کاربن
ٹیکس کے نتیجے میں ہونے والی پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافے کو روک دیا، جس پر صدر
مملکت نے راتوں رات پی ڈی ایل نافذ کرتے ہوئے سپریم کورٹ کے ازخود نوٹس کے اثر کو زائل
کر دیا۔ [illegible] ریلیف پہنچانے کی عدالتی کوشش ناکام ہوئی اور آئل کمپنیوں کے منافع کو محفوظ اور
آئی ایم ایف کی شرطوں کی پاسداری کرتے ہوئے صدارتی آرڈیننس فوری طور پر نافذ ہو گیا۔
اخباری رپورٹوں کے مطابق آئی ایم ایف نے پی ڈی ایل کے نفاذ کی صورت میں ہی پاکستان کو
قرض کی تیسری قسط 84 کروڑ ڈالر فراہم کرنے پر رضامندی کا اظہار کیا تھا۔ گزشتہ سال بھی
حکومت نے پٹرولیم مصنوعات کی مد میں 129 ارب روپے وصول کئے، اور یہ سوچے بغیر کہ پچھلے
سال بھی پٹرولیم کی بلند قیمتوں کی وجہ سے عام آدمی کی زندگی اجیرن بنی رہی، اس سال بھی حکومت
نے [illegible] راستہ اختیار کیا جائے اور عوام کی رگوں سے جتنا خون نچوڑا جا سکتا
ہے نچوڑا جائے۔ کاربن ٹیکس بنیادی طور پر ماحولیات کو بہتر بنانے اور آلودگی کو روکنے کے لئے
[illegible] پاکستان میں تو اس سطح کی ماحولیاتی آلودگی ہے جو ترقی یافتہ صنعتی ملکوں میں پائی
[illegible] جیبوں میں اتنی طاقت ہے [illegible] پٹرولیم مصنوعات پر مزید ٹیکس ادا کر
سکیں۔ [illegible] عوام کو پہنچنے والا ریلیف یکدم ختم ہو گیا جو سپریم کورٹ کے فیصلے
[illegible] کاربن ٹیکس جیسے ٹیکس لاگو کر کے عوام کی مشکل زندگی کو مزید مشکل
[illegible] حکومت [illegible] اخراجات کو ایڈجسٹ کرتی، شاہی

اخراجات میں کمی لاتی اور جہازی سائز کابینہ کو محدود کرتی مگر چونکہ اس نے سرمایہ داروں سے
مخصوص نوٹ لے کر مفادات کو تحفظ اور غریب صارفین کو ریلیف کو خطرہ تھا اس لئے اس سال
بھی پٹرولیم پر ٹیکس لگا کر بجٹ خسارہ پورا کرنے کی کوشش کی گئی۔ پی ڈی ایل کو سپریم کورٹ میں
چیلنج کیا جا چکا ہے اور درخواست میں یہ موقف اختیار کیا گیا ہے کہ آئین کے آرٹیکل 77 کے تحت
صدر کے پاس ٹیکس عائد کرنے کا اختیار ہی نہیں ہے۔ ریلیف کو ترستی قوم کی نظریں اب سپریم
کورٹ کے فیصلے پر ہیں۔

لوڈشیڈنگ کے بحران پر قابو پانے کے لئے فوری طور پر کرنے کا کام یہ ہے کہ تھرمل کمپنیوں
کو واجب الادا رقوم ادا کی جائیں۔ حکومت کو اس وقت بھی 100 ارب روپے ان کمپنیوں کو دینے
ہیں اور اگر یہ دے دیئے جاتے ہیں تو لوڈشیڈنگ کا مسئلہ عارضی طور پر حل ہو جائے گا۔ آئی پی پیز کو
ادائیگی کے لئے کاربن ٹیکس اور پی ایل ڈی جیسے آرڈیننس کے نفاذ کی بجائے شاہی اخراجات،
وزیروں کی فوج، بیرونی دوروں اور غیر ضروری اخراجات میں تخفیف کی جائے۔ کچھ دن قبل وزیر
اعظم نے ارکان پارلیمنٹ کو ان کے حلقے کے ترقیاتی کاموں کے لئے مختص رقم کو دوگنا کرتے
ہوئے ایک کروڑ سے بڑھا کر دو کروڑ کر دیا ہے۔ معلوم نہیں کہ مانگے تانگے کے خزانے میں اتنی رقم
کہاں سے آ گئی اور اس رقم کو دوگنا کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی کیونکہ پاکستان کا عام شہری
بھی اب یہ جاننے لگا ہے کہ ترقیاتی کاموں کے لئے ارکان پارلیمنٹ کے یہ صوابدیدی فنڈز در
اصل ایک قسم کی رشوت ہوتے ہیں جو خود کو ارکان پارلیمنٹ میں مقبول بنانے کے لئے دی جاتی
ہے۔ سب لوگ جانتے ہیں کہ یہ رقم ترقیاتی منصوبوں پر نہیں بلکہ ارکان اسمبلی کی جیبوں میں جاتی
ہے۔ ان اخراجات کو محدود کر کے تھرمل کمپنیوں کو واجب الادا رقم ادا کی جائے تاکہ لوڈشیڈنگ کے
عذاب سے بے حال لوگوں کو گرمیوں اور شدید حبس کے ان دنوں میں کوئی سکھ کا سانس نصیب ہو۔
یقیناً یہ بجلی کے بحران اور توانائی کی کمی کے مسئلے کا دیرپا حل نہیں بلکہ وقتی ہے، دیرپا حل کے لئے

بجلی فراہم کرنے والے اور ترسیل کا انتظام کرنے والے
ضروری ہے کہ واپڈا اور پیپرا سمیت آبی ذخائر تعمیر کیے جائیں، تھر اور دادو
اداروں سے کرپشن ختم کی جائے، بجلی چوری کو روکا جائے، آبی ذخائر تعمیر کیے جائیں، تھر اور دادو
میں موجود کوئلے کے ذخائر کو بجلی پیدا کرنے کے لئے استعمال کیا جائے، ایٹمی، شمسی اور ہوا کی
توانائی کو پاور سٹیشنوں کے لئے استعمال کیا جائے اور ڈیموں پر سیاست چمکانے اور فیصلے صادر
کرنے کی بجائے ان کی فوری تعمیر شروع کی جائے۔ واپڈا اہلکاروں کی غفلت اور نااہلی کا عالم یہ
ہے کہ اس دوران جب ملک بجلی کے شدید بحران کا شکار ہے ان دنوں منگلا پاور ہاؤس میں ٹرانسمشن
لائن کے جلنے سے 1100 میگاواٹ بجلی کی مزید کمی ہوگئی جس کی وجہ سے شارٹ فال کی مقدار
4000 میگاواٹ تک جا پہنچی۔ اس حادثے پر فرائض سے غفلت برتنے پر واپڈا کے 4 اہلکاروں کو
معطل کر دیا گیا۔ تحقیقات کے لئے حسب معمول کمیٹی قائم کر دی گئی جو پندرہ دن میں اپنی رپورٹ
پیش کرے گی۔ حالانکہ ایسے حادثات پر مہذب ملکوں میں وزیر شعبہ استعفیٰ دیا کرتے ہیں۔ کہا جا رہا
ہے کہ 25 جولائی تک ٹرانسمشن لائن مرمت ہو کر قابل استعمال ہو جائے گی۔

ایشیائی ترقیاتی بنک نے اپنی ایک رپورٹ میں بتایا ہے کہ پاکستان حکومت سب سے زیادہ
توانائی ضائع کرتی ہے۔ پاکستان صرف گیس کی ترسیل کے نظام کو بہتر بنا کر 58 کروڑ ڈالر کی
بچت کر سکتا ہے۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ گیس کی ترسیل کے فرسودہ نظام کی وجہ سے 30 فیصد
گیس ضائع ہو جاتی ہے۔ رپورٹ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ صرف گھروں میں بجلی کے بہتر بلبوں
کے استعمال سے 880 میگاواٹ بجلی بچائی جا سکتی ہے۔ بجلی کی پیداوار اور ترسیل کے ذمہ دار
اداروں میں کرپشن اور متعلقہ اداروں کی نااہلی کا عالم یہ ہے کہ عالمی بنک کی ایک رپورٹ ان کی
... میں ... پاکستان میں بجلی کے کنکشن کے حصول کے لئے 84 فیصد اور
... سے 62 فیصد ذمہ داری ادائیگیاں کرتی ہیں۔ بجلی چوری کی وارداتیں
... ... قصبوں تک ہی محدود نہیں بلکہ کراچی جیسے بڑے

شہروں میں بھی ڈنکے کی چوٹ پر بجلی چوری کی جا رہی ہے مگر حکومت اپنی سیاسی مصلحتوں کی وجہ سے
خاموش تماشائی بنی ہوئی ہے۔ بجلی کے بحران کے فوری خاتمے کے لئے مندرجہ بالا کوتاہیوں اور
سسٹم میں موجود کرپشن اور بجلی چوری کو روکنے کی شدید ضرورت ہے۔

مستقبل کے لئے ٹھوس منصوبہ بندی اور بجلی و توانائی کی بڑھتی ہوئی طلب کے لئے ضروری ہے
کہ فیول کی بنیاد پر پیدا کی جانے والی مہنگی بجلی کی بجائے ملک میں موجود بے تحاشا قدرتی وسائل کو
استعمال میں لایا جائے۔ بھارت مسلسل پاکستان کی طرف بہنے والے دریاؤں پر ڈیم بنا کر اور
سرنگوں کے ذریعے پانی چوری کر کے آبی دہشت گردی کا مرتکب ہو رہا ہے جس پر آج تک متعدد
حلقوں کی طرف سے مجرمانہ غفلت برتی گئی ہے۔ دریائے راوی اور ستلج کے بعد بھارت بگلیہار
ڈیم بنا کر چناب کا پانی بھی روکنے کی پوزیشن میں آ گیا ہے۔ بھارت اگلے چھ برسوں میں دریائے
سندھ کے 90 ملین کیوبک فٹ پانی پر قبضہ کرنے کے لئے کشن گنگا ڈیم بنا رہا ہے جو دریائے
سندھ کے 80 فیصد پانی کو سٹور کر لے گا۔ بھارت کی تین بڑی ڈونر ایجنسیوں نے گزشتہ
15 برسوں میں کالا باغ ڈیم کی مخالفت میں کمی نہ آنے کے لئے ڈیم مخالف تنظیموں میں 10 ارب
روپے بانٹے ہیں۔ سندھ واٹر کونسل کے چیئرمین کے مطابق بھارت پاکستانی دریاؤں پر 62 ڈیم
بنا رہا ہے جن میں سے 32 ڈیم مکمل کر لئے گئے ہیں اور باقی زیر تعمیر ڈیموں کی بھارت نے
2014ء تک تکمیل کرنی ہے۔ اگر یہ ڈیم بن گئے تو پاکستان کے لئے ایک قطرہ پانی نہیں بچے گا۔

آبی ماہرین کے مطابق قومی تقاضا یہی ہے کہ کالا باغ ڈیم کی فوری تعمیر کی جائے، کیونکہ یہ ملکی
ضروریات کے لئے ناگزیر ہو چکا ہے اور اسی سے پاکستان کے سرسبز لہلہاتے کھیتوں اور وادیوں کو
بنجر ہونے سے بچایا جا سکتا ہے۔ کالا باغ ڈیم کو التوا میں پڑے ہوئے چالیس سال کا عرصہ گزر
چکا ہے۔ موجودہ برسر اقتدار پیپلز پارٹی کی حکومت نے مسند اقتدار سنبھالتے ہی قومی مفادات کو پس
پشت ڈالتے ہوئے اس منصوبے کے خاتمے کا اعلان کر دیا۔ ڈیم کی فزیبلیٹی، واپڈا ملازمین کی

محکموں اور سڑکوں کی تعمیر پر 180 ارب روپے خرچ ہو چکے ہیں۔ ڈیم کی تعمیر کے لئے جائزہ رپورٹوں کی تیاری پر ایک ارب روپے خرچ ہو چکے ہیں۔ امریکہ سمیت بڑی طاقتیں کالاباغ ڈیم کی بجائے بھاشا ڈیم کی تعمیر میں دلچسپی رکھتی ہیں، کیونکہ مذکورہ ڈیم کی تعمیر سے قراقرم ہائی وے کا کچھ حصہ ختم ہو جائے گا جس کی وجہ سے بھارت کے مقابلے میں چین کے سٹرٹیجک مفاد کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ کالاباغ ڈیم کا منصوبہ ہمیشہ کے لئے ترک کر کے ہماری منتخب جمہوری حکومت نے ...ی کا ثبوت دیا ہے۔ پاکستان کو قدرت نے پانی کے معاملے میں فیاضی سے نوازا ہے جس سے ہم اپنی بجلی کی ضروریات با آسانی پوری کر سکتے ہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق صرف آزاد کشمیر میں آبی وسائل سے 17000 میگاواٹ بجلی پیدا کرنے کی گنجائش موجود ہے جبکہ ملک بھر میں ہائیڈل پاور منصوبوں کے تحت 54 ہزار میگاواٹ بجلی پیدا کرنے کی گنجائش موجود ہے جبکہ اس وقت صرف 6500 میگاواٹ بجلی حاصل کی جا رہی ہے۔

قومی پاور سیکٹر میں ہائیڈل طریقے سے بجلی کی پیداوار کے لئے ایندھن کا ایک قطرہ بھی خرچ نہیں ہوتا۔ گزشتہ دس برس میں واپڈا نے اپنے سسٹم میں سوائے غازی بروتھا سے پیدا ہونے والے چند میگاواٹ کے علاوہ کوئی قابل ذکر اضافہ نہیں کیا۔ اس وقت اشد ضرورت ہے کہ نہ صرف کالاباغ اور دیگر بڑے ڈیم بنائے جائیں بلکہ جہاں ممکن ہو کئی چھوٹے ڈیم بھی تعمیر کئے جائیں۔ اگر کالاباغ ڈیم منصوبہ آج سے 5 سال پہلے شروع ہو جاتا تو آج ہم جس بحران کا شکار ہیں اس کا سامنا نہ ہوتا کیونکہ اس سے 3600 میگاواٹ بجلی پیدا ہو رہی ہوتی جبکہ اس وقت بجلی کا شارٹ فال 2000 میگاواٹ سے 4000 میگاواٹ کے درمیان ہے جس کو پورا کرنے کے لئے لوڈ شیڈنگ کی مصیبت نازل کی گئی ہے۔ کالاباغ ڈیم قومی اہمیت کا انتہائی نازک معاملہ ہے اور اسے تمام سیاستدانوں کو قومی ضروریات کے پیش نظر دیکھنا چاہئے نہ کہ اسے خود غرضانہ سیاسی مفادات کی بھینٹ چڑھایا جائے۔

مشرف دور حکومت میں مد ترقیاتی بجٹ میں ریکارڈ اضافہ ہوا لیکن افسوس ناک امر یہ ہے کہ اس عرصے میں ایک میگاواٹ بجلی کی اضافی پیداوار کے لئے بھی سرمایہ کاری نہیں کی گئی۔ حالانکہ مشرف حکومت بجلی کی بڑھتی ہوئی طلب اور اس کی رسد و طلب کے درمیان بڑھتے ہوئے فرق سے بخوبی واقف تھی۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس دور میں جان بوجھ کر پاور جنریشن کی طرف توجہ نہیں دی گئی۔ اب یہ حقائق سامنے آ رہے ہیں کہ بجلی کی قلت سے ایک طاقتور طبقہ کے مفاد وابستہ ہے اور بجلی کے موجودہ بحران سے اس طبقے نے اربوں روپے کمائے ہیں۔ مثال کے طور پر کراچی الیکٹرک سپلائی کارپوریشن (کے ای ایس سی) ایک ایسے نجی ادارے کے حوالے کی گئی جس کا بنیادی کاروبار جنریٹرز کی فروخت کا تھا۔ صرف 13 ارب روپے میں کے ای ایس سی جیسا ادارہ اس نجی کمپنی کو دے دیا گیا حالانکہ کے ای ایس سی کے اثاثہ جات کی قیمت اس سے کئی گنا تھی۔ اس کمپنی نے نہ صرف کے ای ایس سی کے اثاثے گروی رکھ کر اربوں روپے کا قرض لیا بلکہ اسے لوگوں کو بجلی فراہم کرنے سے زیادہ اس بات میں دلچسپی تھی کہ لوڈشیڈنگ زیادہ سے زیادہ ہو تاکہ اس کے جنریٹرز زیادہ فروخت ہوں۔ ایک غیر سرکاری مارکیٹ سروے کے مطابق اس عرصے میں ساڑھے تین ارب روپے کے جنریٹرز فروخت ہوئے۔ اس کے بعد مزید ظلم یہ کیا گیا کہ کمپنی کی جوابدہی کی بجائے اسے آسانی سے راستہ دیا گیا کہ وہ کے ای ایس سی کو بحران میں چھوڑ کر چلی جائے۔ بعد ازاں کے ای ایس سی ایک دوسری غیر ملکی نجی کمپنی کے حوالے کی گئی جس کی انتظامیہ کے بارے میں تمام اہل کار کہہ رہے ہیں کہ یہ نجکاری کے معاہدے کی پاسداری نہیں کر رہی ہے۔ اس نے نہ صرف یہ کہ نئے پاور جنریشن پلانٹس نہیں لگائے بلکہ موجودہ پاور جنریشن پلانٹس کو بھی ان کی گنجائش کے مطابق نہیں چلا رہی تاکہ مبینہ طور پر فیول کے اخراجات بچائے جا سکیں۔ عام لوگ جو لوڈشیڈنگ کا عذاب برداشت کرنے کے ساتھ ساتھ اضافی بلوں کی شکایت کر رہے ہیں (بلکہ لوڈشیڈنگ کا بل بھی دے رہے ہیں) ان کی کوئی نہیں سن رہا، کیونکہ ان معاملات سے بڑے

ہے۔ ان شہروں اور بستیوں سے مفادات وابستہ ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ملک میں سستی بجلی پیدا ہو سکتی ہے تو اس سے گریز کیوں نہیں ہو پا رہا۔ پاکستان میں ایسے کئی مقامات ہیں جہاں سستی بجلی پیدا ہو سکتی ہے جن میں سب سے اہم کالا باغ ڈیم ہے۔ ملک میں سستی بجلی پیدا کرنے کا یہ واحد طریقہ ہے۔ ڈیم تعمیر ہونے کی صورت میں سستی بجلی ... آبادیوں کے متاثرین کی صورت میں ان آبادیوں سے ... ہیں۔ آبادیوں کے منافعوں کی صورت ... کی رپورٹ ملاحظہ کی جا سکتی ہے جو ... ہونے سے پہلے ... نامی ڈیم ہے۔

یہ ڈیم صرف 3600 میگاواٹ بجلی پیدا کرے گا بلکہ اس کی 9.6 ملین ایکڑ فٹ پانی ذخیرہ کرنے کی صلاحیت سے ... لاکھ ایکڑ اراضی بھی سیراب ہو گی۔ اس سے 20 فیصد ... ضائع ہو کر سمندر کی نذر ہو جاتا ہے اس کو بھی بچایا جا سکے گا۔ چھوٹے صوبوں کی طرف سے اس ڈیم پر اعتراضات تکنیکی نوعیت کے نہیں ہیں بلکہ ان کی بنیادیں خالص سیاسی ہیں اور صوبوں کے درمیان باہمی عدم اعتماد کا شاخسانہ ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ 1988ء سے لے کر اب تک جتنی بھی سیاسی حکومتیں یا فوجی حکومت رہی ہے انہوں نے اس ڈیم کو ... ضروری قرار دیتے ہوئے اس کی تعمیر کے حق میں دلائل دیئے۔ محترمہ بے نظیر بھٹو، میاں محمد نواز شریف اور جنرل پرویز مشرف ہمیشہ کالا باغ ڈیم کی تعمیر کے حق میں رہے ہیں ان کی طرف سے کوشش بھی کی گئی کہ صوبوں کے درمیان اتفاق رائے پیدا کیا جا سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ تکنیکی نوعیت سے اس منصوبے کو انجینئروں کی بحث کا موضوع بنانے کی بجائے ... سیاستدانوں اور تنگ نظر قوم پرستانہ جذبات کی حامل مقامی سیاسی جماعتوں نے ... بنا دیا ہے۔

... کی جانب سے اس منصوبے پر از سر نو سنجیدہ بحث کا آغاز

ہونا چاہئے۔ اس سے ... نہایت اہم ہے۔ ... بجلی سے بحران کا دیرپا اور مستقل نوعیت کا حل ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق آزاد کشمیر حکومت پاکستان میں ... بجلی ... سے معمولی ... بھی نہیں کیا ... بھارت کو یہ سہولت حاصل ہو گئی ہے کہ وہ جہلم، سندھ اور چناب کا پانی اپنی مرضی سے استعمال کرے۔ آزاد کشمیر اور شمالی علاقہ جات میں ... مقامات کی نشاندہی کی جا چکی ہے جہاں سے سالانہ 5000 میگاواٹ سے زائد بجلی پیدا کی جا سکتی ہے۔ حکومت آزاد کشمیر نے 30 مختلف کمپنیوں کو جہلم، نیلم اور چند دیگر مقامات میں بجلی پیدا کرنے کی اجازت بھی دی مگر ایک کے سوا کسی بھی پراجیکٹ پر تعمیراتی سرگرمیاں شروع نہ ہو سکیں۔ جس بجلی بحران کا پاکستان کو سامنا ہے اس کو مدنظر رکھتے ہوئے پانی سے بجلی پیدا کرنے کے آپشن کو استعمال کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ اس کے لئے پانی کے جو بھی دستیاب وسائل ہیں ان سے ہنگامی بنیادوں پر فائدہ اٹھانے کی کوشش کرنی چاہئے۔

بجلی پر سبسڈی کے خاتمے اور پٹرولیم پر کاربن ٹیکسز کی شرط تو آئی ایم ایف نے لگا کر حکومت کے ہاتھ پاؤں باندھ رکھے ہیں لیکن کیا ڈیموں کی تعمیر اور دوسرے ذرائع سے توانائی کے حصول کی شرط بھی آئی ایم ایف یا ورلڈ بنک نے رکھی ہے یقیناً ایسا نہیں ہے تو پھر کیوں اتنے اہم معاملات میں غفلت کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے۔ ویسے تو یہ بھی کتنی بے بسی کی بات ہے کہ بجلی پر سبسڈی کے معاملے پر بھی ہمیں آئی ایم ایف کی ہدایات پر عمل کرنا پڑتا ہے اور سبسڈی ختم کرنے کی مہلت بڑھانے کے لئے ہمارے مشیر خزانہ کو امریکی حکمرانوں کی منت سماجت کرنا پڑتی ہے۔ اس غلامی سے نکلنے کا واحد حل بھی یہی ہے کہ توانائی کے شعبے میں خود کفالت حاصل کی جائے اور شاید اسی صورت ہم عالمی استعماری طاقتوں کے استحصال سے خود کو محفوظ رکھ سکیں گے۔ سبسڈی کا مقصد غریب عوام کی قوت خرید میں اضافہ کرنا ہوتا ہے تاکہ وہ روح اور جسم کا رشتہ قائم رکھ سکیں، خود عالمی

طاقتیں اور خوشحال ممالک بھی کئی شعبوں میں اپنے عوام کو سبسڈی دیتے ہیں۔ امریکہ صرف زرعی شعبے کو سالانہ 4 کھرب ڈالر کی سبسڈی فراہم کرتا ہے مگر پاکستان کے غریب عوام جن کی قوت خرید کمزور تر ہو چکی ہے۔ کے لئے اس سہولت کا استعمال شجر ممنوعہ قرار دی جا چکی ہے۔

آبی وسائل کو استعمال کرنے کے [illegible] بھی پاکستان کے سامنے کئی آپشنز ہیں جن کو بروئے کار لا کر توانائی کے بحران پر قابو پایا جا سکتا ہے مثال کے طور پر صوبہ سندھ کے علاقے تھر میں دریافت شدہ کوئلے کی مقدار 75 بلین ٹن کے قریب ہے، جبکہ دادو اور بدین میں بھی 10 بلین ٹن کوئلے کے ذخائر موجود ہیں۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ سندھ کے کوئلے کو توانائی کے طور پر استعمال کرنے سے پاکستان میں نہ صرف بجلی کی کمی دور ہو سکتی ہے بلکہ پاکستان بجلی کی پیداوار میں خود کفالت حاصل کر کے بجلی برآمد کرنے والے ملکوں میں بھی شامل ہو سکتا ہے لیکن پاکستان میں موجودہ عالمی تیل مافیا اور اس کے کارندے کوئلے کے ان ذخائر کو بطور ایندھن استعمال کرنے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ تیل مافیا کو خدشہ ہے کہ اگر سندھ کا کوئلہ توانائی کے ذریعے کے طور پر استعمال ہونے لگا تو پاکستان میں آئل کمپنیوں کی دکانیں بند ہو جائیں گی۔ بے نظیر بھٹو نے بطور وزیراعظم 1996ء میں سندھ میں موجود کوئلے کے ذخائر کو استعمال میں لانے کی کوشش کی تھی اور اس سلسلے میں بیرونی کمپنیوں کے ساتھ کئی ایک معاہدے بھی ہوئے تھے لیکن عوام دشمن قوتوں نے ان کی حکومت کے ساتھ تھر کول پراجیکٹ کو بھی ختم کر دیا۔ موجودہ حکومت نے بھی تھر کے کوئلے کو بطور ایندھن استعمال کرنے کے عزم کا اظہار کیا ہے۔ اس سلسلے میں تھر کول اینڈ انرجی بورڈ کے چیئرمین و سندھ کے وزیراعلیٰ [illegible] نے گزشتہ سال واشنگٹن میں سرمایہ کاروں کی کانفرنس بھی منعقد کی۔ معلوم نہیں کہ یہ منصوبہ کہاں تک پہنچا ہے، اگر یہ منصوبہ پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے تو امکان ہے کہ پاکستان میں بجلی کی لوڈشیڈنگ قصہ پارینہ بن جائے گی۔ لیکن تیسری دنیا کے ممالک کے ساتھ [illegible] عالمی طاقتوں کے باعث اپنے وسائل بھی اپنی مرضی سے استعمال کرنے کی

پوزیشن میں نہیں ہیں۔ تھر کے کوئلے کے ذخائر توانائی میں خود کفیل ہونے کے لئے کسی بیدار اور محب وطن لیڈر کے منتظر ہیں۔ اگر یہ ذخائر صحیح طور پر استعمال ہو جاتے ہیں تو یہ اگلے 150 سالوں تک پاکستان کی بجلی کی ضرورت پوری کر سکتے ہیں کیونکہ اس سے آئندہ دس بارہ سال میں ایک لاکھ میگا واٹ تک بجلی پیدا ہو سکتی ہے۔

پرویز مشرف نے 30 اپریل 2005ء کو ایک صدارتی آرڈیننس کے ذریعے Alternative Energy Development Board قائم کیا تھا جس کا مقصد ملک میں توانائی کے متبادل ذرائع تلاش کرنا تھا تاکہ توانائی کے بحران سے نمٹا جا سکے۔ حکومت نے اس ادارے کو 2030 کا ٹاسک دیا تھا جس کے دوران اسے 9700 میگاواٹ بجلی کی پیداوار کا ہدف پورا کرنا تھا۔ بورڈ نے اس سلسلے میں ہوائی اور شمسی توانائی پیدا کرنے کے کئی منصوبے بنائے۔ جن میں سے کچھ پر عملدرآمد بھی شروع کیا گیا۔ اس سلسلے میں پہلا منصوبہ سندھ کے ضلع ٹھٹھہ کے علاقے گھارو میں ہوائی چکیوں کی تنصیب کا تھا تاہم اب تک معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ منصوبہ کس حالت میں ہے اور یہ ادارہ کیا کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ بجلی پیدا کرنے کے لئے ایٹمی انرجی بھی استعمال ہو سکتی ہے جس کی طرف توجہ کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

لوڈشیڈنگ کے عذاب میں قوم کو مبتلا کرنے میں واپڈا کا بھی اہم کردار ہے جس پر لوٹ مار کرنے والا طبقہ چھایا ہوا ہے۔ واپڈا کے معمولی اہلکار بھی بہتی گنگا میں نہا چکے ہیں اور اپنی آنے والی کئی نسلوں کو غم روزگار سے بے نیاز کر چکے ہیں لائن مین کی سطح کے آدمی پوش علاقوں میں کروڑوں روپے کے مکانوں میں رہائش پذیر ہیں۔ واپڈا کے کرپٹ ملازمین نے ہمیشہ اسے خسارے میں رکھا ہے جبکہ ماہرین کے بقول واپڈا کو تربیلا ڈیم کی بجلی کا ایک یونٹ ڈیڑھ روپے کے لگ بھگ پڑتا ہے جسے عام لوگ کس قیمت پر خرید رہے ہیں یہ سب صارفین جانتے ہیں۔ ایک معمولی فہم رکھنے والا آدمی بھی یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ تین سے پانچ گنا نرخ وصول کرنے کے باوجود

خسارہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ کروڑوں روپے جو لائن لاسز کی مد میں ڈالے جاتے ہیں انہی کرپٹ اہلکاروں کی جیبوں میں جا رہے ہیں۔ کرپشن کی لعنت سے نجات حاصل کیے بغیر اس بجلی بحران سے نجات محال ہے۔

حیرت ہوتی ہے جب یہ کہا جاتا ہے کہ کالا باغ ڈیم پر صوبے رضا مند نہیں۔ ایک سادہ سا سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا دہشت گردی کے خلاف جنگ میں ساتھ دینے پر تمام صوبے، تمام سیاسی جماعتیں، تمام پریشر گروپ تیار تھے، یقیناً نہیں۔ لیکن اس وقت کے فوجی آمر نے عالمی مفادات کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے اور کمانڈو جرنیل نے ایک ٹیلی فون کال پر ان کی ہاں میں ہاں ملا دی لیکن اسی بہادر جرنیل کو اتنی توفیق نہ ہوئی کہ ملکی سلامتی کے ضامن اور قومی نوعیت کے اہم منصوبے پر بہادرانہ فیصلہ کرتے ہوئے اس کی تعمیر کا حکم دے دیتا۔ جب تن تنہا بلوچوں کے ہر دلعزیز لیڈر کو پہاڑی غاروں میں قتل کیا جا سکتا تھا اور صوبے کے عوام کے احساسات کو پامال کیا جا سکتا تھا، جب ایک پرائی جنگ کو اپنے ملک لا کر لوگوں کو دہشت زدہ کیا جا سکتا تھا اور لوگوں کی رائے اور صوبائی اتفاق رائے اس کے لئے غیر اہم قرار پا سکتا تھا اور جب ایک دور کے سٹریٹیجک پارٹنرز طالبان کو جنبش قلم صف دشمناں میں کھڑا کیا جا سکتا تھا تو آبی ذخائر کی تعمیر پر ہر دلعزیز فیصلوں کی ایسی کیا ضرورت آ پڑی تھی۔ مان لیتے ہیں اگر یہ منصوبہ کچھ لوگوں کو ناراض کرتا تو آخر لوگوں نے باقی ناپسندیدہ فیصلے بھی تو قبول کئے تھے، لیکن چونکہ ان منصوبوں کا فائدہ عالمی طاقتوں کو نہیں ہوتا تھا اس لئے یہ درخور اعتنا نہ سمجھے گئے اور آمر اپنے پورے دور حکومت میں 1 میگاواٹ بجلی پیدا کئے بغیر ہی اپنی منطقی انجام کو پہنچ گیا۔

موجودہ حکومت میں بھی صورت حال کوئی اتنی زیادہ تبدیل شدہ نظر نہیں آتی اور یہ بھی عالمی طاقتوں سے "وفاداری بشرط استواری" نبھا رہے ہیں۔ پاکستانی خارجہ پالیسی تو کبھی بھی ہماری نہ تھی مگر انہوں نے داخلی معاملات میں بھی عالمی طاقتوں کی غلامی کی روش اپنا

لی ہے اور آئی ایم ایف کے معاشی شکنجے میں خود کو گرفتار کرا کے ان کے فیصلے یہاں نافذ کرا رہے ہیں۔ باقی رہ گئے پاکستان کے غریب عوام جو نہ صرف دہشت گردی، ڈرون حملوں اور خودکش بمباروں کی زد میں ہے بلکہ غربت، جہالت، بے روزگاری، مہنگائی کے ساتھ ساتھ اب لوڈشیڈنگ کے شاہی کوڑے بھی سہہ رہی ہے۔ سیاستدانوں، چوروں، لٹیروں اور مافیاز کے لئے قانونی تحفظ اور این آر او موجود ہیں مگر ملک کے غریب عوام کے لئے نہ پارلیمنٹ میں قانون سازی ہے نہ فیصلہ سازوں کا رحمدلانہ رویہ۔ کبھی کسی آمر پر بھروسہ کرتے اور کبھی جمہوری حکومتوں سے آس لگاتے غریب عوام آجکل سپریم کورٹ پر نظریں جمائے بیٹھے ہیں۔ مگر بقول فیض

شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں

وزیر پانی و بجلی بار بار ایک ہی رٹ لگا رہے ہیں کہ دسمبر تک لوڈشیڈنگ کا خاتمہ کر دیا جائے گا مگر معلوم نہیں کہ ان کے پاس جادو کی ایسی کون سی چھڑی ہے جو چند ماہ میں سب کچھ تبدیل کر دے گی۔ صدر زرداری کی طرف سے بھی اعلان کیا گیا ہے کہ فی صوبہ 8 ڈیم کے حساب سے 32 نئے ڈیم تعمیر کئے جائیں گے، امید ہے مقتدر حلقوں کی طرف سے اس بار کئے جانے والا وعدہ وفا ہو گا۔ وزیراعظم کا فرمانا ہے کہ "قوم دعا کرے کہ لوڈشیڈنگ کا جلد از جلد خاتمہ ہو جائے"۔ وزیراعظم کی معصومیت اور بھولپن اپنی جگہ مگر کوئی ہمارے چارہ سازوں کو یہ اطلاع دے کہ دعاؤں سے تقدیریں نہیں بدلا کرتیں بلکہ دعاؤں سے لوگوں کے ضمیر بدلتے ہیں اور دعا کرنے کی ضرورت خود ان کو ہوتی ہے جن کا بدلنا ضروری ہوتا ہے۔ عوام کی دعاؤں سے اگر بحران ٹلتے تو ہم کیوں مسلسل ساٹھ سالوں سے دعاؤں کے باوجود بحرانوں کی زد میں ہوتے۔

(اگست 2009ء)

☆☆☆☆☆☆☆

شوگر مافیا کو بیوروکریسی نے بچالیا!

انسان نما درندے جن کے منہ کو گزشتہ کئی سالوں سے پاکستانی غریب عوام کا خون لگ چکا ہے اور جن پر وحشت و درندگی کا خصوصی دورہ عموماً رمضان المبارک کے مقدس و مطہر مہینے سے پہلے پڑتا ہے، ایک مرتبہ پھر رمضان المبارک سے پہلے حرکت میں آئے اور ان شیطانی چیلوں نے اس مرتبہ چینی پر حملہ کیا۔ یوں تو تمام اشیائے خورونوش ان کی درندگی کی بھینٹ چڑھ چکی تھیں لیکن اس مرتبہ بطور خاص چینی کو کیوں نشانہ بنایا گیا اس کی تفصیلات بڑی لرزہ خیز لیکن عام پاکستان کے لئے نئی ہرگز نہیں کہ وہ اس کا ایک عرصے سے شکار ہوتا آرہا ہے۔ یہ شیطانی ذریکولا پاکستانی عوام کا اتنا خون پی چکے ہیں کہ اب وہ انہیں اپنا خون پلانے کا عادی ہوتے جارہے ہیں۔

اگست کے پہلے ہفتے تک چینی بازار میں 35 روپے کلو تک آسانی سے دستیاب تھی لیکن چوتھے ہفتے میں اس کا ریٹ 50 تا 55 روپے فی کلو ہو گیا جو سمجھ سے باہر تھا، لوگ حیران تھے کہ اس مرتبہ چینی کا قحط ہے یا حکومت کی طرف سے اس ضمن میں کبھی کچھ نہیں کہا گیا اور یہ فصل سے بہترین حالات کے باوجود ہمارے ہاں اجناس کی پیداوار اچھی ہی ہوئی۔ شاید قدرت کو بھی یہی منظور ہے کہ اس مملکت خداداد میں لطیانی چیلوں چانوں کی

سازش کے باوجود غریب پاکستانی قحط کا شکار نہ ہوں لیکن یہ شیطانی ٹولہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں رہتا۔

شوگر مافیا نے اس مرتبہ جو طریق واردات اپنایا اس کی تفصیلات چونکا دینے والی ہیں۔ ان لوگوں نے کوشش کی تھی کہ اس مرتبہ رمضان المبارک میں چینی کے نرخ 60 روپے کلو تک پہنچ جائیں جس کے لئے سرکاری ایوانوں میں موجود ان کے ساتھیوں اور شوگر مافیا کے کرتا دھرتا ہم خیال افراد کی حکمت عملی کے ذریعے اقتصادی رابطہ کمیٹی ECC کو نظرانداز کیا گیا۔ گزشتہ 9 ماہ کے دوران ٹریڈنگ کارپوریشن آف پاکستان (ٹی سی پی) کی فیصلہ سازی میں ہیرا پھیری کی گئی اور شوگر مل مالکان اور تاجروں، جو سب سیاستدانوں کے اعلیٰ حلقوں سے وابستہ ہیں کے لئے اربوں روپے کے فائدے کے لئے ملک میں چینی کی قیمتوں میں ناقابل اعتبار حد تک اضافے کا ہدف حاصل کیا گیا۔ ٹی سی پی کے ذرائع اور چینی کے ماہر تاجروں کے مطابق چینی کی قیمتوں میں انتہائی حد تک اضافے کا منصوبہ گزشتہ سال اس وقت بنایا گیا جب پاکستان کی سالانہ شوگر رپورٹ برائے 2009-10ء میں پیش گوئی کی گئی کہ ملک کی سالانہ 4.35 ملین ٹن کے مقابلے میں پیداوار 3.65 ملین ٹن رہے گی، لہٰذا سات لاکھ ٹن کی قلت کا امکان تھا۔ چینی کی نمایاں قلت کا علم پہلے سے ہی ہو جانے سے حکومت کی اقتصادی رابطہ کمیٹی (ECC) کو اس بات کا موقع دیا گیا کہ وہ جلد از جلد مناسب ٹیرف پر صاف اور خام چینی کی درآمد کے لئے آرڈر جاری کر کے طلب اور رسد کے فرق کو ختم کرے۔ یہ ایک ایسا اقدام تھا جس سے چینی کی قیمتیں مناسب حد پر برقرار رہتیں۔ شوکت ترین کے تحت اقتصادی رابطہ کمیٹی نے ٹی سی پی کو ہدایت دی کہ وہ اپنے چینی کے ذخائر کو بہتر بنانے کے لئے دو لاکھ ٹن چینی درآمد کرے اور تخمینہ لگاتے ہوئے اس خواہش کا اظہار کیا کہ اس عمل کو فوراً مکمل کیا جائے کیونکہ آئندہ ہفتوں میں چینی کی عالمی قیمتوں میں اضافے کا امکان تھا۔ اقتصادی رابطہ کمیٹی کا اجلاس تین فروری 2009ء کو بھی ہوا جس میں ٹی سی پی کو محتاط ہدایت دی

اردو
کیلئے

میں کیا اپنے ذخائر سے یوٹیلٹی سٹورز کو ایک لاکھ ٹن چینی جاری کرے تاکہ چینی کی بڑھتی قیمتوں [illegible] روایت کو ختم کیا جا سکے۔

چینی کی قیمتوں کی [illegible] پر پھلنے پھولنے والے بااثر شوگر مل مالکان اور ڈیلرز جانتے تھے کہ [illegible] ہو تو اقتصادی رابطہ کمیٹی کا فیصلہ چینی کی قیمتوں میں تیزی سے اضافے کے رجحان کو ختم کر دے گا اور اگر ای سی سی کا فیصلہ کچھ عرصے کے لئے ملتوی کر دیا جائے تو اس سے چینی کی خرید و فروخت کے نتیجے میں ان کی قسمت کو چار چاند لگ جائیں گے۔ ان بااثر کھلاڑیوں کے اثر و رسوخ نے سرکاری حلقوں میں اپنا کام دکھایا۔ ایک طرف ٹریڈنگ کارپوریشن آف پاکستان نے دو لاکھ ٹن چینی کی فوری درآمد کے فیصلہ پر عارضی طور پر عملدرآمد روک دیا اور اپنے ذخائر سے یوٹیلٹی سٹورز کو ایک لاکھ ٹن چینی بھی جاری نہیں کی جبکہ دوسری طرف اقتصادی رابطہ کمیٹی نے فیصلہ کیا کہ چینی کی درآمد کے حوالے سے ای سی سی کے فیصلے پر عملدرآمد نہ کرنے پر ٹی سی پی کو جواب دہ نہ ہونے دینا پراسرار تھا۔ پر اس سے جارحانہ انداز میں سوالات نہیں کئے جائیں گے۔

2 [illegible] 2009ء کو ہونے والے اقتصادی رابطہ کمیٹی کے اجلاس میں ٹی سی پی کی کمپنی [illegible] نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ یوٹیلٹی سٹورز کو 34 روپے فی کلوگرام کے [illegible] چینی جاری کرنے کے پہلے کے احکامات کی بجائے چینی 38 روپے فی [illegible] جاری کی جائے۔ اس قدم کا مقصد مقامی مارکیٹ میں چینی کی قیمتوں کے [illegible] میں جو بات اسے مزید پراسرار بناتی ہے وہ یہ ہے کہ ای [illegible] 38 روپے فی کلوگرام [illegible] نرخوں پر چینی فروخت کرنے [illegible] میں چینی کی قیمتیں ریکارڈ سطح یعنی 52 روپے فی [illegible] جب چینی کی قیمتوں میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے فروری

میں، جب عالمی سطح پر قیمتیں درمیانی سطح پر تھیں، چینی کی درآمد کے لئے دیا جانے والا آرڈر ٹی سی پی کی بیوروکریسی میں پھنسا ہوا۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ گزشتہ اکتوبر میں 50 ہزار ٹن چینی کی درآمد کے لئے ٹی سی پی کی جانب سے جاری کئے جانے والے ٹینڈر کو بھی ٹی سی پی کی جانب سے منسوخ کروا دیا گیا، جس کی وجہ سے بھی چینی کی قیمتوں میں مزید اضافہ ہوا۔ چینی کی مافیا کی جانب سے اٹھائے جانے والے فائدے کی یہ ایک اور مثال ہے۔

اقتصادی رابطہ کمیٹی کے اجلاس کی صدارت کرنے والے وفاقی وزیر خزانہ شوکت ترین نے اس سلسلے میں معروف تجزیہ نگار کامران خان سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ "یہ سنجیدہ نوعیت کا معاملہ ہے اور اقتصادی رابطہ کمیٹی کے اجلاس میں ہم نے ٹی سی پی کی جانب سے ای سی سی کے فیصلے کی خلاف ورزی کی تحقیقات کا حکم دیا ہے"۔ انہوں نے نشاندہی کی "اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ ٹی سی پی کی جانب سے ای سی سی کے فیصلے کی کھلی خلاف ورزی نے ملک بھر میں چینی کی قیمتوں میں زبردست اضافے میں کردار ادا کیا ہے"۔ انہوں نے اس بات کی تصدیق کی کہ زبردست منافع کی خاطر چینی کے بڑے ذخائر کی ذخیرہ اندوزی کی گئی ہے۔ انہوں نے اس بات کا انکشاف کیا کہ انہیں آگاہ کیا گیا ہے کہ یوٹیلٹی سٹورز کو اپنے ذخائر سے ایک لاکھ ٹن چینی جاری کرنے کے لئے ٹی سی پی کو ای سی سی کی جانب سے دی گئی ہدایت پر عملدرآمد میں تاخیر کرنے کی ہدایت ایک بااثر وفاقی وزیر نے دی تھی۔ انہوں نے مذکورہ وزیر کا نام نہیں بتایا تاہم اتنا کہا کہ اس سلسلے میں تحقیقات ہو رہی ہیں۔ انہوں نے آگاہ کیا کہ انہوں نے اب ٹی سی پی کو ہدایت دی ہے کہ وہ ای سی سی کے پہلے فیصلے کے تحت ہر ماہ 38 روپے فی کلوگرام کے خوردہ نرخ پر یوٹیلٹی سٹورز کو 70 ہزار ٹن چینی جاری کرے۔ انہوں نے کہا، "میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم اس بات کو یقینی بنائیں گے کہ یوٹیلٹی سٹورز سے چینی بھاری منافع کمانے والوں کی بجائے عام لوگوں تک پہنچے اس سے پہلے ملک میں چینی کی قیمتوں میں زبردست اضافے کو یقینی بنانے کے لئے انتہائی

حامد اردو فینز کیلئے

شرمناک انداز سے اقدامات کئے گئے۔ حکومتی وابستگیاں رکھنے والی بااثر لابی نے گذشتہ سال تجویز میں اس وقت سنجیدہ اقدامات کئے جب طلب اور رسد کے فرق کو ختم کرنے کے لئے خام چینی درآمد کرنے کی تجویز متعلقہ سرکاری حلقوں کی جانب سے مسترد کر دی گئی۔

چینی کی تجارت سے وابستہ ذرائع کے مطابق کم رسد کی وجہ سے چینی کی قیمتوں میں اضافہ ہو رہا ہے جبکہ رمضان کی وجہ سے چینی کی طلب میں اضافہ ہو رہا ہے۔ دوسری طرف شوگر کمپنیوں اور بڑے ڈیلرز کی جانب سے ایڈوانس فروخت اور ایڈوانس ڈیلیوری کے نام پر بڑی مقدار میں چینی کی ذخیرہ اندوزی کی جا رہی ہے۔ ٹریڈ انڈسٹری کے ایک باخبر ذریعے کے مطابق "یہ لوگ رمضان مبارک کے آغاز کے لئے چینی کے بڑے ذخائر محفوظ کر رہے تھے اور جب قیمتیں آسمان کو چھو رہی ہوں گی اس وقت یہ ذخیرہ کیا ہوا اسٹاک مارکیٹ میں جاری کیا جائے گا تاکہ زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کیا جا سکے"۔ وزیر خزانہ شوکت ترین کا کہنا ہے کہ اہم کھلاڑیوں کی جانب سے کی جانے والی اس ذخیرہ اندوزی نے چینی کی قیمتوں کے حوالے سے ملک میں بحرانی کیفیت پیدا کر دی ہے۔ یہ پہلی مرتبہ نہیں ہے لیکن اس مرتبہ کے سکینڈل میں چینی کی قیمتوں میں ہونے والے اضافے کی کوئی نظیر نہیں ملتی کیونکہ پاکستانی صارف کو انتہائی ضرورت کی چیز کے لئے انتہائی بھاری قیمت ادا کرنا پڑ رہی ہے۔ یہی ایک سکینڈل پرویز مشرف کی ناک کے نیچے سامنے آیا تھا جب چینی کی قیمت اس وقت کی انتہائی حد یعنی 35 روپے فی کلوگرام تک پہنچ گئی تھی۔ قومی احتساب بیورو نے ایک تحقیق کے نتیجے میں اس سکینڈل میں پرویز مشرف حکومت کے کچھ قریبی ساتھیوں [illegible] تھے۔

[illegible] میں اس رپورٹ کی اشاعت سے اگلے ہی روز 14 اگست کو [illegible] ذخیرہ اندوزوں نے اپنی دانست میں خود کو بالکل محفوظ سمجھ کر اگلی [illegible] وزیر اعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف آفت ناگہانی بن کر ان

پر ٹوٹے۔ 14 اگست کو ان ذخیرہ اندوزوں کے خلاف سرعت سے آپریشن شروع ہوا جس میں پنجاب کے مختلف شہروں سے لاکھوں کی تعداد میں چینی کی بوریاں گوداموں سے برآمد کی گئیں۔

ساری قوم میاں شہباز شریف کے اس اقدام پر ان کو خراج تحسین پیش کر رہی تھی اور امید کر رہی تھی کہ وہ اس ضمن میں ایسی مثال قائم کریں گے کہ لوگ انہیں ہمیشہ یاد رکھیں لیکن [illegible] آڑے آ گئی اور ان مجرموں کو خاصی چھوٹ مل گئی۔

کاش پنجاب کے وزیر اعلیٰ یہ روایت قائم کریں کہ جس علاقے سے اسی طرح سٹاک کی گئی اجناس برآمد ہوں وہ مال ان کے سامنے اسی علاقے کے محتاجوں اور مجبوروں میں مفت تقسیم کر دی جائیں لیکن "بلی کے گلے میں گھنٹی باندھے گا کون؟"

(ستمبر 2009ء)

پاکستانی معیشت کا کینسر

1689ء میں یہودیوں نے اپنی سازشوں اور مالی امداد سے ہالینڈ کے ایک باشندے William Stradholder کو انگلستان کا بادشاہ بنوا دیا تھا اور اسے کاروبار مملکت چلانے کے لئے ساڑھے بارہ لاکھ پاؤنڈ قرض بھی دیا تھا۔ اس احسان کا بدلہ چکانے کے لئے اس بدیسی بادشاہ انگلستان نے یہودیوں کو "بنک آف انگلینڈ" قائم کرنے کا چارٹر عطا کیا اور اس بنک کو ایسی ایسی مراعات دیں جو انگلستان کو یہودیوں کے ہاتھ کوڑیوں میں فروخت کر دینے کے مترادف تھیں۔ ہمارے زمانے کے بنک اسی بنک آف انگلینڈ کی ذریت ہیں۔ اسلام میں سودی کاروبار حرام ہے اور ہمیں پاکستان میں بنکوں کو کام کرنے کی اجازت دینے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، مگر پاکستان اتنے مشکل حالات میں بنا تھا اور اتنے مسائل کا شکار تھا کہ یہاں کی حکومت سود کے خاتمے کی طرف فوری توجہ نہیں دے سکی۔ پھر بھی قائداعظمؒ نے سٹیٹ بنک کے ریسرچ ڈیپارٹمنٹ سے توقع کی تھی اور یہ امید ظاہر کی کہ یہ ڈیپارٹمنٹ پاکستانی مالیاتی نظام کو اسلامی اقدار کے سانچے میں ڈھالے گا مگر قائداعظمؒ کی زندگی نے وفا نہیں کی اور ملک لٹیروں کے ہاتھ میں چلا گیا تو بنکوں [illegible] ہر طرح کا کنٹرول بنایا جانے لگا اور انہیں ملک کی دولت لوٹنے کا

پورا پورا موقع فراہم کیا گیا۔ بنکوں نے بھی دانستہ Bad Debts دے کر اور پھر معاف کر کے صاحبان اختیار کی جیبیں رشوت سے بھر دیں۔ اب اس وقت ملک کی مالیاتی صورت حال یہ ہے کہ جتنے کرنسی نوٹ سٹیٹ بنک میں ذخیرے میں ہیں یا نئے چھاپ کر سٹیٹ بنک میں جمع کئے جاتے ہیں وہ "منی مارکیٹ" کے کنٹرول میں ہیں اور حکومت اور عوام کے پاس صرف وہ کرنسی نوٹ ہیں جو پہلے سے ان کے درمیان زیر گردش ہیں۔ یہ ایک "جوئے کم آب" ہے جو عوام اور حکومت کے درمیان چکر لگاتی رہتی ہے۔ بڑھتی ہوئی آبادی یا ضروریات کے تناسب اس میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ اگر اضافہ ہوتا ہے تو وہ سودی قرض کی صورت میں ہوتا ہے جو حکومت/عوام سٹیٹ بنک/بنکوں سے لیتے ہیں اور جتنا لیتے ہیں مع سود اس سے زیادہ واپس کرتے ہیں جس کے نتیجے میں حکومت اور عوام کے درمیان زیر گردش کرنسی نوٹ مزید کم ہو جاتے ہیں جبکہ آبادی اور ضروریات بڑھ چکی ہوتی ہیں۔ اس سے حکومت اور عوام غریب سے غریب تر ہو جاتے ہیں۔ ان دو فریقوں، حکومت اور عوام، میں چونکہ حکومت طاقتور اور عوام کمزور ہیں اس لئے حکومت زیر گردش کرنسی نوٹوں کا بڑا حصہ ٹیکسوں کی شکل میں عوام سے جبراً لے لیتی ہے اور انہیں مفلسی کے سمندر میں غوطے کھانے کے لئے چھوڑ دیتی ہے اس طرح پاکستان کی آبادی دو طبقات میں تقسیم ہو گئی ہے۔
1۔ عیش و عشرت میں غرق حکمران اور 2۔ مفلسی کا شکار عوام۔ دولت کی فراوانی سے حکمرانوں میں بے انتہا اخلاقی خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں جبکہ مفلسی کے شکار عوام ہر طرح کے مجرموں کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ پاکستان کے دشمنوں خصوصاً بھارت اور اسرائیل نے اس صورت حال سے خوب فائدہ اٹھایا ہے۔ بھارت نے پاکستان کو حالتِ جنگ میں رکھ کر حکومت پاکستان پر اخراجات کا پہاڑ لاد دیا ہے جو ان کے عیش و عشرت پر ہونے والے اخراجات کے علاوہ ہے جبکہ اسرائیل نے ان اخراجات کو پورا کرنے کے لئے پاکستان کو بیرونی قرضوں کے جال میں پھنسوا دیا۔ واضح ہو کہ تمام بین الاقوامی قرض دینے والے ادارے یہودیوں کے کنٹرول میں ہیں۔ پھر قرضوں کے دباؤ

حامد
اردو فین
کیلئے

میں پاکستان کے حکمرانوں سے پاکستان کی اسلامی حیثیت ختم کرانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس کے لئے انگلش میڈیم تعلیمی اداروں کو استعمال کر رہے ہیں۔ ٹی وی دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ش[illegible] ارکان حکومت نے سوٹ کو قومی لباس اور انگریزی کو حکومت کی زبان بنا چکے ہیں۔ ٹیلی ویژن پر آنے والی خواتین سے ان کی زینت کی چیزیں جنہیں اللہ نے چھپانے کا حکم دیا ہے ظاہر کروائی جا رہی ہیں۔ عورتوں کا مردوں سے ملاپ کرایا جا رہا ہے (معاذ اللہ) اور مخلوط تعلیمی ادارے قائم کئے جا رہے ہیں جبکہ خود انگریزوں نے اپنے دور حکومت میں عورتوں اور لڑکیوں کے لئے علیحدہ ہسپتال اور تعلیمی ادارے قائم کئے جہاں ان کے پردے کا اطمینان بخش انتظام ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ ٹرینوں میں عورتوں کے لئے علیحدہ ڈبے ہوتے تھے جہاں وہ اطمینان سے لیٹ بیٹھ سکتی تھیں۔ پاکستان میں یہ سب تقریباً ختم کر دیا گیا ہے۔ ہمارے حکمران انگریزوں سے زیادہ انگریز بننے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان سب کوششوں کے پس پردہ ان کی اسلامی پابندیوں سے آزاد زندگی بسر کرنے کی خواہش ہے کہ جو جی چاہے کریں انہیں کوئی پوچھنے والا نہ ہو۔ یہ ان کی کم فہمی ہے، پوچھنے والے تو مغربی معاشرے میں بھی ہوتے ہیں، البتہ جنسی آزادی پر وہاں روک ٹوک نہیں ہوتی مگر باہمی رضامندی شرط ہے۔

پاکستان قدرتی وسائل اور دیگر ذرائع آمدنی سے مالا مال ہے اور اسے قرضوں کے جال سے نکال کر ترقی یافتہ فلاحی مملکت بنانا بہت آسان ہے۔ اس کے لئے صرف سودی کاروبار کو غیر قانونی قرار دے کر کرنسی کو حکومت کے کنٹرول We control the currency and we do not care who makes the other Laws. (Jewish Baukers) میں لینا ہوگا جس کے لئے سٹیٹ بنک کو "بنکوں کے بنک" کے بجائے "قومی خزانہ" قرار دینا ہوگا اور اسے ہمیشہ کرنسی سے بھرا ہوا رکھنا ہوگا۔ اس کے بعد حکومت اپنے [illegible] ملک کو ترقی یافتہ فلاحی مملکت بنانے کے لئے قومی خزانے کو

بلا خوف "افراط زر" استعمال کرے اور عوام سے کوئی ٹیکس نہ لے۔ اس طرح حکومت اور عوام دونوں کے پاس سرمائے کی فراوانی ہوگی۔ بچت اور سرمایہ کاری دونوں میں تیز رفتار ترقی [illegible] ہاتھ [illegible] ضروریات زندگی ان [illegible] پیداوار میں [illegible] اضافہ ہوگا۔ ہماری سستی پیداوار [illegible] دوسرے ممالک کے ساتھ [illegible]

ابتدائی چند سالوں کے علاوہ پاکستان میں [illegible] حکومت رہی ہے جو عوام کی سادگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انگریزوں کے قدیم نسخے "تقسیم کرو اور حکومت کرو" (Divede and Rule) پر عمل کر کے اقتدار پر قبضہ کرتے ہیں اور پھر قدرتی وسائل سے دولت پیدا کرنے کے بجائے ملک میں موجود دولت دونوں ہاتھوں سے لوٹنے میں لگ جاتے ہیں۔ یہ لٹیرے پاکستان میں نفاذ اسلام کے سخت ترین مخالف ہیں کیونکہ اس سے ان کے لوٹ مار کے مواقع جاتے رہیں گے اور یہ اب تک نہ صرف نفاذ اسلام کو روکنے میں کامیاب رہے ہیں بلکہ انہوں نے قوم کے اخلاق کو اتنا خراب کر دیا ہے کہ وہ اب نفاذ اسلام کا تقاضہ بھی نہیں کرتی اور تقدیر پر صابر و شاکر ہو کر بیٹھ گئی ہے۔

جب لٹیروں کی بری حکومت عوام کے لئے ناقابل برداشت ہو جاتی ہے تو فوج کو مداخلت کرنی پڑتی ہے۔ فوج کے حکومت میں آنے پر عوام مٹھائی بانٹتے ہیں اور حکومت کو استحکام حاصل ہو جاتا ہے مگر یہودیوں کے آلہ کار بین الاقوامی سازشی فوجی حکومت کو بھی چلنے نہیں دیتے۔ کیونکہ پاکستان کو تباہ کرنا ان کے پیش نظر ہے۔ عوام کی بدقسمتی سے ملک میں عوام دوست لیڈروں کا قحط ہے اور جو بطور استثنیٰ ہیں بھی ان کی آواز نقار خانے میں طوطی کی آواز کے مانند ہے۔ پاکستان میں مذہب ایک بڑی طاقت ہے مگر فرقہ بندی نے مذہبی قوتوں کی ہوا اکھاڑ دی ہے اور انہیں غیر موثر

قرارداد مقاصد اور 22 (وضاحتی) نکات کو اس طرح آئین میں جزو بنا کر
رکھ دیا گیا ہے۔ غضب خدا کا سودی لین دین کرنا اللہ اور اس کے رسولؐ سے
لڑائی ہے جس طرح ... پاکستان میں یہ لین دین 62 سال سے زور وشور سے جاری ہے اور مذہب کے
ٹھیکیدار منہ میں تالے ڈالے بیٹھے ہیں۔ ذرا آواز نہیں نکالتے بروز حشر یہ اللہ کو کیا جواب دیں
گے۔ یہ سب معلوم ہیں مگر انہوں نے کبھی تحقیق کر کے عوام کو جلسہ ہائے عام میں نہیں بتایا کہ
ملک کی غربت، مہنگائی اور تمام مصائب اور حکومت کی کشکول برداری ملک پر مسلط سودی نظام کی
وجہ سے ہیں۔ اگر یہ تحریک چلاتے تو عوام ججوں کی بحالی کی تحریک سے زیادہ ان کا ساتھ
دیتے اور اس تحریک کے سبب میں سودی نظام مالیات جھاگ کی طرح بہہ جاتا مگر ہمارے
علماء کرام نے جدید بینکنگ کے مضمرات پر کوئی تحقیق نہیں کی۔ کیا تو یہ کیا کہ اسلامی بینکنگ کے
جائز ہونے کا فتویٰ دے دیا جس سے اسلامی بینکنگ کی ایک کھڑکی کھول کر سودی بینکنگ زور وشور
سے جاری ہے اور پاکستان میں روز ایک نیا بینک مع اسلامی بینکنگ کی کھڑکی کے کھل رہا ہے۔
اسلامی بینکنگ کے جائز ہونے کا فتویٰ دینا ایسا ہے جیسا تاڑی (تاڑ کے درخت سے نکلنے والا نشہ
آور شراب) پینے کے جائز ہونے کا فتویٰ دینا جبکہ شراب پینے سے بچنے کے لئے تاڑی پینے سے بچنا
ضروری ہے یا سگریٹ نوشی سے بچنے کے لئے سگریٹ سے بچنا ضروری ہے ورنہ ایک قدم اٹھا لینے کے
بعد دوسرا قدم خود بخود آسان ہو جاتا ہے۔ خود امریکہ والوں نے تحقیق کر کے دنیا پر یہودیوں کے
تسلط کا سبب سودی نظام بتایا ہے اور آج جو مالیاتی بحران آ رہے ہیں وہ بھی اسی نظام کے سبب
سے ہیں مگر یہ بات نہیں بتائی جاتی ہیں۔ مفصل معلومات کے لئے صرف ایک کتاب
"Pawns in the game" ملاحظہ کریں جو امریکہ میں William Guy Carr نے
لکھی ہے۔

... جو مراعات دی گئی ہیں ان کا کوئی جواز نہیں ہے۔ یہ مراعات

یہودیوں کو انگلستان سے ایک بادشاہ ولیم آف آرنج نے دی قسمیں لے انگلستان کا شہری بنا دیا
کے باوجود یہودیوں نے انگلستان کے تخت پر قبضہ کیا تھا۔ انہوں نے یہ مندرجہ ذیل مراعات بینکوں کو
کیوں دی ہوئی ہیں جن کی وجہ سے ہمارے عوام بھوکے مر رہے ہیں اور حکومت دنیا میں بھیک مانگتی
پھر رہی ہے؟ جبکہ اتنی قدرتی وسائل، انسانی لیاقت، محنتی قوم وغیرہ کی بنیاد پر پاکستان کو دنیا کا
امیر ترین ملک بنایا جا سکتا ہے۔

☆ ہم نے اپنی کرنسی کا مکمل کنٹرول بینکوں کے ہاتھ میں کیوں دیا ہوا ہے کہ حکومت بھی
اسے خرچ کرنے کا اختیار نہیں رکھتی جبکہ بینک اسے سود پر چلاتے ہیں (IMF پاکستان کی معیشت کا
گلا گھونٹنے کے لئے اس کی بھی مخالفت کرتی ہے کہ یہ کرنسی حکومت کو بطور سودی قرض بھی دی
جائے)۔

☆ ہم نے عوام کے ڈیپازٹ کا 90% بینکوں کو سود پر چلانے کا اختیار کیوں دیا ہوا ہے۔

☆ ہم نے عوام کے Deposit سے دس گنا زیادہ کی پرائیویٹ کرنسی (مثلاً
کریڈٹ کارڈ، قرض کی چیک بک) بینکوں کو سود پر چلانے کی اجازت کیوں دی ہوئی ہے۔

☆ ہم نے بینکوں کو کھاتے داروں (Depositors) اور قرضہ داروں سے من مانے
Charjges وصول کرنے کی اجازت کیوں دی ہوئی ہے۔

بینک کس طرح ملک کو لوٹ رہے ہیں اس کا پتہ اسمبلی میں پوچھے گئے صرف ایک (مندرجہ
ذیل) سوال سے چل جائے گا

"یہ معلومات سٹیٹ بینک سے حاصل کر کے بتائی جائیں کہ بینکوں کے مالکان نے پاکستان
میں اپنا بینک قائم کرنے میں اپنا کتنا سرمایہ لگایا اور انہیں ہر سال ٹیکس ادا کرنے سے پہلے اور بعد کتنا
منافع ہوا؟ (آسانی کے لئے صرف پچھلے پانچ سال کے اعداد و شمار حاصل کئے جائیں)"

اگر ہم اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں ملک میں سودی کاروبار مع اسلامی بینکنگ کو غیر قانونی قرار

[illegible] امن و آشتی اور خوشحالی اور فارغ البالی کا گہوارہ [illegible]
[illegible] مندرجہ ذیل اقدام اٹھانے ہوں گے
1. [illegible] خزانہ قرار دینا ہوگا۔
2. [illegible] بنانے کے لئے حکومت کو اس خزانے کو استعمال کرنے کا پا[illegible]
[illegible] ہوگا۔
3. حکومت کو [illegible] ٹیکس ختم کرنے ہوں گے کیونکہ وہ اپنا خرچ عوام کے خزانے سے پورا کرتی ہوگی۔
4. عوام کو [illegible] اکاؤنٹس میں روپیہ رکھنے کی فری سہولت دینا ہوگی۔

(ستمبر 2009ء)

پاکستان کو بنجر کرنے کا خوفناک بھارتی منصوبہ

پانی انسانیت کی بقا کے لئے کتنا ناگزیر ہے اس کا اندازہ شاید پیاس سے مرنے والوں نے ضرور لگایا ہوگا کیونکہ کسی انسان کے بس میں نہیں کہ وہ اس موت کی شدت کو الفاظ میں بیان کر سکے، آپ نے افریقہ کے صحراؤں کی وہ تصاویر دیکھی ہوں گی جہاں ریت پر گرائے جانے والے مکئی کے دانے لوگ ایک دوسرے کو کچلتے ہوئے اکٹھے کرتے ہیں کہ ان کی زمینیں پانی کی کمی سے بانجھ ہو چکی ہیں، یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ہمارا حال کیا ہے لیکن اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ بھارت نے پاکستان کو پانی سے محروم کر کے ایک ایسی جنگ کا آغاز کر دیا ہے جس کا انجام سوائے تباہی کے اور کچھ نہیں ہوگا۔

قوم کو یاد ہی ہوگا کہ ہمارے صدر کے دورہ امریکہ میں من موہن سنگھ نے یہ کہہ کر ہم سب کا من موہ لیا تھا کہ ''سندھ طاس معاہدے پر اس کی روح کے مطابق عمل کیا جائے گا''۔ کیا ہوا، جو اس نے چناب کا پانی روکنے کے لئے غیر قانونی طور پر دریائے چناب پر بگلیہار ڈیم تعمیر کر لیا ہے۔ دریائے سندھ کا 40 فیصد پانی ایک خفیہ سرنگ کے ذریعے چوری کر کے دریائے برہم پترا میں ڈال رہا ہے اور اس سے بھی معاہدے کی روح پر بھلا کیا اثر پڑے گا کہ وہ دریائے سندھ کے

اور سندھ کی سوا کروڑ ایکڑ اراضی پانی کی کمی سے دوچار ہے۔ یہی صورت حال برقرار رہی تو خدشہ ہے کہ کہیں یہاں ایتھوپیا اور صومالیہ جیسے حالات پیدا نہ ہو جائیں اور [illegible] اسی طرح ہماری انتہائی زرخیز زرعی زمینیں ابھی ویران اور بے آباد نہ ہو جائیں۔ حیرانی کی بات یہ ہے کہ اس سنگین صورت حال پر کوئی بات بھی نہیں کر رہا۔ پچھلی حکومت سے تو خیر کسی کو کوئی امید ہی نہیں تھی لیکن موجودہ حکومت ؟ ایک خاموشی ہے ہر بات کے جواب میں۔ کیا اس مسئلے سے کرتا دھرتا اس خاموشی کا کوئی تسلی بخش جواز پیش کر سکتے ہیں؟

برصغیر کی تقسیم کے بعد دونوں ملکوں کے مابین 18 دسمبر 1947 کو ایک معاہدہ کیا گیا جس کی رو سے دونوں ممالک کے درمیان پانی کی تقسیم ملکوں کی تقسیم سے پہلے والی پوزیشن ہی پر رکھنی تھی لیکن آٹھ ماہ سے بھی کم مدت کے اندر بھارت نے بغیر کسی پیشگی اطلاع کے آب پاشی کے لئے مخصوص ہر اس نہر کو بند کر دیا جو فیروز پور اور گورداس پور سے نکل کر دونوں ملکوں کی سرحد عبور کرتی تھی۔ بھارت کی اس کارروائی کے باعث پاکستان کی زرعی فصلوں کو شدید نقصان پہنچا۔ بھارت کا مطالبہ تھا کہ بھارتی پنجاب سے گزرنے والے تمام دریاؤں پر پاکستان، بھارت کا حق تسلیم کرے اور ان کے پانی پر پاکستان (پنجاب) کے باشندوں کے حق اور حصے کا مطالبہ نہ کرے۔ اس کے برعکس پاکستان کا مطالبہ تھا کہ پانی کے استعمال یا کھپت کی موجودہ صورت حال جوں کی توں رہنے دی جائے، البتہ زائد پانی کو دونوں ممالک کے رقبے اور آبادی کے لحاظ سے تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پاکستان کے اس مطالبے کو متعدد معاہدوں اور ملکوں کی حمایت حاصل تھی لیکن اپریل 1948 کو بھارت نے ایک بار پھر پاکستان کو دریاؤں کے پانی کی فراہمی روک کر یہ ثابت کر دیا کہ وہ کسی معاہدے اور اخلاقیات کو نہیں مانتا۔ اس آبی بحران سے نمٹنے کے لئے پاکستان کے ایک وزارتی وفد کو نئی دہلی کا ہنگامی دورہ کرنا پڑا اور پانی کی بحالی کے لئے بات چیت کرنا پڑی۔ ان مذاکرات میں بھارت نے اصرار کیا کہ مشرقی جانب سے آنے والے تمام دریاؤں پر پاکستان، بھارت کی

اوپر کارگل کے مقام پر ایک بہت بڑا کارگل ڈیم بنا رہا ہے، جو دنیا کا تیسرا بڑا ڈیم ہوگا، جس کی تعمیر کے بعد دریائے سندھ کی حیثیت ایک برساتی نالے سے زیادہ نہیں رہ جائے گی۔ بھارت دریائے سندھ میں گرنے والے ندی نالوں پر بھی 14 چھوٹے ڈیم بنا رہا ہے۔ اسی طرح جہلم سے ایک اور بگلیہار سے دو نہریں نکال کر راوی میں ڈالی جا رہی ہیں اور راوی کا پانی ستلج میں ڈال کر راجستھان لے جایا جا رہا ہے۔ جہلم پر 12 اور چناب پر مزید 20 چھوٹے ڈیم بنائے جانے کے منصوبوں پر بھی کام ہو رہا ہے اور یہ تمام آبی تجاوزات ان دریاؤں پر ہو رہی ہیں، جو سندھ طاس معاہدے کے تحت پاکستان کے حصے میں آئے ہیں اور معاہدے کے مطابق ان دریاؤں کے پانی روکنے اور ان پر ڈیم بنانے کا بھارت کو کوئی حق نہیں ہے لیکن ظاہر ہے ان چھوٹی بڑی خلاف ورزیوں سے [illegible] پر کیا اثر پڑتا ہے، جب ہی تو حکومت اتنی مطمئن نظر آ رہی ہے۔ یہ "سرکاری خاموشی" بھارت کو مزید شہ دینے کے برابر ہے، جو ہمارے ملک کو دھیرے دھیرے صحرا بنانے کے منصوبے پر کام کر رہا ہے۔

بھارت کی تاریخ عہد شکنی سے عبارت ہے، اس نے کبھی کسی معاہدے اور قانون کی پابندی نہیں کی، چاہے وہ مسئلہ کشمیر ہو، سرکریک تنازع ہو یا آبی مسائل، وہ ہر مسئلے کو بات چیت کے ذریعے حل کرنے کا خواہش مند تو ضرور نظر آتا ہے لیکن برسوں کے تجربے نے ثابت کر دیا ہے کہ کسی بھی مسئلے کے حل میں تعطل پیدا کر دینے کا یہ بہترین ہتھکنڈا ہے، جسے بھارت مہارت سے استعمال کرتا ہے۔

[illegible] جو بھارت کو آئینہ دکھائے؟ دریائے چناب کے پانی میں سے سات سے [illegible] بھارت روزانہ چوری کر رہا ہے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ پنجاب کی اس [illegible] میں ریت اڑ رہی ہے۔ [illegible] ساہیوال، اوکاڑہ، ملتان، ایسٹرن بار [illegible] کی زرعی زمینیں تباہ ہو رہی ہیں۔ جون سے اب تک پنجاب

ملکیت کا حق تسلیم کرے۔ بھارت کا یہ مطالبہ سراسر غلط تھا، کیونکہ 1921ء کے بارسلونا کنونشن
[illegible] بھی تھا۔ کسی بھی ملک کو ایسے دریاؤں کا پانی روکنے یا ان کا رخ موڑنے
کا قطعی کوئی حق حاصل نہیں، جو کسی ملک کی سرحد عبور کر کے پڑوسی ملک میں داخل ہوتے
ہیں۔ مذکورہ کنونشن کے مطابق کسی ملک کو دریاؤں کے پانی کی اس حد تک اور اس طریقے سے
[illegible] بھی حاصل نہیں کہ اس کے پڑوسی ملک کی زمینیں سیراب نہ ہو سکیں یا وہ پینے
[illegible] ہر قاعدے اور قانون سے خود کو ماورا سمجھنے والے
بھارت نے اس کنونشن کو بھی اپنی ٹھوکر پر رکھا۔ بھارتی رویے سے مجبور ہو کر پاکستان نے [illegible]
[illegible] کی کوششیں شروع کر دیں۔ اس دوران بھارت نے دریائے
ستلج [illegible] فیروزپور سے آگے ہریکے کے مقام پر بیراج کی تعمیر شروع کر دی
[illegible] بھی کام شروع کر دیا۔ پاکستان کی ہر کوشش، ہر اعتراض اسے مسترد کر دیا
[illegible] پڑ گئے، چونکہ اس مسئلے سے لاکھوں لوگوں کی قسمت وابستہ تھی
[illegible] اس کا حل بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا لہٰذا امریکہ کے ایک مشہور
[illegible] (جو 1957ء میں بند ہوا) نے ٹینیسی ویلی اتھارٹی کے سابق چیئرمین اور امریکی
[illegible] حقائق معلوم کرنے کی غرض سے بھارت اور پاکستان
[illegible] ایک تفصیلی رپورٹ تیار کرنی تھی، جس کا مقصد مسئلہ کا
[illegible] آرٹیکلز کی صورت میں اپنی رائے کا اظہار کیا۔
[illegible] 4 اگست 1951ء کے شمارے میں شائع ہوا، اس نے لکھا تھا
[illegible] پاکستان کو پانی سے محروم اور صحرا بنا دے گا ان
[illegible] بھارت تصدیق کرے اور دونوں
[illegible] کر کام کریں [illegible] علیحدہ

علیحدگی کی صورت میں دونوں ممالک ہی مقصد حاصل نہیں کر سکیں گے۔ کیونکہ دریا (سندھ)
دونوں ممالک کی سرحد کو خاطر میں نہیں لاتا اور کشمیر، بھارت اور پاکستان سے گزرنے والے اپنے
قدرتی راستے پر گامزن رہتا ہے۔ اس پورے نظام کو بطور ایک اکائی ترقی دی جانی چاہئے اور
امریکہ کی سات ریاستوں سے TVA سسٹم کی طرح بطور ایک اکائی ہی چلایا بھی جانا چاہئے"۔
اس وقت کے عالمی بنک کے صدر یوجین آر بلیک نے [illegible] کے تحریر کردہ آرٹیکلز پڑھے اور ان سے
رابطہ کر کے پوچھا کہ بھارت اور پاکستان کے لئے یہ ان کی تجاویز قابل قبول ہو سکتی ہیں۔ دونوں
سے مشورت کے بعد صدر عالمی بنک نے دونوں ممالک کے وزرائے اعظم کو خطوط لکھے اور دریائے
سندھ کے پانی کے تنازع کے حل کے لئے مذاکرات کی غرض سے اپنے دفتر کی خدمات پیش کر
دیں۔ یہ مذاکرات مئی 1952ء میں عالمی بنک کی نگرانی میں شروع ہوئے اور یہ وقفے وقفے سے
تقریباً نو برس تک جاری رہے لیکن کوئی تصفیہ نہ ہو سکا۔ 1957ء میں پاکستان نے یہ مسئلہ سلامتی
کونسل میں لے جانے کا فیصلہ کیا۔ اسے یقین تھا کہ اسے انصاف مل جائے گا لیکن اس کے فوراً بعد
ایوب خان تشریف لے آئے اور آتے ہی مذاکرات میں مصروف پاکستانی وفد کو حکم دیا کہ وہ بنک
کی تجاویز غیر مشروط طور پر مان لیں۔ اختلاف رکھنے والے وفد کو مذاکرات سے نکال دیا گیا اور
تین دریا یعنی 30 ملین ایکڑ فٹ قدرت کا عظیم تحفہ بالآخر بھارت کے حوالے کر دیا گیا۔ اس سلسلے
میں بھارتی صحافی کلدیپ نائر کی گواہی موجود ہے۔ ان کے الفاظ میں "1951ء میں جب
پاکستان سلامتی کونسل میں جا رہا تھا تو امریکی رضامندی سے معاملہ ورلڈ بنک کو منتقل کر دیا گیا"۔
اس معاہدے کے تحت مغربی دریاؤں (سندھ، جہلم اور چناب) کے پانی پر پاکستان کو حق دار ٹھہرایا
گیا اور دیگر تین مشرقی دریا (راوی، ستلج اور بیاس) بھارت کے حوالے کر دیئے۔ یہ معاہدہ، جسے
انڈس واٹر ٹریٹی (سندھ طاس معاہدہ) کا نام دیا گیا اس پر 19 ستمبر 1960ء کو بھارتی وزیراعظم
جواہر لال نہرو، اس وقت کے پاکستانی حکومت کے سربراہ صدر ایوب خان اور اس وقت کے صدر،

حامد
اردو فینز
کیلئے

...ی بنک نے دستخط کئے۔ اس معاہدہ کا مقصد 365,000 مربع میل کے علاقے کو سندھ طاس میں واقع دونوں ممالک کے درمیان تقسیم کرنا، دونوں ممالک کو اپنی اپنی سرحدوں کے اندر پانی کے قدرتی ذخائر کو محفوظ کرنا اور اس کا انتظام کرنا تھا۔ یہ معاہدہ یکم اپریل 1960ء سے موثر ہوا۔ اس معاہدے کی شق میں یہ واضح ہے کہ مشرقی دریاؤں کے تمام تر پانی پر بھارت اور مغربی دریاؤں کے پانی پر مکمل طور پر پاکستان کا حق ہوگا۔ پاکستان میں داخل ہونے والے تمام دریاؤں کے پانی اور ان ذیلی دریاؤں کے پانی پر، جو اپنی قدرتی گزرگاہ سے ہوتے ہوئے مرکزی شاخ اور مرکزی دریا میں ضم ہو جاتے ہیں، پاکستان میں داخل ہونے کے بعد پاکستان کا حق ہوگا اور بھارت کسی بھی طرح ان کا بہاؤ روکنے کا مجاز نہیں ہے لیکن سابقہ تاریخ گواہ ہے کہ بھارت نے کبھی کسی معاہدے کی پابندی نہیں کی اور اب حالیہ آبی جارحیت دیکھتے ہوئے یہ سمجھنا کچھ مشکل نہیں ہے کہ اس نے سندھ طاس معاہدہ کو ردی کے کاغذ سے زیادہ کچھ نہیں سمجھا۔ یہ بھی انتہائی خوش فہمی بلکہ بے وقوفی ہوگی کہ وہ ہماری بات چیت سے قائل ہو کر اپنے کروڑوں ڈالر کے منصوبوں سے دست بردار ہو جائے گا۔ بھارت نے ان تین دریاؤں کا پانی استعمال کر کے اپنے صحرا راجستھان کو گلزار بنا دیا ہے لیکن ہم ایسا نہ کر سکے۔ جب بھی کسی ڈیم کی تعمیر کی بات ہوتی ہے تو سیاسی اور [illegible] مقاصد کے لئے وہ ہنگامہ مچاتے ہیں کہ پورے ملک میں افراتفری پھیل جاتی ہے۔ ہماری اس نااتفاقی کو دیکھتے ہوئے بھارتی وزیراعظم واجپائی نے 2001ء میں اپنے ایک انٹرویو میں اشتعال انگیز لہجہ میں کہا کہ "بھارت پیاس سے مر رہا ہے اور پانی کا ایک ایک قطرہ اس کی ضرورت ہے جبکہ پڑوسی ملک پاکستان 35 ملین ایکڑ فٹ پانی ضائع کر رہا ہے تاکہ [illegible]"۔ 2003ء میں اسلام آباد میں ایک کانفرنس ہوئی تھی، جس کا موضوع [illegible] تھا لیکن اگر ریکارڈ اٹھا کر دیکھیں تو موضوع صرف اور صرف [illegible] تک محدود رہا۔ کانفرنس میں بھارتی وفد نے ہماری اسی نااتفاقی کو زیر

بحث لاتے ہوئے ایک تجویز پیش کی تھی کہ پاکستان اب تک اپنے حصے کا پانی استعمال کرنے میں ناکام رہا ہے لہٰذا اس پانی کو مشترکہ طور پر استعمال کرنے کی غرض سے سندھ طاس معاہدہ ختم کیا جائے۔ پاکستان کی جانب سے اس تجویز کی سخت مذمت کی جانی چاہئے تھی، وہ بھی نہ ہوئی اور مشرف حکومت نے اگرچہ یہ معاہدہ تو نہیں توڑا جس طرح بھارت چاہتا تھا مگر اقدام کے جواب میں خاموشی اختیار کی۔ یہ خود ہی کا ایک جرم بھی ہے۔ ایک آمر نے معاہدے کے تحت تین دریا بیچ ڈالے تھے اور دوسرے آمر نے [illegible] معاہدے سے تینوں دریا بیچ دیئے۔

پاکستان اس وقت اپنی بقا کی جنگ لڑ رہا ہے۔ قبائلی علاقوں میں رچایا جانے والا آگ اور خون کا کھیل ہمارے چاروں صوبوں کے گلی محلوں اور بازاروں تک آ پہنچا ہے۔ دوسروں کی جنگ لڑتے لڑتے ہم خود حالت جنگ میں آ چکے ہیں۔ جمہوریت کے ایک سال بعد بڑے دکھ سے کہنا پڑ رہا ہے کہ قیمتی انسانی جانوں اور املاک کے ساتھ ساتھ قوم کے وہ خواب بھی جل کر راکھ ہو گئے، جو سولہ کروڑ آنکھوں نے جمہوریت کی آمد پر امن، انصاف، استحکام اور ترقی کے لئے دیکھے تھے۔ 2001ء میں نائن الیون کے بعد جو غلطیوں کے بیج ہم نے بوئے، وہ ان آٹھ برسوں میں بارآور ہوئے اور ایسے ہوئے کہ آج یہ فصل خودکش حملوں کی صورت میں وطن کا بچہ بچہ کاٹ رہا ہے۔ ایسی صورت میں ہم یقیناً کسی نئی جنگ کے متحمل نہیں ہو سکتے لیکن کیا ہم اپنے حق کے لئے آواز بھی بلند نہیں کر سکتے؟ دوستی، مفاہمت اور مصالحت کی پالیسی یقیناً بہتر ہے لیکن کس قیمت پر؟ کیا ملک و قوم کی قیمت پر؟ اپنے مستقبل کی قیمت پر؟ اور کیا یکطرفہ ایسی کسی پالیسی سے ہمارا بھلا ہو سکتا ہے، جسے دوسرا فریق اپنی ٹھوکر پر رکھے اور اسے ہماری کمزوری سمجھے۔ نہیں، اپنی بقا کے لئے ہمیں اس حوالے سے ایک واضح پالیسی بنانی ہوگی، اس مسئلے کو بین الاقوامی فورم پر اٹھانا ہوگا، عالمی عدالت انصاف میں بھارت کی اس کھلی آبی جارحیت کو چیلنج کرنا ہوگا۔ عالمی بنک سندھ طاس

حامد
اردو فینز
کیلئے

معاہدے کا ضامن ہے۔ اس کے آگے اس مسئلے کو اٹھانا ہوگا اور اسے اپنا کردار ادا کرنے پر مجبور کرنا ہوگا۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنی صفوں میں موجود بھارتی مفادات کے لئے سرگرم ملک دشمن عناصر کو بے نقاب کرنا بھی بہت ضروری ہے۔ سندھ طاس واٹر کونسل کے چیئرمین ظہور الحسن ڈاہر کے ایک اخباری انٹرویو کے مطابق "پاکستان کی اسٹیبلشمنٹ میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں، جو بھارت کے مفادات کے لئے ہر وقت سرگرم رہتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ محکمہ آبپاشی کے دو اعلیٰ افسران ایسے بھی ہیں، جو دن رات اس کوشش میں مصروف ہیں کہ چناب کا معاملہ قومی سطح پر نہ اٹھایا جائے اور وہ اس مقصد کے لئے پیسہ پانی کی طرح بہا رہے ہیں، ہم ان تمام لوگوں سے، جنہیں کالا باغ ڈیم پر تحفظات ہیں، بہت ادب سے یہ پوچھنے کی جسارت کرتے ہیں کہ کیا بھارت کی آبی جارحیت ان کے لئے قابل قبول ہے؟ کالا باغ ڈیم کو نہ قبول کرنے والوں کے لئے کیا کارگل ڈیم قابل قبول ہے؟ ہزاروں ایکڑ پر مشتمل انڈس ڈیلٹا، جو پہلے ہی اپنی بقا کی جنگ لڑ رہا ہے، کیا اس سے یہ جنگ ہار نہیں جائے گا؟ ہزاروں ماہی گیر بے سروسامان بھٹکنے پر مجبور نہیں ہوں گے؟ ساحلی حیات برباد ہو جائے گی اور پاکستان سمندری حیات سے، جو کثیر زرمبادلہ حاصل کرتا ہے اس سے محروم ہو جائے گا۔ کیا یہ مذہبی تنظیموں کا مسئلہ نہیں ہے؟ کیا یہ انسان کے بنیادی حقوق کی پامالی نہیں اور اگر ہے تو اس کے خلاف آواز بلند کرنے والی ملکی اور غیر ملکی تنظیمیں کہاں ہیں؟ ماحول اور قدرتی وسائل کے تحفظ کی تنظیمیں اور جنگلی حیات کے محافظ کہاں خواب خرگوش کے مزے لے رہے ہیں؟ جاگیے خدا کے لئے جاگیے؟

دوستو! ہمارے پاس وقت بہت کم ہے، صرف آٹھ سال ہیں، بھارت 2016ء میں اپنا منصوبہ پایۂ تکمیل کو پہنچائے گا، جو اس نے گزشتہ حکومت کی خاموش حمایت سے شروع کیا منصوبے کے تحت بھارت اپنے تمام دریاؤں کا باہم رابطہ نہروں سے مکمل کرے گا۔ [illegible] اس منصوبے سے اس کی 360

ملین ایکڑ زمین آباد ہوگی اور 30 ہزار میگاواٹ بجلی دستیاب ہوگی۔ دو تہائی سرسبز اور گل و گلزار ہو جائے گا لیکن ہمارے ملک میں ریت اڑنے لگے گی۔ اس منصوبے سے بنگلہ دیش نے بھی اپنے وجود کے لئے خطرہ قرار دیا ہے، کیونکہ دریائے گنگا اور برہم پترا کے پانی سے بھی بھارت اسی طرح استفادہ کرے گا۔ ہم بنگلہ دیش سے مل کر کوئی راہ نکال سکتے ہیں اور بین الاقوامی فورم پر احتجاج بھی کرسکتے ہیں۔ اکیسویں صدی کے اس گلوبل ویلج میں جنگ کے علاوہ بھی بہت سے راستے ہمارے لئے کھلے ہیں اور اگر ہم نے اپنی آنکھیں نہ کھولیں تو پھر ہم اپنی آنے والی نسلوں کے لئے قحط اور افلاس کے سوا کچھ نہیں چھوڑیں گے۔ آج یہ مسئلہ جنگ کے بغیر حل ہوسکتا ہے، بہت سے دوسرے راستے ہمارے لئے کھلے ہیں لیکن اگر ہم نے دیر کردی تو پھر ہر راستہ بند ہوتا چلا جائے گا۔

(ستمبر 2009ء)

☆☆☆☆☆☆☆

600ارب روپے کے نئے ٹیکس

یہ بتاتے چلیں کہ ہوتا یہ ہے کہ کسی تھنک ٹینک کو پاکستان دشمن ایجنسیوں نے یہ ذمہ داری سونپ رکھی ہے کہ وہ ہفتہ دس دن کے بعد پاکستانی عوام کے سر پر کوئی نہ کوئی اعصاب شکن بحران ضرور چلا دیا کرے۔ صورتحال یہ ہے کہ ملک بھر میں بجلی، آٹا اور چینی کے بعد اب دودھ کا بھی بحران پیدا ہو گیا ہے۔ دارالحکومت اسلام آباد سمیت کئی شہروں میں دودھ اور دہی کی قیمتوں میں غیر اعلانیہ اور خود ساختہ اضافہ کر دیا گیا ہے۔ اب دودھ 50 سے 55 روپے فی کلو کے حساب سے فروخت کیا جا رہا ہے جبکہ دہی کی قیمتوں میں بھی 10 روپے فی کلو اضافہ کر دیا گیا ہے جبکہ دودھ کی پیکنگ کا ڈبہ 53 روپے فی لیٹر کی بجائے 58 روپے اور 60 روپے فی لیٹر مل رہا ہے۔ ادھر وفاقی انتظامیہ نے بھی اس خود ساختہ اضافے پر چپ سادھ لی ہے اور اضافے کو روکنے کے لیے کوئی حکمت عملی وضع نہیں کی گئی جس کی وجہ سے عوام کی پریشانی مسلسل بڑھتی جا رہی ہے جبکہ کہیں بھی دودھ اور دہی کی سرکاری ریٹ لسٹ آویزاں نہیں ہے۔ ایک خبر رساں ایجنسی کی رپورٹ کے مطابق ... فی لیٹر دودھ پر 15 روپے منافع کما رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ملک کے ... شہروں میں ... شوگر ملز کی جانب سے چینی 68 روپے فی کلو کے حساب سے

فروخت کیا جا رہا ہے۔ اس طرح فی کلو پر 47 فیصد تک 20 روپے منافع حاصل کیا جا رہا ہے۔ شہری حکومت کی جانب سے ... کی فی لیٹر قیمت 38 روپے مقرر کی گئی تھی لیکن حکومت واضح طور پر قیمتوں میں تعین میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

یاد رہے کہ ملک میں آٹے اور چینی کی قلت و مہنگائی بھی بدستور جاری ہے۔ حکومتی اعلانات کے باوجود لاہور شہر میں کئی بازاروں سے چینی اور آٹا غائب ہے اور چینی کی قیمت 45 روپے سے 50 روپے فی کلو تک رہی۔ کراچی بھر میں بھی حکومتی دعووں کے باوجود کہیں بھی سرکاری ریٹ پر چینی دستیاب نہیں۔ 45 روپے سرکاری نرخ ہونے کے باوجود بھی 50 روپے میں چینی مل رہی ہے۔ شہریوں کا کہنا ہے کہ حکومت کی عدم دلچسپی کے باعث چینی اور آٹا عوام کی قوت خرید سے باہر ہو گئے ہیں۔ ملک کے سب سے بڑے صنعتی شہر کراچی میں بجلی کا بحران بھی زوروں پر ہے۔ کراچی الیکٹرک سپلائی کمپنی لمیٹڈ ماہ رمضان کے دوران شہر میں بجلی کی طلب اور رسد پورا کرنے میں مکمل طور پر ناکام ہو گئی ہے۔ مختلف پاور اسٹیشنوں میں یونٹوں کی خرابی اور گل احمد پاور پلانٹ سے بجلی کی معطلی کے بعد بجلی کی طلب اور رسد کا فرق 500 میگا واٹ تک جا پہنچا ہے۔ جس کے بعد کراچی کے عوام ہر ایک گھنٹہ بعد ایک سے ڈیڑھ گھنٹے کی لوڈشیڈنگ برداشت کرنے پر مجبور ہیں جبکہ کے ای ایس سی حکام کا دعویٰ ہے کہ بجلی کی لوڈشیڈنگ کا دورانیہ صرف 6 گھنٹے جبکہ طلب اور رسد میں فرق ڈھائی سو میگا واٹ ہے۔ کے ای ایس سی بجلی کی فراہمی کی صورت حال بہتر بنانے کی بجائے نرخوں میں اضافے کے لئے سرگرم ہے۔ تازہ اطلاعات کے مطابق کراچی میں بجلی کی فراہمی میں بری طرح ناکام ہونے والے اس ادارے نے بجلی کی نرخوں میں ایک روپیہ فی یونٹ اضافے کے ساتھ صنعتی صارفین کی سیکیوریٹ ڈپازٹ فیس 1500 روپے سے بڑھا کے 8000 روپے کرنے کی تجویز پیش کردی ہے۔

اس پس منظر میں یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ وطن عزیز پاکستان اس وقت زبردست داخلی

حامد
اردو فیلا...
کیلئے

[illegible] بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ ہماری حکومت اور سیاسی قیادت ان گھمبیر بحرانوں کے حل میں نہ صرف ناکام [illegible] رہی ہے بلکہ ایسا لگتا ہے کہ حکمرانوں کو [illegible] بحرانی کیفیت سے نکلنے کی کوئی فکر ہی نہیں ہے۔ سیاستدانوں کے درمیان ایک دوسرے کی [illegible] رواداری اور ماضی کے گڑے مردے اکھاڑنے کی دوڑ لگی ہوئی ہے اور کسی کو عوام کی مشکلات کا احساس ہی نہیں ہے۔ حکومتی زعماء موجودہ بحرانوں کے حل میں سنجیدہ ہیں نہ حزب اختلاف کی جماعتوں کو ان حقیقی ایشوز پر آواز بلند کرنے، حکمرانوں پر دباؤ ڈالنے یا عوامی احتجاج منظم کرنے کی توفیق مل رہی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک جانب خود سرکاری سطح پر بڑے پیمانے کی کرپشن اور بدعنوانی کی داستانیں زبان زد عام ہیں تو دوسری جانب ذخیرہ اندوز و ناجائز منافع خوروں نے بھی اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے شروع کر دیئے ہیں اور جس کا جی چاہتا ہے اشیاء ضرورت کی قیمتوں میں من مانے اضافے کر دیتا ہے۔ کسی وزیر یا تدبیر سے اگر اس کا سبب اور ان بے جا اخراجات کا تذکرہ کیا جائے جو سرکار کے دربار میں ''حلوائی کی دکان اور نانا جی کی فاتحہ'' کے مصداق ہو رہے ہیں۔ تو وہ طیش میں آ جاتے ہیں اور آخر میں ''کرلو جو کرنا ہے'' کہہ کر اپنی راہ لیتے ہیں۔ اب سنتے ہیں کہ 600 ارب روپے کے نئے ٹیکسوں کا ایک ذیلی بجٹ آ رہا ہے۔ معلوم نہیں حکومت کو کب یقین آئے گا کہ ملک کے 90 فیصد سے زیادہ ''عوام'' زندہ نہیں بلکہ ''زندہ درگور'' ہیں۔

(اکتوبر 2009ء)

ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل اور ہم

محترمہ فوزیہ وہاب جو اپنا [illegible] طیش میں آ جانے کے حوالے سے اب خاصی شہرت کی مالک ہیں ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کی تازہ رپورٹ بابت پاکستان پر خوب گرجی اور برسی ہیں آپ کا کہنا تھا کہ عین اس مرحلے پر کہ جب فرینڈز آف پاکستان ہمارے لئے اپنے خفیہ خزانوں کے منہ کھولنے والے ہیں اس رپورٹ کا اجراء پاکستان کے خلاف سازش ہے۔ جس پر انہوں نے ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کے خوب لتے لئے اور فرمایا کہ جب بھی پیپلز پارٹی کی حکومت آتی ہے اس کے خلاف سازشیں شروع ہو جاتی ہیں۔ چونکہ آپ پیپلز پارٹی سیکرٹری اطلاعات ہیں اپنی انفرادیت برقرار رکھنے کے لئے آپ نے یہ نیا فقرہ ایجاد کیا ہے اور ہر موقعہ بے موقعہ اس کے استعمال سے نہیں چوکتیں اکثر چینلز پر دوران گفتگو اچانک آپ فرما دیتی ہیں ''جب بھی پیپلز پارٹی کی حکومت آئے اس کے خلاف سازشیں شروع ہو جاتی ہیں۔''

محترمہ فوزیہ وہاب کو کم از کم یہ داد ضرور دینا چاہیے کہ آپ نے گزشتہ قریباً سوا سال سے پیپلز پارٹی کے لیڈروں کی طرف سے مسلسل دہرائے جانے والا یہ فقرہ ''ہمارے کارکنوں کی قربانیاں ہم سے زیادہ قربانیاں کس نے دی ہیں'' وغیرہ وغیرہ میں ایک نئے فقرے کا اضافہ ضرور فرما دیا۔ قبل

ہے کہ ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کے متعلق محترمہ کے ارشادات پر تبصرہ کیا جائے۔ ایک نظر اس رپورٹ کا جائزہ لینا ضروری ہے جس نے محترمہ فوزیہ وہاب کو اس پریس کانفرنس پر مجبور کیا۔ ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کی جانب سے جاری کی جانے والی گلوبل کرپشن رپورٹ برائے 2009ء میں عالمی ادارے نے پاکستان کی شکل دنیا کے انتہائی بدعنوان ملک کے طور پر پیش کی ہے۔ سالانہ رپورٹ جاری کرتے ہوئے عالمی ادارے کے پاکستان کیلئے سربراہ عادل گیلانی نے کہا کہ چونکہ جنرل پرویز مشرف نے اقوام متحدہ کے کنونشن برائے انسداد کرپشن کی منظوری کے محض 56 روز بعد یعنی 15 اکتوبر 2007ء کو قومی مصالحتی آرڈیننس جاری کر دیا، پاکستان میں بدعنوانی کے انسداد کی کوششیں ماند ہو گئیں۔ ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کی جانب سے رپورٹ جاری کرنے کیلئے جس وقت کا انتخاب کیا گیا تو وہ صدر آصف علی زرداری کیلئے پریشانی کا باعث بن سکتا ہے کیونکہ عالمی سطح پر ان کی حکومت کی ساکھ پر پہلے ہی سوال اٹھائے جا رہے ہیں۔ صدر محترم اور ان کے کئی اہم ترین ساتھیوں کا ماضی کرپشن کے الزامات کی وجہ سے داغ دار ہے۔ وزیر خزانہ شوکت ترین نے ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کی رپورٹ کا لب و لہجہ نرم کرانے کیلئے کوششیں کیں اور کہا کہ نیویارک میں امریکی حکام کے ساتھ ان کے مذاکرات میں امریکہ کی جانب سے یہ یقین دہانی کرائی گئی کہ امداد کا زیادہ تر حصہ حکومت پاکستان کے ذریعے سے چینل کیا جائے گا لیکن تاحال یہ واضح نہیں ہے کہ امریکی کانگریس اس بات کی اجازت دے گی یا نہیں۔ نیویارک اور اسلام آباد میں جاری کئے گئے پریس ریلیز کے مطابق ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل پاکستان کے چیئرمین سید عادل گیلانی نے کہا کہ این آر او کی وجہ سے ارکان پارلیمنٹ کو مزید تحفظ مل گیا ہے کیونکہ خصوصی پارلیمانی کمیٹیوں برائے اخلاقیات کی تجاویز پر غور کرنے کے بغیر کسی بھی صوبائی قومی رکن اسمبلی کو گرفتار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ پارلیمانی کمیٹیاں تاحال تشکیل نہیں دی گئیں۔ مسٹر گیلانی نے مزید کہا کہ این آر او کے علاوہ موجودہ حکومت نے عالمی برادری کو یہ سنجیدہ نوعیت کے اشارے دیئے ہیں کہ اگر تین سال کے

دوران کسی کا احتساب نہیں ہوتا تو کرپشن کوئی جرم نہیں ہے۔ رپورٹ میں مزید کہا گیا ہے کہ ”جن کے پاس نیب آرڈیننس کی جگہ پر حکومت کا تیار کردہ پبلک آفس ایکٹ 2009ء کا مسودہ جس پر قومی اسمبلی نظرثانی کر رہی ہے، موجود ہے، وہ اکتوبر 2010ء تک سب کو کرپشن سے تحفظ فراہم کرتا ہے اور یہ حیرانگی کی بات ہے۔“ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ”جس ملک میں کرپشن کے خلاف کوئی قانون موجود نہیں وہ آخر یہ امید کس طرح کر سکتا ہے کہ عالمی برادری آگے بڑھ کر پاکستان کی اس کے مالی بحران میں مدد کرے گی۔

پاکستان میں کرپشن ایک سنجیدہ مسئلہ ہے اور یہ موقف حال ہی میں کی جانے والی تحقیق اور رپورٹس کا جائزہ لینے کے بعد اختیار کیا گیا ہے۔ حکومت پاکستان کی درخواست پر پاکستان کے بنیادی ڈھانچے کے متعلق پیش رفت کی گنجائش کی اسسمنٹ کی گئی اور نومبر 2007ء میں اس حوالے سے ورلڈ بینک اور پلاننگ کمیشن آف پاکستان نے مل کر رپورٹ جاری کی۔ رپورٹ میں بتایا گیا کہ 15 فیصد کرپشن پروکیورمنٹ میں پائی جاتی ہے جس سے پاکستان کے ترقیاتی بجٹ میں 150 ارب روپے کا نقصان ہوا۔ مزید برآں، ورلڈ بینک کے کرپشن انڈیکیٹر برائے 2007ء میں پاکستان کو 100 میں سے 21.3 نمبر ملے۔ عالمی مسابقتی رپورٹ برائے 2008-09ء میں پاکستان کو 130 ممالک میں سے 101 واں نمبر دیا گیا اور یہ طے پایا گیا کہ جواب دہندگان نے حکومتی عدم استحکام کے بعد کرپشن کو ملک میں بزنس کے حوالے سے دوسرا بڑا پریشان کن مسئلہ قرار دیا۔ پرائیویٹ سیکٹر میں بڑھتی کرپشن کے ایک عنصر کی حیثیت سے پاکستان کے سیاسی عدم استحکام کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ پرویز مشرف کی جانب سے کرپشن کے خاتمے کے عزم اور دعوؤں کے باوجود اس مسئلے سے نمٹنے کیلئے بہت کم ہی پیش رفت ہو پائی ہے اور اب یہ سمجھا جا رہا ہے کہ کرپشن کا اثر پھیل چکا ہے اور سرایت کر چکا ہے۔ پرویز مشرف نے نومبر 2007ء میں فوجی قیادت چھوڑی اور ان کے حامیوں کو 2008ء کے عام انتخابات میں پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ

حامد
اردو فینز
کیلئے

حامد
اردو فینز
کیلئے

(ن) کے اتحاد نے شکست فاش سے دوچار کیا۔ رپورٹ کے مطابق پرویز مشرف نے اگست 2008ء میں استعفیٰ دیا، انہیں آئین کی خلاف ورزی، بے ضابطگیوں اور مبینہ جرائم کے حوالے سے مواخذے کا سامنا تھا۔ قانونی اور اداراتی تبدیلیوں کے حوالے سے ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کی رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ سابق وزیراعظم شوکت عزیز نے عالمی ادارے کے ساتھ اس بات پر رضامندی ظاہر کی تھی کہ الیکشن کمیشن شفاف انداز میں انتخابات کا انعقاد کرے گی لیکن 2007ء میں شوکت عزیز کی ملک سے روانگی کے بعد ان وعدوں کو نظرانداز کر دیا گیا۔ 2008ء میں نگران حکومت کے دور میں پروکیورمنٹ ریگولیٹری اتھارٹی کے معاملات پر بھی عمل نہ ہوا۔ اقوام متحدہ میں کرپشن کے انسداد کے کنونشن کی منظوری کے محض 56 دن بعد پرویز مشرف نے این آر او جاری کر دیا جو پاکستان میں بدعنوانی کے خاتمے کی کوششوں کیلئے زبردست دھچکا تھا کیونکہ نیب کی جانب سے 12 اکتوبر 1999ء کے پہلے سے شروع کئے گئے کرپشن کے تمام مقدمات ختم کر دیئے گئے۔

یہ ہے وہ رپورٹ جس پر محترمہ فوزیہ وہاب ناراض ہوری تھیں اور شنید ہے کہ آجکل پاکستان میں ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کے لوگوں پر کڑا وقت آیا ہوا ہے۔ محترمہ کا غصہ بجا لیکن وہ کس کس پر سازش کا الزام لگائیں گی۔ ایشیائی ترقیاتی بینک نے کہا ہے کہ پاکستان میں بجلی کی قیمت میں اضافہ ناگزیر ہے۔ ایشیائی ترقیاتی بینک نے اپنی ایک رپورٹ میں کہا ہے کہ بجلی کی قیمت میں اضافے سے گردشی قرضے اور سبسڈی میں کمی ہوگی جس سے معیشت پر بوجھ کم ہوگا۔ رپورٹ کے مطابق معیشت کی شرح نمو میں کمی کی اہم وجہ توانائی کا بحران ہے۔ پاکستان کو معاشی میدان میں تمام تر [illegible] کا سامنا ہے۔ اے ڈی بی کے مطابق حکومت کو اپنی آمدنی میں اضافہ کرنا ہوگا تاکہ بنیادی ڈھانچے کی تعمیر اور ترقیاتی منصوبوں پر عمل درآمد ہو سکے۔ اس کے علاوہ برآمدات کے فروغ کے لیے بھی اقدامات کی ضرورت ہے۔ ایشیائی ترقیاتی بینک نے کہا ہے کہ مارچ

2010ء تک پاکستان کی اقتصادی شرح افزائش 3 سے 4 فیصد رہے گی۔ جنوبی ایشیائی ممالک کی معیشتوں سے متعلق ایشیائی ترقیاتی بینک نے معاشی اہداف جاری کر دیئے جس میں سال 2008ء سے اور 2010ء تک اہداف مقرر کیے گئے۔

اس طرح کی رپورٹوں کا اس تواتر کے ساتھ یومیہ بنیاد پر اخبارات اور ابلاغ کے دوسرے ذرائع سے آنا ایک معمول بن گیا ہے۔ ڈر محسوس ہو رہا ہے کہ معیشت کی ابتری کی یہ صورت حال یونہی جاری رہی تو چند ہی سالوں میں پاکستان کی حالت اس مقام تک نہ پہنچے جس کے بعد انجام کے زوال کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ یہ صورت حال ان امپورٹڈ معاشی جادوگروں کے لیے تو کوئی پریشان کن نہیں کہ دراصل یہ وہ ہستیاں ہیں جو ہمارے کھیت کھلیانوں کو بنجر کر دینے کے لیے یہاں پلانٹ کیے گئے ہیں اور جو اپنا کام کر کے واپس وہیں پلٹ جائیں گے جہاں سے بھیجے گئے تھے مگر عوامی حکومت کے بڑوں کو جنہیں اگلے انتخابات میں دوبارہ عوام کے سامنے جانا ہے، اس صورت حال پر ضرور غور کرنا چاہیے اور قومی معیشت کے استحکام کے لیے ٹھوس بنیادوں پر اقدامات کرنے چاہئیں۔

محترمہ فوزیہ وہاب صاحبہ نے جو پریس کانفرنس بابت ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل اور ایک خاص اخبار فرمائی تھی اس کا جواب محترم انصار عباسی کی طرف سے روزنامہ جنگ مورخہ 28 ستمبر 2009ء شائع ہوا ہے جو بلاتبصرہ پیش ہے۔ اس سے زیادہ ہم اس خبر پر اور کیا کہیں گے۔ اس کا عنوان ہے۔ ''ملک دشمن کون؟'' ملاحظہ فرمائیں۔

پاکستان پیپلز پارٹی کی مرکزی سیکرٹری اطلاعات فوزیہ وہاب صاحبہ نے نام لئے بغیر مجھ پر اور میرے اخبار پر ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کی رپورٹ کی خبر شائع کرنے پر ملک دشمنی کا فتویٰ لگا دیا۔ اگرچہ فوزیہ وہاب صاحبہ کو یا ان کے آئے روز دیئے گئے چونکا دینے والے بیانات کو زیادہ سنجیدگی سے نہیں لیا جانا چاہیے مگر جس انداز میں باقاعدہ ایک پریس کانفرنس بلا کر ٹرانسپرنسی [illegible]

حامد
اردو فینز کیلئے

غصہ بھی پر نکالا گیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فوزیہ وہاب کے اس فتویٰ کے پیچھے پاکستان پیپلز پارٹی کی اعلیٰ قیادت کی سوچ بھی شامل تھی جس کا جواب دینا لازم ہے۔ اگر کسی ٹی وی ٹاک شو یا اخبار نویسوں سے کسی غیر رسمی بات چیت کے دوران پی پی پی کی سیکرٹری اطلاعات ہمیں ملک دشمن قرار دے دیتیں تو ہم ان کے کہے کو اسی طرح سنی ان سنی کر دیتے جیسا پچھلے دنوں ان کے اس بیان کو نظر انداز کیا۔ جس میں انہوں نے فرمایا تھا کہ جنرل پرویز مشرف نے ایسا کون سا جرم کیا کہ ان پر حکومت Trial کرے۔ گویا کہ 3 نومبر 2007ء کو جس طرح آئین کی دھجیاں اڑائی گئیں اور ساٹھ سے زائد اعلیٰ عدلیہ کے ججوں کو نکال کر ان کو ان کے گھروں میں نظر بند کیا گیا، کوئی جرم ہی نہ تھا۔ کسی نے بھی یہ شاید سوچا نہ تھا کہ NRO کے احسان کا بدلہ ذوالفقار علی بھٹو کی پاکستان پیپلز پارٹی آج اس طرح دے گی کہ وہ آئین شکن جنرل مشرف کی سب سے بڑی محافظ بن بیٹھے گی۔ صدر آصف علی زرداری نے تو ڈیل کا ذکر کر کے اپنی اس مجبوری کا برملا اظہار کر دیا جو ان کے راستہ میں مشرف کو آئین کے آرٹیکل 6 کے تحت مقدمہ درج کرنے کی راہ میں اصل رکاوٹ ہے مگر فوزیہ صاحبہ یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ مشرف نے ایسا کیا کیا کہ ان کے خلاف بغاوت کا مقدمہ قائم کیا جائے۔ مجھے تعجب اس بات پر ہوا کہ جنرل مشرف کے ان گنت جرائم پر پردہ ڈالنے والوں اور ان کا تحفظ کرنے والوں کو میڈیا اس لئے ملک دشمن نظر آنے لگا کیونکہ اس نے ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کی رپورٹ شائع کی جو حکمرانوں کو ناگوار گزری۔ غصہ اس بات کا کہ اس بین الاقوامی تنظیم میں حکومت پاکستان کے بارے میں انتہائی منفی رپورٹ ایسے وقت میں کیوں جاری کر دی۔ جب صدر زرداری اپنی ٹیم کے ہمراہ امریکہ میں پاکستان کے لئے ''دوست ممالک'' کی امداد کے منتظر تھے۔ [illegible] کہ ہم نے 23 ستمبر کو جاری کی گئی ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کی اس رپورٹ کو [illegible] جنگ میں کیوں شائع کیا۔ باوجود اس کے کہ ہم نے اس رپورٹ کو شائع [illegible] بالخصوص ذکر کیا کہ ٹرانسپرنسی نے اپنی رپورٹ کو ایسے وقت میں جاری

کیا جب پاکستان کی اعلیٰ قیادت امریکہ میں ''دوست ممالک'' کے ساتھ امداد کے حصول کے لئے مذاکرات کر رہی ہے مگر پھر بھی فوزیہ وہاب صاحبہ اور ان کی پارٹی کے لئے ہم ''ملک دشمن'' ٹھہرے۔ ہر حکومت یہاں میڈیا کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتی ہے۔ پیغام پسند نہ آئے تو پیغام رساں کو یہاں نشانہ بنا دیا جاتا ہے۔ اپنی شکل آئینہ میں اچھی نہ لگے تو آئینہ ہی توڑنے کی بات کی جاتی ہے۔ فوزیہ صاحبہ کے مزاج گرامی کو اگر ناگوار نہ گزرے تو کیا وہ اس بات کا جواب دے سکتی ہیں کہ اگر ایک اخبار کا ایک بین الاقوامی ادارے کی رپورٹ جس میں موجودہ حکومت کے دور میں ملک میں کرپشن اور بدعنوانی کے متعلق سنگین حالات کا ذکر کیا گیا ہو شائع کرنا ملک دشمنی ہے تو کیا جنرل مشرف دور میں بے نظیر بھٹو صاحبہ کی طرف سے آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک سے یہ مطالبہ کرنا کہ وہ پاکستان کو امداد نہ دیں بھی ملک دشمنی تھی۔ ہمیں ملک دشمن کہنے والے کیا بتا سکتے ہیں کہ بے نظیر بھٹو صاحبہ کا 2007ء میں امریکی میڈیا کو یہ کہنا کہ اگر وہ برسر اقتدار آئیں تو وہ بین الاقوامی ایٹمی ادارہ (IAEA) کو اجازت دیں گی کہ وہ ڈاکٹر عبدالقدیر کی پوچھ گچھ کر سکیں آیا پاکستان کی خدمت تھی۔ آج ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کو ہدف تنقید بنانے والے ذرا ماضی قریب میں جا کر دیکھیں کہ مشرف دور میں کرپشن پر اسی بین الاقوامی ادارے کی رپورٹوں پر کون کون سی سیاسی جماعتیں اور ان کے لیڈر اپنی سیاست چمکاتے تھے۔ بلاشبہ ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کی 23 ستمبر 2009ء کی رپورٹ جو ایک ساتھ پاکستان اور امریکہ میں جاری ہوئی اپنی Timing کی وجہ سے معنی خیز تھی جیسا کہ دی نیوز اور جنگ کی خبر میں کہا گیا مگر سچ پوچھیں تو اس رپورٹ میں پاکستان میں کرپشن اور بدعنوانی کے بارے میں جو کہا گیا وہ شاید زیادہ غلط نہ تھا۔ اس حقیقت کو کون روک سکتا ہے کہ مشرف دور میں پاکستان پیپلز پارٹی کی اعلیٰ قیادت کے خلاف کرپشن کے مقدمات کے خاتمے کے لئے NRO کے نفاذ سے اس ملک میں احتساب کا عمل نہ صرف رک گیا بلکہ مکمل طور پر Reverse ہو گیا۔ کیا ایسا کرنا ملک دشمنی نہیں۔ یہ کون نہیں جانتا کہ NRO کے آنے کے بعد اور خصوصاً

موجودہ حکومت میں نیب مکمل طور پر بے اثر اور بے زور کر دیا گیا ہے اور عملی طور پر یہ ادارہ Redundant ہو چکا ہے۔ کیا یہ سچ نہیں کہ موجودہ حکومت کی طرف سے قومی اسمبلی میں پیش کیا گیا نیا احتساب قانون دراصل سیاستدانوں اور ان کی کرپشن کو قانونی تحفظ اور ان کے بچاؤ کا ذریعہ تصور کیا جاتا ہے اور اس سلسلے میں پہلے ہی میڈیا میں کافی کچھ لکھا اور کہا جا چکا ہے۔ ایسا کرنا ملک کی کون سی خدمت ہے۔ اس بات سے کون انکار کر سکتا ہے کہ موجودہ دور حکومت میں کرپشن کا بازار ہر طرف گرم ہے اور کوئی پوچھنے والا نہیں۔ آئے دن اخبارات اور ٹیلی ویژن چینلز پر کرپشن اور بدعنوانی کے متعلق لکھا اور پڑھا جاتا ہے۔ یہ کون نہیں جانتا کہ گزشتہ سال سے کشکول توڑے ہمارے حکمرانوں کو دنیا کا کوئی ملک حتی کہ اپنے دوست ممالک کیش پیسہ دینے سے گریزاں ہیں۔ آخر کیا وجہ ہے کہ امداد دینے والے تمام ممالک یا تو صرف ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف کے ذریعے پیسہ دینے پر تیار ہیں یا امریکہ کی طرح خود مختلف پراجیکٹس کے لئے NGO's کے ذریعے یہاں پیسہ لگانا چاہتے ہیں۔ موجودہ حکومت پر دوست ممالک کی یہ بد اعتمادی کیوں؟ ذرا سوچئے!

(نومبر 2009ء)

غلط زرعی پالیسیاں

زراعت پر مبنی معیشت کے باوجود پاکستان کو بنیادی غذائی اشیاء کی قلت کا سامنا ہے۔ گزشتہ کئی برسوں سے ملک ماسوائے چند مختصر وقفوں کے، گندم اور آٹے کے بحران میں مبتلا ہے۔ حکومت یقین دہانی کرا رہی ہے کہ فلور ملوں کو گندم ان کے کوٹے کے مطابق فراہم کی جا رہی ہے۔ مگر اس کے باوجود آٹے کی قیمتوں میں کمی کے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے اور نہ ہی حکومت کی جانب سے اس کے نرخ مقرر کیے جا رہے ہیں۔ سرکاری نرخوں پر دستیاب گندم غیر معیاری ہے آٹے کی قیمتوں میں کمی خواب وخیال بن کر رہ گئی ہے۔

ملک میں غذائی بحران کا سبب جامع، ٹھوس اور قابل عمل زرعی پالیسی کا فقدان ہے۔ آزادی کے بعد سے ملک میں 2 بار اہم زرعی اصلاحات کی گئیں۔ پہلی نمایاں زرعی اصلاحات 1959ء میں جبکہ دوسری 1972ء میں کی گئیں۔ دونوں زرعی اصلاحات کا فائدہ زمینداروں اور جاگیرداروں کو حاصل ہوا۔ یہی سبب ہے کہ ملک میں جو لوگ غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گزار رہے ہیں۔ ان میں سے بڑی تعداد کا تعلق دیہی علاقوں سے ہے۔ ناقص اور اغلاط سے پر پالیسی تیار کرنے کے سبب ملک کو حالیہ غذائی بحران کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

عالمی بینک کی رپورٹ کے مطابق پاکستان کو ان 32 ممالک کے گروپ میں شامل کیا گیا

حامد
اردو فینز
کیلئے

ڈیزل کی مہنگائی۔ ناقص معیار کے بیج [illegible] قوت اور زراعت سے متعلق دیگر آلات اور مشینوں کی [illegible] شامل ہیں۔

زرعی شعبے کو جس سب سے بڑے مسئلے کا سامنا ہے وہ بجلی کی قلت اور ڈیزل کی بھاری قیمت ہے۔ پاکستان میں زیادہ تر زرعی زمین کو ٹیوب ویل سے پانی دیا جاتا ہے [illegible] 80 فیصد سے زائد ٹیوب ویل ڈیزل سے چلتے ہیں۔ ڈیزل کی قیمتوں میں اضافے نے پیداواری لاگت بڑھا دی ہے۔ اگرچہ ڈیزل کی قیمت میں معمولی کمی ہوئی ہے لیکن یہ اونٹ کے منہ میں زیرے کے مترادف ہے۔

کاشتکار اور زراعت سے تعلق رکھنے والے دیگر [illegible] بجلی اور ڈیزل کی مد میں انہیں سبسڈی دی جائے۔ کاشتکاروں کو اچھے معیار کے بیج اور فرٹیلائزر کے حصول میں مشکل کا سامنا ہے جو حکومت کی ناقص کارکردگی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

ذخیرہ اندوز [illegible] کسانوں کے لیے مسائل کھڑے کرتے رہتے ہیں۔ وہ معیاری بیجوں اور فرٹیلائزر کی مصنوعی قلت پیدا کر دیتے ہیں اور انہیں بھاری قیمت پر فروخت کرتے ہیں۔ کم معیار کی کیڑے مار ادویات ایک اور مسئلہ ہیں جس کا کاشتکاروں کو سامنا ہے۔

2007-08ء کے دوران حکومت نے 2 کھرب 11 ارب مالیت کے قرضے جاری کیے تھے جو 2 کھرب روپے کے مقررہ ہدف سے زائد تھے لیکن زیادہ تر قرضے زمینداروں اور جاگیرداروں نے حاصل کر لیے اور چھوٹے کاشتکاروں کو کچھ نہیں ملا۔

قرضوں کی اس نامناسب تقسیم کے باعث گندم کی پیداوار میں مناسب حد تک اضافہ نہ ہو سکا۔ 2008ء میں زرعی پیداوار کا ہدف 5.1 مقرر کیا گیا تھا جو حاصل نہ ہو سکا۔ شرح افزائش 1.5 فیصد تک محدود رہی جس کے نتیجے میں جی ڈی پی میں زرعی شعبے کا حصہ کم ہو کر 5 فیصد رہ گیا۔

نئے مالیاتی سال کے دوران حکومت نے 25 لاکھ ٹن گندم درآمد کرنے کا ہدف مقرر کیا ہے۔ حالانکہ حکومت کو درآمدات پر انحصار کم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ حکومت کو پیداواری نظام کو

[illegible] ہے۔ جس شدید غذائی قلت کی پیشن گوئی کی گئی ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر ان ممالک کی زرعی پالیسیاں تبدیل نہ ہوئیں تو یہاں کے عوام کو شدید اقتصادی اور سماجی بے چینی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ [illegible] کا سبب بن سکتی ہے۔

جو غذائی ذخائر اور سپلائی [illegible] بحران کا سامنا ہے۔ اگرچہ بین الاقوامی سطح پر قیمتوں میں اضافے اور گندم کی قلت کا مشاہدہ کیا گیا ہے۔ مگر پاکستان میں گندم کے بحران کا سبب مختلف ہے۔ پاکستان کو گزشتہ 2 سال سے گندم اور آٹے کے شدید بحران کا سامنا ہے۔

اپنی آبادی کے حساب سے پاکستان کو ہر سال تخمینی طور پر 2 کروڑ 20 لاکھ ٹن گندم کی ضرورت پڑتی ہے۔ ماضی میں زرعی شعبے میں متعدد مسائل کے باوجود کافی مقدار میں گندم پیدا کی جاتی رہی۔ پیداوار میں اضافے یا کمی کے پیش نظر گندم برآمد اور درآمد بھی کی جاتی رہی۔ لیکن سال 2007-08ء کے دوران ملک کو درپیش گندم کا بحران اپنی مثال آپ تھا۔

معاشی اور زرعی ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ گندم کا بحران پیداوار میں کمی یا طلب میں اضافے کا نتیجہ نہیں تھا۔ اس کی وجہ گزشتہ حکومت کی نااہلیت، ناقص انتظام، ذخیرہ اندوزی اور سمگلنگ تھی۔ موجودہ حکومت نے بھی اس صورتحال سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا ہے۔

صورتحال اس حد تک [illegible] کہ صوبوں نے گندم کے لیے ایک دوسرے سے لڑنا شروع [illegible] صوبوں [illegible] گندم کی نقل و حمل پر پابندی کا آغاز ہو چکا ہے۔ جس کے مستقبل میں کوئی مثبت اثرات مرتب نہیں ہوں گے۔ اس کے نتیجے میں صوبوں کے درمیان تعلقات میں کشیدگی پیدا ہوگی۔

[illegible] حکومت نے گندم کی پیداوار کا غلط تخمینہ لگا کر 5 لاکھ ٹن گندم کم قیمت پر برآمد کر دی تھی [illegible] قیمت پر درآمد کرنی پڑی۔ اس کے نتیجے میں قومی خزانے کو بھاری [illegible] زرعی شعبے کو مختلف چیلنجوں اور مسائل کا سامنا ہے۔ ان مسائل [illegible] اضافہ [illegible] پیداوار میں مسلسل کمی، توانائی اور

حامد
اردو فینز
کیلئے

اور منڈی کی اسمگلنگ ختم کرنی چاہیے۔

بہتر بنانے کی جدوجہد کرنا چاہیے اور آنے اور نمٹے اور پیداوار بڑھانے سے یہ
ضرورت ہے کہ حکومت ذخیرہ اندوزوں سے آہنی ہاتھ سے
یہ واضح پالیسی تیار کی جانی چاہیے۔ اگرچہ موجودہ حکومت نے کاشتکاروں سے حالات بہتر
بنانے اور زرعی شعبے کو ترقی دینے کے اقدام کیے ہیں مگر یہ سب بے سود ہیں کیونکہ ان پر عملدرآمد
نہیں ہو رہا ہے۔ زرعی ماہرین نے حکومت پر زور دیا ہے کہ حکومت ان پیشن گوئیوں پر توجہ دے جو
ملکی معیشت کے بارے میں کی جا رہی ہیں اور بحرانوں کو مزید سنگین بنانے سے احتراز کرے۔
انہوں نے ملک میں زرعی شعبے کو درپیش مسائل سے نمٹنے کے لیے مخصوص اقدامات کی ضرورت پر
زور دیا۔

(نومبر 2009ء)

کیری لوگر بل کیا لے گیا کیا دے گیا

کیری لوگر بل نے ایک مرتبہ ساری قوم کے بل نکال دیے ہیں پہلی مرتبہ فوج کو بادل نخواستہ اپنا ردعمل ظاہر کرنا پڑا حکومت ہر سوال کے جواب میں کہتی ہے کہ لوگ بل پڑھے بغیر اس پر تبصرہ کر رہے ہیں ذیل میں جمعرات 24 ستمبر 2009ء کو سینٹ سے پاس ہونے والے کیری لوگر بل کا متن پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ ہاؤس آف ریپریزنٹیٹو میں پیش کیا جا رہا ہے اور اگر یہ بغیر کسی ترمیم کے منظور ہو گیا تو صدر اوباما کے پاس قانون دستخط کے لیے بھیج دیا جائے گا، جس کے بعد یہ قانون بن جائے گا۔ s. 1707 پاکستان کے ساتھ تعلقات کے فروغ ایکٹ برائے 2009ء (مستغرق، متفق یا سینٹ سے منظور) SEC. 203 کچھ امداد کے حوالے سے متعین حدود

(a) سکیورٹی تعلقات میں معاونت کی حدود مالی سال 2012ء سے 2014ء کے لیے، پاکستان کو مالی سال میں اس وقت تک کوئی سکیورٹی تعلقات میں معاونت فراہم نہیں کی جائے گی، جب تک سیکرٹری آف اسٹیٹ، صدر مملکت کی ہدایت پر سب سیکشن (c) میں درج ہدایات کے مطابق منظوری نہ دے دیں۔ (b) اسلحہ کی فراہمی کی حدود مالی سال 2012ء سے 2014ء تک کے لیے، پاکستان کو اس وقت تک بڑا دفاعی سامان کی فروخت کا

اجازت نامہ یا لائسنس، دی آرم ایکسپورٹ کنٹرول ایکٹ (22 usc 2751et seq) کے مطابق جاری نہیں کیا جائے گا، جب تک امریکی وزیر خارجہ امریکی صدر کی ہدایت کے مطابق، سب سیکشن (c) میں درج ضروریات کے مطابق منظوری نہ دے دیں: (c) تصدیق کا عمل اس سب سیکشن کے تصدیقی عمل کے لیے ضروری ہے کہ سیکرٹری آف اسٹیٹ، صدر کی ہدایت کے مطابق منظور کریں گے، کانگریس کی کمیٹیز کے مطابق کہ (1) امریکہ، حکومت پاکستان کے ساتھ تعاون جاری رکھے گا کہ پاکستان جوہری ہتھیاروں سے متعلق مواد کی منتقلی کے نیٹ ورک کو منہدم کرنے میں کردار ادا کرے۔ مثلاً اس سے متعلقہ معلومات فراہم کرے یا پاکستانی قومی رفقاء جو اس نیٹ ورک کے ساتھ ہے تک یا براہ راست رسائی دے۔ حکومت پاکستان نے موجودہ مالی سال کے دوران مسلسل اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کیا اور اب بھی دہشت گرد گروپوں کے خلاف موثر کوششیں کر رہی ہے۔ سیکشن 201 میں امداد کے جن مقاصد کو بیان کیا گیا ہے۔ ان کے تحت حکومت پاکستان نے مندرجہ ذیل امور میں قابل ذکر کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ (الف) مدد روکنا [illegible] پاکستانی فوج یا کسی انٹیلی جنس ایجنسی میں موجود عناصر کی جانب سے انتہا پسندوں یا دہشت گرد گروپوں، خصوصی طور پر وہ گروپ جنہوں نے افغانستان میں امریکی یا [illegible] پر حملے کئے ہیں، یا پڑوسی ممالک کے لوگوں یا علاقوں پر حملوں میں ملوث ہوں (ب) القاعدہ، طالبان اور متعلقہ گروپوں جیسے کہ لشکر طیبہ اور جیش محمد سے بچاؤ اور پاکستانی حدود میں [illegible] سے [illegible] سرحد پر پڑوسی ممالک میں حملوں کی روک تھام، قبائلی علاقوں میں [illegible] ملک کے مختلف حصوں بشمول کوئٹہ اور مریدکے میں موجود دہشت گرد [illegible] کا خاتمہ [illegible] دہشت گردوں کے بارے میں فراہم کردہ خفیہ معلومات کے بعد [illegible] منی لانڈرنگ قانون کو مضبوط بنانا (3) پاکستان کی [illegible] معاملات میں [illegible] یا کسی اور طریقے سے دخل اندازی

نہیں کریں گی۔ بعض ادائیگیاں (1) عام طور پر ان کا تعلق پیراگراف (2) سے ان فنڈز میں سے کسی کا تعلق مالی سال 2010ء سے 2014ء تک کے مالی سال سے نہیں ہے یا اس فنڈ کا کوئی تعلق پاکستان کے کاؤنٹر انسرجنسی کیپے بلیٹی فنڈ سے بھی نہیں ہوگا جو سپلیمنٹل اپروپری ایشن ایکٹ 2009ء (پبلک لاء III-32 کے تحت قائم ہے) اس کا دائرہ کار ان ادائیگیوں تک وسیع ہوگا جن کا تعلق (الف) لیٹر آف آفر اینڈ ایکسپٹنس (Letter Of Offer And Pk-D-NAP, Acceptnce) سے ہے۔ جن پر امریکہ اور پاکستان نے 30 ستمبر 2006ء کو دستخط شدہ لیٹر آف آفر اینڈ ایکسپٹنس PK-D-NAP اور (ب) (Letter Of Offer Pk-D- NAP, And Acceptnce) جس پر امریکی حکومت اور حکومت پاکستان کی جانب سے 30 ستمبر 2006ء کو دستخط ہوئے تھے۔ استثنیٰ [illegible] 2010ء سے 2014ء تک کیلئے جو فنڈز سیکورٹی میں مدد دینے کے لئے مختص کئے گئے ہیں۔ وہ تعمیرات اور متعلقہ سرگرمیوں کے لئے استعمال کئے جا سکتے ہیں۔ جن کی وضاحت Letter Of Offer And Accepetnce کے پیراگراف (1) میں کی گئی ہے۔ تحریری دستاویز [illegible]. وزیر خارجہ صدر کی ہدایت کے تحت مختص رقم میں سیکشن (A-(B) اور (D) کے تحت ایک سال کے لئے کمی کر سکتے ہیں۔ وزیر خارجہ یہ اقدام اس وقت اٹھائیں گے جب انہیں خیال ہوگا کہ یہ اقدام امریکہ کی قومی سلامتی کے مفاد میں ہے۔ تحریری دستاویز کا نوٹس. [illegible] وزیر خارجہ کو صدر کی ہدایت کے مطابق رقوم میں کمی کا اختیار پیراگراف (1) کے مطابق اس وقت تک استعمال نہیں کر سکیں گے جب تک کانگریس کی متعلقہ کمیٹی کو اس سلسلے میں سات روز کے اندر تحریری نوٹس نہ مل جائے جس میں رقوم میں کمی کی وجوہات درج ہوں یہ نوٹس کلاسیفائیڈ اور نان کلاسیفائیڈ شکل میں ضرورت کے مطابق پیش کیا جائے گا۔ (ف) مناسب کانگریسی کمیٹیوں کی تعریف۔ اس حصے میں مناسب کانگریسی کمیٹیوں کی اصطلاح سے مراد ایوان نمائندگان کی نمبر 1 کمیٹی برائے خارجہ امور،

کی امور خارجہ 2 سینٹ کی امور خارجہ کمیٹی برائے حکومتی اصلاحات اور فروگزاشت،
کمیٹی برائے مسلح افواج، کمیٹی برائے انٹیلی جنس ہیں۔ سیکشن 204 خانہ جنگی سے نمٹنے
تعلقات کمیٹی، مسلح افواج کمیٹی اور نیتجو کمیٹی برائے انٹیلی جنس ہیں۔
کی پاکستانی صلاحیت کا فنڈ (الف) مالی سال 2010، (1) عمومی طور پر۔ برائے مالی سال
2010، کیلئے ریاست کے محکمے ضمنی خصوصی ایکٹ 2009، (پبلک لا 32-111) کے تحت
پاکستان کی خانہ جنگی سے نمٹنے کی صلاحیت کا فنڈ قائم کر دیا گیا ہے۔ (اس کے بعد اسے صرف فنڈ
کہا جائے گا) پر مشتمل ہوگا۔ مناسب رقم پر جو اس سب سیکشن پر عملدرآمد کیلئے ہوگی (جو شامل
نہیں ہوئی اس مناسب رقم میں 170 یکٹ کے عنوان نمبر ایک پر عملدرآمد کیلئے ہے۔ (ب) وزیر
خارجہ کو دستیاب رقم بصورت دیگر اس سب سیکشن پر عملدرآمد کیلئے ہوگی۔ (2) فنڈ کے مقاصد
فنڈز کی رقم اس سب سیکشن پر عملدرآمد کیلئے کسی بھی مالی سال دستیاب ہوگی اور اس کا
استعمال وزیر خارجہ، وزیر دفاع کی اتفاق رائے سے کریں گے اور یہ پاکستان کی انسداد خانہ
جنگی صلاحیت کے فروغ اور استحکام پر انہی شرائط کے تحت صرف ہوگی۔ ماسوائے اس سب سیکشن
(الف) ٹرانسفر اتھارٹی: (3) کیلئے دستیاب فنڈ اور رقوم پر لاگو ہوگا جو مالی سال 2009،
عمومی طور پر امریکی وزیر خارجہ کسی بھی مالی سال کیلئے پاکستان انسداد خانہ جنگی فنڈ جو ضمنی تخصیص
ایکٹ 2009، کے تحت قائم کیا گیا ہے، کو رقوم منتقل کرنے کی مجاز ہوں گی اور اگر وزیر دفاع کے
اتفاق رائے سے یہ طے پائے کہ فنڈ کی ان مقاصد کیلئے مزید ضرورت نہیں جن کیلئے جاری کئے
گئے تھے تو وزیر خارجہ یہ رقوم واپس کر سکتے ہیں۔ (ب) منتقل فنڈ کا استعمال۔ سیکشن 203 کی
ذیلی شق (د) اور (ن) کے تحت پیراگراف (الف) میں دی گئی اتھارٹی اگر فنڈ منتقل کرتی ہے تو
ان مقاصد کے تحت پاکستان انسداد خانہ جنگی فنڈ کے لئے استعمال ہوگی۔ (ج)
دیگر تعلقات۔ اس سب سیکشن کے تحت معاونت فراہم کرنے والی اتھارٹی
... فراہمی کا اختیار رکھے گی۔ (د) نوٹیفکیشن۔ وزیر خارجہ سب

پیراگراف (الف) کے تحت فنڈز کی فراہمی سے کم از کم 15 روز قبل کانگریس کی کمیٹیوں کو تحریری طور
پر فنڈز کی منتقلی کی تفصیلات سے آگاہ کریں گی۔ (ر) نوٹیفیکیشن کی فراہمی۔ اس سیکشن کے تحت کسی
نوٹیفیکیشن کی ضرورت کی صورت میں کانگریس کی متعلقہ کمیٹیوں کو نوٹیفیکیشن جاری کیا جائے گا۔
(س) کانگریس کمیٹیوں کی وضاحت۔ اس سیکشن کے تحت موزوں کانگریشنل کمیٹیوں سے مراد (1)
ایوان نمائندگان کی آرمڈ سروسز کمیٹی اور خارجہ تعلقات کمیٹی (2) سینٹ کی آرمڈ سروسز اور خارجہ
تعلقات کمیٹی ہے۔ سیکشن 205 فراہم کی گئی امداد کا سویلین کنٹرول ضروریات
(1) مالی سال 2010، سے مالی سال 2014، کے دوران حکومت پاکستان کو سیکورٹی کیلئے
فراہم کی گئی براہ راست نقد امداد پاکستان کی سویلین حکومت کے سویلین حکام کو فراہم کی جائے
گی۔ کیری لوگر بل کی سیکشن 205 کے تحت مخصوص امدادی پیکج پر سویلین کنٹرول کی شرط
کیری لوگر بل میں سیکشن 205 کس تحت پاکستان کو امداد کی فراہمی کیلئے سویلین کنٹرول کی شرائط
عائد کی گئی ہیں۔ (ا) شرائط: (1) عمومی طور پر 2010، سے 2014، تک حکومت پاکستان کو
امریکہ کی جانب سے ملنے والی سیکورٹی معاملات سے متعلقہ کیش امداد یا دیگر نان اسسٹنس (غیر
امدادی) ادائیگیاں صرف پاکستان کی سویلین حکومت کی سویلین اتھارٹی کو دی جائے گی۔ (2)
دستاویزی کارروائی مالی سال 2014 -2010 تک امریکی وزیر خارجہ وزیر دفاع کی معاونت
اور تعاون سے اس بات کو یقینی بنائیں گے کہ امریکہ کی جانب سے حکومت پاکستان کو دی جانے
والی غیر امدادی (Non-Assistance) ادائیگیوں کی حتمی دستاویزات پاکستان کی سویلین
حکومت کی سویلین اتھارٹی کو وصول ہو چکی ہیں۔ (ب) شرائط میں چھوٹ: (1) سکیورٹی سے
متعلق امداد، بل کے مطابق امریکی وزیر خارجہ وزیر دفاع سے مشاورت کے بعد ذیلی سیکشن (a)
کے تحت سکیورٹی سے متعلق امداد پر عائد شرائط کو ختم کر سکتے ہیں تاہم اس کیلئے ضروری ہے کہ یہ
سکیورٹی امداد امریکی بجٹ کے فنکشن نمبر 150 (بین الاقوامی معاملات) سے دی جا رہی ہو اور

حامد
اردو فینز
کیلئے

امریکی وزیر خارجہ کانگریس کی متعلقہ کمیٹیوں کو اس امر کی یقین دہانی کرائیں کہ شرائط میں چھوٹ امریکہ کی قومی سلامتی کیلئے ضروری اور امریکی مفاد میں ہیں۔ (2) غیر امدادی ادائیگیاں امریکی وزیر دفاع، وزیر خارجہ کی مشاورت سے ذیلی (Non-Assistance) ادائیگیاں جو بجٹ فنکشن 050 (قومی دفاع) کے اکاؤنٹس سیکشن (a) کے تحت ایسی غیر امدادی ادائیگیوں جو بجٹ ... شرائط کو ختم کر سکتے ہیں۔

ے کی بجائے ... شرائط ... کانگریس کی متعلقہ کمیٹیوں کو یقین دہانی کرانا ہوگی کہ ... ہم اس چھوٹ کیلئے وزیر دفاع کو کانگریس کی ... امریکہ کے قومی مفاد کیلئے اہم ہے۔ (ج) بعض مخصوص سرگرمیوں پر سیکشن پابندیوں میں چھوٹ ... سیکشن 205 کے کسی حصے کا اطلاق نہیں ہوگا۔ (1) (205) کا اطلاق ... درج ذیل سرگرمیوں پر ... 50U.S.C 413) کے قومی سلامتی ایکٹ 1947ء کی رپورٹنگ جس کی ... ایسی کوئی بھی سرگرمی et Seq) کے تحت ... ضروری ہے۔ (2) جمہوری انتخابات یا جمہوری عمل میں عوام کی شرکت ... فروغ کیلئے ... والی امداد (3) ایسی امداد یا ادائیگیاں جن کا وزیر خارجہ تعین کریں اور کانگریس کی متعلقہ کمیٹیوں کو یقین دہانی کرائیں کہ مذکورہ امداد یا ادائیگیوں کو ختم کرنے سے جمہوریت حکومت اقتدار میں ... گئی ہے۔ (4) مالی سال 2005ء میں رونلڈ ڈبلیو ریگن نیشنل ڈیفنس آتھورائزیشن ایکٹ کی سیکشن (208) (ترمیم شدہ) کے تحت ہونے والی ادائیگیاں (Public Law 108-375. 118 (5). Stat 2086) امریکی محکمہ دفاع اور ... حکومت پاکستان کے ... کراس سروسنگ معاہدے کے تحت کی جانے والی ... 2009ء ... نیشنل ڈیفنس آتھورائزیشن ایکٹ کی سیکشن ... (Public Law 110-417, 112 Stat) ... ادائیگیاں ... تعریف سیکشن 205 میں استعمال ہونے والی ... وضاحت، تعریف ... ہے۔ (1) ''متعلقہ کانگریس کمیٹیوں'' سے مراد

ایوان نمائندگان اخراجات سے متعلق کمیٹیاں، آرمڈ سروسز اور فارن افیئرز کی کمیٹیاں سینٹ کی اخراجات سے متعلق کمیٹیاں، آرمڈ سروسز اور فارن افیئرز کمیٹیاں ہیں۔ (2) '' پاکستان کی سویلین حکومت'' کی اصطلاح میں ایسی پاکستانی حکومت شامل نہیں جس سے باقاعدہ منتخب سربراہ کو فوجی بغاوت یا فوجی حکم نامے کے ذریعے اقتدار سے ہٹا دیا گیا ہو۔ عنوان III حکمت عملی، احتساب، مانیٹرنگ اور دیگر شرائط سیکشن 301 حکمت عملی رپورٹس (اے) پاکستان کی امداد سے متعلق حکمت عملی کی رپورٹ۔ اس ایکٹ کے نفاذ عمل ہونے کے 45 روز کے اندر سیکرٹری خارجہ کانگریس کی متعلقہ کمیٹیوں کو پاکستان کی امداد سے متعلق امریکی حکمت عملی اور پالیسی کے حوالے سے رپورٹ پیش کرے گا۔ رپورٹ میں درج ذیل چیزیں شامل ہوں گی۔ (1) پاکستان کو امریکی امداد کے اصولی مقاصد (2) مخصوص پروگراموں، منصوبوں سیکشن 101 کے تحت وضع کردہ سرگرمیوں کی عمومی تفصیل اور ان منصوبوں، پروگراموں اور سرگرمیوں کے لئے مالی سال 2010ء سے 2014ء تک مختص کردہ فنڈز کی تفصیلات۔

(3) ایکٹ کے تحت پروگرام کی مانیٹرنگ آپریشنز، ریسرچ اور منظور کردہ امداد کے تجزیئے کا منصوبہ (4) پاکستان کے قومی، صوبائی، مقامی حکام، پاکستان سول سوسائٹی کے ارکان نجی شعبہ، سول، مذہبی اور قبائلی رہنماؤں کے کردار کی تفصیلات جو ان پروگراموں، منصوبوں کی نشاندہی اور ان پر عملدرآمد میں تعاون کریں گے۔ جن کے لئے اس ایکٹ کے تحت امداد دی جارہی ہے۔ اس کے علاوہ حکمت عملی وضع کرنے کے لئے ایسے نمائندوں سے مشاورت کی تفصیل 5 اس ایکٹ کے تحت اٹھائے گئے اور اٹھائے جانے والے اقدامات سے یہ یقینی بنایا جائے گا کہ امداد افراد اور دہشت گرد تنظیموں سے الحاق رکھنے والے اداروں تک نہ پہنچے۔ 6 اس ایکٹ کے تحت پاکستان کو فراہم کردہ امداد کی سطح کا تخمینہ لگانے کیلئے اسے مندرجہ ذیل کیٹیگریوں میں تقسیم کیا گیا ہے ملینیم چیلنج اکاؤنٹ امداد (Assistance) کے لئے اہل امیدوار ملک کے تعین کے طریقہ

علاقائی سلامتی کی حکمت عملی کی رپورٹ کی کاپی، اہداف کا تعین اور تجویز کردہ وقت اور حکمت عملی پر عمل کے لئے بجٹ کی تفصیل شامل ہے۔(ب) رپورٹ میں ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کی جامع حکمت عملی کی ایک نقل شامل ہوگی۔ جس میں اہداف سمیت حکمت عملی پر عملدرآمد کیلئے مجوزہ وقت اور بجٹ کی تفصیلات شامل ہوں گی۔(C) مناسب کانگریسی کمیٹی کی تعریف اس پیراگراف کے مطابق مناسب کانگریسی کمیٹی کا مطلب (i) ایوان نمائندگان کی کمیٹی برائے Appropriations، امور کمیٹی برائے مسلح افواج، کمیٹی برائے خارجہ امور اور مستقل سلیکٹ کمیٹی برائے انٹیلی جنس ہوگا اور (ii) سینٹ کی کمیٹی برائے Appropriations، کمیٹی برائے مسلح افواج، کمیٹی برائے خارجہ امور اور مستقل سلیکٹ کمیٹی برائے انٹیلی جنس ہوگا۔(c) سکیورٹی میں مدد کے حوالے سے منصوبہ: اس قانون کے بنائے جانے کے 180 دن کے اندر وزیر خارجہ مناسب کانگریسی کمیٹی کے سامنے وہ منصوبہ پیش کریں گے جس کیلئے فنڈ مختص کئے جائیں گے اور یہ مالی سال 2010ء سے 2014ء تک ہر سال ہوگا، اس منصوبے میں یہ بتایا جائے گا کہ رقم کا استعمال کس طرح سے سیکشن 204 میں مذکورہ رقوم سے متعلقہ ہے۔ سیکشن 302 مانیٹرنگ رپورٹس (a) سیکشن 301 (اے) پر عمل کرتے ہوئے Pakistan Assistance Strategy Report پیش کئے جانے کے 180 دن کے اندر (ششماہی) اور بعدازاں 30 ستمبر 2014ء تک ششماہی بنیادوں پر سیکرٹری خارجہ کی طرف سے سیکرٹری دفاع کے ساتھ مشاورت کے بعد مناسب کانگریسی کمیٹی کو رپورٹ پیش کی جائے گی۔ جس میں اس طرح (180 دنوں میں) فراہم کی گئی مدد/معاونت کی تفصیلات ہوں گی۔ اس رپورٹ میں درج ذیل تفصیلات ہوں گی۔(1) جس عرصے کیلئے یہ رپورٹ ہوگی اس عرصے کے دوران اس ایکٹ کے ٹائٹل ایک کے تحت کسی پروگرام، پراجیکٹ اور سرگرمی کے ذریعے فراہم کی گئی معاونت اور اس کے ساتھ ساتھ جس علاقے میں ایسا کیا گیا ہوگا اس کا حدود اربعہ اس رپورٹ میں شامل ہوگا اور اس میں رقم

(Criteria Report) میں بھی بیان کیا گیا کار کے حوالے سے سالانہ معیاری رپورٹ ہے۔ یہ کیٹیگریز مندرجہ ذیل ہیں۔(I) عوامی آزادی (II) سیاسی حقوق (III) آزادی اظہار رائے اور احتساب (IV) حکومت کی موثریت (V) قانون کی بالادستی (VI) بدعنوانی پر قابو (VII) بیماریوں کی شرح (VIII) شعبہ صحت پر خرچ (IX) لڑکیوں کی پرائمری تک تعلیم مکمل کرنے کی شرح (X) پرائمری تعلیم پر بجٹ (XI) قدرتی وسائل کا استعمال (XII) کاروباری مشکلات کے ذرائع (XIII) لینڈ رائٹس اور ان تک رسائی (XIV) تجارتی پالیسی (XV) ریگولیٹری کوالٹی (XVI) مہنگائی پر قابو (XVII) مالی پالیسی 7 پاکستان کے پاس پہلے سے موجود ہیلی کاپٹرز کی تبدیلی اور اس حوالے سے تربیت اور ان کی درستگی کے لئے سفارشات اور تجزیہ بھی کیا جائے گا۔(B) علاقائی حکمت عملی کی تفصیلی رپورٹ

کانگریس کی فہم و فراست: یہ کانگریس کی فہم و فراست ہے کہ امریکی قومی سلامتی کے مقاصد کے حصول، پاکستان میں دہشت گردوں کی محفوظ پناہگاہوں کے خاتمے کے لئے ایک تفصیلی ترقیاتی منصوبے کی ضرورت ہے۔ جس میں دیگر متعلقہ حکومتوں کے تعاون و اشتراک سے قومی طاقت کے تمام عناصر کو اس مقصد کے لئے استعمال میں لایا جائے۔ پاکستان کی دیرپا خوشحالی اور سلامتی کے لئے بھی ضروری ہے کہ پاکستان، افغانستان اور بھارت کے مابین مضبوط تعلقات ہوں۔ علاقائی سلامتی کی تفصیلی حکمت عملی پاکستان میں دہشت گردوں کی محفوظ پناہگاہوں کے خاتمے کے لئے صدر پاکستانی حکومت اور دیگر متعلقہ قومی حکومتوں اور اداروں کے اشتراک سے علاقائی سلامتی کی حکمت عملی ترتیب دیں گے۔ پاک [illegible] اور پنجاب کے علاقوں میں اس علاقائی سلامتی کی [illegible] کوششیں عمل میں لائی جائیں گی۔ [illegible] 180 روز کے اندر اندر صدر علاقائی سلامتی [illegible] جمع کروائیں گے۔ جس کے مندرجات میں

حامد
اردو فینز
کیلئے

جہاں تک بھی رپورٹ کا تعلق ہے تو اس میں مالی سال کی دوران سے تاریخ ہوگی، فراہم کی گئی رقوم کی تفصیل ہوگی اور اس میں بھی 2000ء میں پاکستان کی معاونت کیلئے ... بارے میں بتایا جائے گا۔ (2) رپورٹ کے عرصے کے دوران پروگرام، پراجیکٹ اور سرگرمی کے بارے ... شروع کرنے والے ایسے امریکی یا کسی اور ملک سے اس ایکٹ کے تحت پراجیکٹ ... جو ایک لاکھ ڈالر سے زیادہ رقم رکھتے شہریوں یا کمپنیوں کی فہرست بھی رپورٹ میں شامل ہوگی جو ... دی جا سکتی ہے تاکہ اگر کوئی مکمل ... حاصل کریں گے اور یہ فہرست کسی کلاسیفائیڈ ضمیمہ میں دی جا سکتی ہے تاکہ اگر کوئی ... ہو تو اس سے بچا جا سکے اور اس میں اس کو خفیہ رکھنے کا جواز بھی دیا جائے گا۔ (3) رپورٹ میں سیکشن 301 (اے) کی ذیلی شق (3) میں مذکورہ منصوبے کے بارے میں تازہ ترین اپ ڈیٹس، پیش رفت اور اس ایکٹ کے ٹائٹل ایک کے تحت دی گئی معاونت کے اثرات کی بہتری کے لئے اقدامات کی تفصیل بھی شامل ہوگی۔ (4) رپورٹ میں ایک جائزہ بھی پیش کیا جائے گا جس میں اس ایکٹ کے تحت فراہم کی گئی معاونت کے موثر اثر پذیری کا احاطہ کیا گیا ہوگا اور اس میں سیکشن 301 (اے) کی ذیلی شق 3 میں بتائے گئے طریقہ کار کو مدنظر رکھ کر مطلوبہ مقاصد کے حصول پر نتائج کا جائزہ لیا گیا ہوگا اور اس سب سیکشن کے پیراگراف 3 کے تحت اس میں ہونے والی پیش رفت یا اپ ڈیٹ بھی بیان کی جائے گی جو کہ یہ جانچنے کیلئے کہ آیا مطلوبہ نتائج حاصل ہوئے ہیں یا نہیں ایک منظم مربوط بنیاد فراہم کرے گی۔ اس رپورٹ میں ہر پروگرام اور پراجیکٹ کی تکمیل کا وقت بھی بتایا جائے گا۔ (5) امریکہ کی طرف سے مالیاتی فزیکل، تکنیکی یا انسانی وسائل کے ... کی ... جو کہ ان فنڈز پر موثر استعمال یا مانیٹرنگ میں رکاوٹ ہوگی، کے بارے میں بھی اس رپورٹ میں بتایا جائے گا۔ (6) امریکہ کی دوطرفہ یا کثیر الطرفہ معاونت کے متعلق ... بھی اس رپورٹ میں شامل ہوگا اور اس حوالے سے اگر کوئی ہوگی تو پھر تبدیلی کیلئے ... جس ... کیلئے یہ فنڈز یا معاونت ہوگی اس کی انجذابی صلاحیت

... بھی رپورٹ میں مذکور ہوگی۔ (7) رپورٹ میں اس ایکٹ کے ٹائٹل ایک کے تحت ہونے والے اخراجات کے ضمن میں فراڈ، فنڈز کے استعمال کے حوالے سے کوئی واقعہ ہو تو رپورٹ میں بھی شامل کی جائے گی۔ (8) ان فنڈز کی رقم جو کہ سیکشن 102 کے تحت استعمال کیلئے مختص کی گئی اور جو کہ رپورٹ کے عرصے کے دوران انتظامی اخراجات یا آڈٹ یا سیکشن 103 یا 101 (سی) کی ذیلی شق 2 کے تحت حاصل التقدیرات سے ... استعمال ہوئی کی تفصیلات بھی رپورٹ میں شامل ہوں گی۔ (9) سیکشن 101 (سی) کی ذیلی شق 5 کے تحت تقرر کردہ چیف آف مشن فنڈ کی طرف سے کئے گئے اخراجات جو کہ اس عرصے کے دوران کئے گئے ہوں گے جس کیلئے رپورٹ تیار کی گئی ہے۔ اس رپورٹ میں شامل ہوں گے۔ اس میں ان اخراجات کا مقصد بھی بتایا جائے گا اور اس میں چیف آف مشن کی طرف سے ایک لاکھ ڈالر سے زائد کے اخراجات سے وصول کنندگان کی فہرست بھی شامل ہوگی۔ (10) اس ایکٹ کے ٹائٹل ایک کے تحت پاکستان کو فراہم کی گئی معاونت کا حساب کتاب (اکاؤنٹنگ) جو کہ سیکشن 301 (اے) کی ذیلی شق 6 میں دی گئی مختلف کیٹیگریز میں تقسیم کی گئی ہے کی تفصیل بھی رپورٹ میں بیان کی جائے گی۔ (11) اس رپورٹ میں درج ذیل مقاصد کیلئے حکومت پاکستان کی طرف سے کی گئی کوششوں کے جائزہ بھی پیش کیا جائے گا۔ (الف) فاٹا یا بندوبستی علاقوں میں القاعدہ، طالبان یا دیگر انتہا پسند اور دہشت گرد گروپوں کے خاتمے، ان کو غیر موثر یا شکست دینے کیلئے کی گئی کوششیں۔ (ب) ایسی قوتوں کے پاکستان میں موجود محفوظ ٹھکانوں کے خاتمے کیلئے کی گئی کوششیں (ج) لشکر طیبہ اور جیش محمد کے تربیتی مراکز کی بندش (د) دہشت گرد اور انتہا پسند گروپوں کو ہر قسم کی مدد و تعاون کا خاتمہ (ر) ہمسایہ ممالک میں حملوں کی روک تھام کیلئے کوششیں / اقدامات (س) مدارس کے نصاب کی نگرانی میں اضافہ اور طالبان یا دہشت گرد یا انتہا پسند گروپوں سے تعلق رکھنے والے مدارس کی بندش کیلئے کی گئی کوششیں۔ (ش) انسداد منی لانڈرنگ قوانین اور دہشت گردی کے

حامد
اردو فینز
کیلئے

[illegible] اقدامات، ملٹری ایمرجنسی [illegible] اسے [illegible] میں [illegible] اقوام متحدہ کے ذیلی اداروں [illegible] کی گئی کوششیں۔ (12) پاکستان کی طرف سے جوہری عدم پھیلاؤ [illegible] پر عملدرآمد [illegible] کی گئی کوششوں کی جامع تفصیل بھی اس رپورٹ میں شامل ہو گی۔ (جوہری مواد اور مہارت) [illegible] (13) اس رپورٹ میں ایک جائزہ بھی پیش کیا جائے گا کہ آیا پاکستان کو فراہم کی گئی معاونت اس کے جوہری پروگرام کی توسیع میں بالواسطہ یا بلاواسطہ مددگار ثابت ہوئی ہے یا نہیں۔ آیا امریکی معاونت کے اخراجات پاکستان کے وسائل کی Reallocion جو کہ بصورت دیگر پاکستان کے جوہری پروگرام سے غیر متعلقہ سرگرمیوں پر خرچ ہوں گے۔ (14) رپورٹ میں سیکشن 202 (بی) کے تحت مختص کیے گئے اور خرچ کیے گئے فنڈز کی جامع تفصیلات بھی شامل ہوں گی۔ (15) اس رپورٹ میں حکومت پاکستان کا فوج پر موثر سویلین کنٹرول، بشمول سویلین ایگزیکٹو لیڈرز اور پارلیمنٹ کا فوجی، ملٹری بجٹ کی نگرانی اور منظوری، کمانڈ کے تسلسل، سینئر فوجی افسروں کی ترقی میں عمل دخل اور سول انتظامیہ میں فوجی مداخلت کی تفصیلات بھی شامل ہوں گی۔

سیکشن 301 پاکستان معاونت لائحہ عمل رپورٹ　　پاکستان معاونت لائحہ عمل رپورٹ (b) حکومتی احتساب دفتر کی رپورٹس

(اے) کے تحت پاکستان معاونت لائحہ عمل رپورٹ پیش کیے جانے کے ایک سال کے اندر کنٹرولر جنرل آف امریکہ مناسب کانگریسی کمیٹی کو ایک رپورٹ پیش کرے گا جس میں درج ذیل تفصیلات مذکور ہوں گی۔ (الف) پاکستان معاونت لائحہ عمل رپورٹ کا جائزہ اور اس حوالے سے [illegible] (ب) اس ایکٹ کے تحت مقاصد کے حصول کیلئے امریکی کوششوں کو موثر بنانے کیلئے اگر [illegible] اضافی اقدامات مناسب سمجھتا ہے تو وہ بھی بیان کیے جائیں گے۔ (پ) آرمز [illegible] ایکٹ (22 یو ایس سی) کی شق 22 کے تحت دی گئی گرانٹ کے مطابق [illegible] کی مفصل رپورٹ بھی پیش کی جائے گی۔

اور یہ اس وقت پاکستان میں [illegible] بل میں [illegible] ایوانوں میں اس بات کا تجزیہ [illegible] اس [illegible] بل کی منظوری کے آخری مراحل [illegible] امریکی ایوانوں میں پاکستان کے حق میں رائے ہموار کرنے کے لئے [illegible] ڈالر [illegible] امریکی [illegible] خدمات حاصل کی گئی ہیں حالانکہ [illegible] بل کی منظوری کے آخری مرحلے پر [illegible] خدمات [illegible] قدر مددگار ثابت ہوں گی۔

امریکہ میں پاکستان کے حق میں کام کرنے والی [illegible] فرم کا نام کیسیڈی اینڈ ایسوسی ایٹس ہے مذکورہ فرم کو واشنگٹن میں لابنگ کرنے والی سب سے بڑی کمپنیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ پاکستان کو کیری لوگر بل کے ذریعے ملنے والی امداد میں کوآرڈینیٹر کا کردار ادا کرنے والی شخصیت میں رابن رافیل نئی ذمہ داریاں سنبھالنے سے پہلے اس کمپنی میں اہم ذمہ دار رہیں تاہم اب بحیثیت کوآرڈینیٹر تعیناتی کے بعد ان کا کام پاکستان کو ملنے والی امداد کے صحیح استعمال کی مانیٹرنگ کرنا اور اس سلسلے میں امریکی وزیر خارجہ ہیلری کلنٹن کو رپورٹ پیش کرنا ہے۔

تجزیہ نگاروں کا خیال ہے کہ کیری لوگر امدادی بل میں سخت شرائط عائد کیے جانے پر پاکستان کی مایوسی کا اظہار اس امر سے ہوتا ہے کہ بل کی منظوری کے آخری مرحلے پر حکومت پاکستان نے موجودہ لابنگ فرم مارک اے سیگل کی خدمات ترک کر دی ہیں۔ اس فرم کے مالک مارک سیگل شہید محترمہ بھٹو کے ذاتی دوستوں میں شمار ہوتے ہیں۔ جنہوں نے ان کے ساتھ مشترکہ طور پر ایک کتاب بھی لکھی جو ان کی المناک موت کے بعد شائع ہوئی۔ لابنگ کی خدمات انجام دینے والی نئی فرم کیسیڈی کے ایک عہدیدار نے بتایا کہ پاکستان کے ساتھ ان کا معاہدہ سالانہ سات لاکھ امریکی ڈالر میں ہوا ہے جبکہ دیگر اخراجات اس کے علاوہ ہوں گے۔ اس طرح ان اخراجات کی مالیت کئی لاکھ ڈالر تک پہنچ جائے گی۔ کیسیڈی ایسوسی ایٹس نے امریکی محکمہ انصاف کے پاس پاکستان کی

[illegible] جنریشن کے مقاصد بیان کرتے ہوئے
لابنگ فرم کی حیثیت سے 14 جولائی 2000ء کو اپنی رجسٹریشن [illegible] شخصیات اور اداروں میں پاکستان
[illegible] سرکاری اور نجی شعبوں میں فیصلہ ساز شخصیات اور اداروں میں پاکستان
کی پوزیشن کی [illegible] کرتی ہے اور پاکستان کے مقاصد اور مفادات کے متعلق امریکی حکومت
قانون ساز اداروں کے [illegible] کو نہ صرف [illegible] دیتی ہے بلکہ امریکی حکومت کی پالیسی و
پاکستان کے مقاصد و مفادات سے ہم آہنگ کرنے کے لئے لابنگ کرنے کی ذمہ داری بھی
ہے۔ یہ فرم نجی شعبہ میں امریکی صنعتی اداروں کو پاکستان کے قریب لانے کے علاوہ امریکی حکومت
کی [illegible] امریکی حکومت کی ترجیحات سے پاکستان کو آگاہ رکھتی ہے۔
خیال ہے کہ [illegible] جب کیری لوگر بل امریکی ایوانوں میں منظوری کے مراحل طے کر رہا
ہے۔ اس وقت [illegible] لابنگ فرم کی خدمات حاصل کرنے سے پاکستان کے اس زمرے میں
[illegible] یہ بات واضح نہیں کہ اب تک اس فرم کی
خدمات نے پاکستان کیلئے کون سے [illegible] کے حصول کو ممکن بنایا ہے۔ اگرچہ موجودہ لابنگ فرم کے
[illegible] کا کہنا ہے کہ کیری لوگر بل کی منظوری پاکستان کے لئے ایک بڑی کامیابی ہے
[illegible] آن دی ریکارڈ ہے کہ انہوں نے جولائی میں اخبار
[illegible] کہ ان کی کمپنی نے پاکستان کے لئے امدادی بل منظور کرانے میں مدد
دی۔ جس کے نتیجے میں پاکستان [illegible] غیر فوجی امداد تین گنا ہو کر پانچ سال میں سات
[illegible] ڈالر تک پہنچ گئی۔ انہوں نے کہا تھا کہ بھارتی لابی کی جانب سے [illegible]
[illegible] تیار کیا گیا تھا لیکن ان کی کمپنی نے یہ کوششیں ناکام بنا
[illegible] کوششیں [illegible] پاکستان کو دفاع کے معاملے میں
[illegible] پیش آ رہی تھیں۔

[illegible] امریکہ میں پاکستان کے خلاف پراپیگنڈے

[illegible] انہوں نے یہ بھی بتایا تھا کہ انہوں نے [illegible] منظور کروانے
میں بھی مدد کی [illegible] پاکستان [illegible] امداد حاصل
[illegible] کے نتیجے میں [illegible] کی جانب سے [illegible]
امریکی سینٹ نے کڑی شرائط [illegible] پاکستان کے لئے [illegible] کی منظوری دی۔
اس بل میں امدادی شرائط توقعات سے کہیں زیادہ سخت ہوتی ہیں [illegible] نے اس
موقع پر کہا ہے کہ مسز سیگل کی لابنگ کی کوششیں بری طرح ناکام ہو چکی ہیں۔ اس طرح مارک
سیگل نے 2006ء میں ری کنسٹرکشن اپرچونٹی زونز (Roz) کے قیام سے متعلق [illegible] بنایا
کہ امریکی لیبر تنظیموں کی جانب سے سخت مخالفت کے باوجود ہم نے اردن و مصر سے براہ
راست رابطہ کر کے انہیں "آر اوز یز" کے منصوبے کو [illegible] میں شامل کرنے اور [illegible] کی
رولز کمیٹی میں پیش کرنے کیلئے کہا جس کی وجہ سے پورے ایوان سے اس بل کی منظوری ہوئی۔

مارک سیگل کے مطابق اس قانون کے ذریعے پاکستان اور افغانستان کے سرحدی علاقوں میں
ری کنسٹرکشن اپرچونٹی زونز (آر اوزیز) کا قیام ممکن ہوگا۔ امریکی سینیٹروں کینٹ، ولیم، [illegible]
کی جانب سے بھی اس نوعیت کے بل سینٹ میں زیر غور ہیں۔ روز Rozs کے قیام سے پاکستان
اور افغانستان کے سرحدی علاقوں میں تیار کی گئی ٹیکسٹائل مصنوعات، دستکاریوں، کارپٹ، قیمتی پتھر
اور دوسری اشیاء کو امریکی ڈیوٹی فری مارکیٹ تک رسائی حاصل ہوگی امریکہ کی جانب سے اردن،
مصر اور بعض دیگر ملکوں میں ایسے منصوبوں پر عمل کیا جا رہا ہے ہم نے ان منصوبوں کو معاشی تقاضوں
سے ہم آہنگ کرنے کیلئے کام کیا ہے۔ جس کا مقصد علاقے میں سیاسی استحکام پیدا کرنا ہے ہم
امریکی انتظامیہ پر اس منصوبے کو بلوچستان تک پھیلانے کیلئے زور دے رہے ہیں۔

مارک سیگل کے بلند بانگ دعوؤں کی قلعی اس وقت کھل گئی جب اس ہفتے کیری لوگر بل کی
سینٹ سے منظوری کے بعد یہ تفصیلے سے باہر آ گئی جس میں ری کنسٹرکشن اپرچونٹی زونز

اردو فینز کیلئے

(آرادوزیر) کے قیام کا ذکر تک نہ تھا۔ مارک سوگل نے ان دوروں کے عوض پاکستان سے جو اجرت حاصل کی اس کی ایک جھلک بھی ہوش اڑا دینے والی ہے۔ انہوں نے امریکی محکمہ انصاف کے پاس پاکستان سے ڈالر کی صورت میں بطور معاوضہ حاصل کی گئی رقم کی جو تفصیلات جمع کرائی ہیں ان میں گاڑی کی پارکنگ فیس کے علاوہ پھولوں کی خریداری فرنیچر کی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقلی حتیٰ کہ پاکستان سے آنے والے سفارتکاروں کیلئے بھیجے جانے والے ہوائی سفر کے ٹکٹ تک شامل ہیں۔ ان اکاؤنٹس کی تفصیلات امریکی محکمہ انصاف کی ویب سائٹ فارن ایجنٹس رجسٹریشن ایکٹ (FARA) پر دستیاب ہیں۔ پاکستان امریکہ میں لابنگ کیلئے کس قدر کثیر سرمایہ خرچ کرتا ہے اور اس کام کیلئے کتنی امریکی فرموں کے اخراجات پورے کئے جاتے ہیں۔ اس کی تفصیل اس ویب سائٹ پر دستیاب ہے۔ بعض فرموں کی جانب سے محکمہ انصاف کے پاس رجسٹریشن تو کرائی گئی ہے اور پاکستان سے حاصل ہونے والی رقم کی تفصیل بھی دی گئی ہے لیکن اس کے بدلے پاکستان کو دی جانے والی خدمات کا کوئی ذکر نہیں اس امر کی تفصیل اجمالاً درج ذیل ہے۔ (1) برسن مارسٹیلر، ورمونٹ ایونیو، چھ ماہ کیلئے حاصل کردہ رقم 119,946 ڈالر، فرم کی نوعیت میڈیا ریلیشنز۔ پاکستان کیلئے خدمات کا ذکر نہیں۔

2۔ ڈیوی اینڈ ڈیوف نیو یارک ایونیو چھ ماہ کیلئے حاصل کردہ رقم   تین لاکھ ڈالر
پاکستان کی وزارت تجارت کیلئے خدمات

3۔ جے ڈبلیو ایشیا لمیٹڈ اے بی این ایمرو بنک بلڈنگ کراچی   حاصل کردہ رقم کا ذکر
نہیں شعبہ ایڈورٹائزنگ حکومت پاکستان کیلئے خدمات کا ذکر نہیں۔

4۔ راک اینڈ [illegible] واشنگٹن، حاصل کردہ رقم کا ذکر نہیں کام کی نوعیت پی آئی اے کیلئے قانونی اور دیگر خدمات۔

(نومبر 2009ء)

لٹ کے کھا گئے

کیری لوگر بل پر بہت باتیں ہو چکیں لیکن جیسا کہ آغاز ہی میں سیانوں نے کہہ دیا تھا کہ یہ بل امریکہ نے تیار کیا ہے گو کہ اس کی تیاری میں بھارتی اور کچھ ناخلف پاکستانیوں نے بھی اپنا حصہ بقدر جثہ ڈالا ہے۔ اب معمول کے مطابق ہمارے کچھ سیاستدان اس پر شور وغوغا کر کے اپنا قد بڑھانے کی کوشش تو کریں گے لیکن بالآخر وہ بھی اسی تنخواہ پر نوکری کرنے پر رضامند ہو جائیں گے اور ایسا ہی ہوا۔

مسلم لیگ (ن) نے حسب سابق مشرف کے خلاف تعزیرات پاکستان کی دفعہ 6 کے تحت مقدمہ چلانے کے معاملے کی طرح اس مسئلے پر بھی خاصی سرگرمی دکھائی۔ ٹی وی چینلوں اور اسمبلی وزرا پر خطابت کے جوہر دکھائے لیکن آخرکار امریکہ، لندن کے مختصر دوروں اور امریکی زعما خصوصاً سینیٹر کیری لوگر سے ملاقات کے بعد مشرف کی پھانسی کے معاملے کی طرح اس مسئلے پر بھی "پرانی تنخواہ پر کام کرتے رہنے" کی پالیسی پر عمل پیرا ہو گئے۔ اب کبھی کبھی سیاسی گرمی میں ابال آتا ہے تو میڈیا کا پیٹ بھرنے کے لئے کچھ بیانات دے کر اپنی "اصولی سیاست" کا ڈھول پیٹنے لگتے ہیں۔

ہمارے ہر اس سیاستدان کو جو اقتدار کے ایوانوں سے دھکے کھا کر نکل آیا ہو، شکایت [illegible]

رہی ہے اور اس طرح پوری قوم قرضوں کے بوجھ میں بری طرح جکڑی جا چکی ہے اور اس وقت پاکستان کا ہر شہری 60 ہزار روپے کا مقروض ہے۔ پاکستان اس وقت تاریخ کے انتہائی نازک دور سے گزر رہا ہے۔ اس کی معیشت تقریباً تباہ ہو چکی ہے۔ بجلی، گیس کی لوڈشیڈنگ اور اشیائے ضروریہ، پٹرول کی قیمتوں میں ہوشربا اضافے کی وجہ سے پاکستان کی معیشت کا پہیہ مکمل طور پر جام ہو چکا ہے۔ جس سے پاکستان کا ہر تیسرا شخص بے روزگار ہو گیا ہے اور نوبت خودکشی تک آ پہنچی ہے۔ پاکستان کی آدھی آبادی خط غربت سے کم سطح پر زندگی گزار رہی ہے جبکہ حکومت اپنی عیاشیوں پر اخراجات میں متواتر اضافہ کئے جا رہی ہے۔ پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ (ن) کے اہم رہنماؤں نے اپنے آپ کو حفاظتی کنٹینرز میں بند کر لیا ہے اور وہ اتنے خوفزدہ ہو چکے ہیں کہ عوام کا سامنا کرنے سے گھبرا بھی کر رہے ہیں۔ بااثر افراد نے اپنی حفاظت کے لئے سرکاری خرچہ پر ہزاروں اہلکاروں کو تعینات کر رکھا ہے۔ سرکاری جہاز اور ہیلی کاپٹرز غیر ضروری تقریبات پر استعمال کئے جا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ عوامی مسائل کم ہونے کے بجائے بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ کرپشن عروج پر ہے۔ چھوٹی سطح سے اوپر تک ہر بااثر شخص اپنا حصہ وصول کر رہا ہے، عوام کا کوئی پرسان حال نہ ہے۔ بے ضابطگیوں کے حوالے سے 2007-2008ء کی ایک رپورٹ کے مطابق وفاقی پیداوار اور پی آئی اے میں 1 کھرب 60 ارب 32 کروڑ روپے کی کرپشن ہوئی۔ ریلوے میں 14 ارب 39 کروڑ روپے، اسٹیٹ لائف میں 1 ارب 80 کروڑ روپے، بورڈ آف ریونیو میں 1 کھرب 1 ارب روپے کی کرپشن کے ثبوت منظر عام پر آ چکے ہیں۔ علاوہ ازیں وزارت تجارت کابینہ ڈویژن، نیشنل پاور ریگولیٹری اتھارٹی، وزارت خزانہ اور دیگر محکمے بھی اربوں روپے کی کرپشن میں ملوث ہیں، لیکن مقام افسوس کہ حکومت وقت این آر او کا سہارا لے کر پارلیمنٹ میں اس بل کو منظور کروا کر کرپشن میں ملوث لوگوں کو تحفظ دینے کی کوشش کر رہی ہے۔

یہ امر حیران کن ہے کہ میاں نواز شریف جنہوں نے ہر شہری سے ٹیکس ادا کرنے کی اپیل کی

غریب عوام کی فکر بہت پریشان رکھتی ہے۔ میاں نواز شریف نے ایک پریس کانفرنس میں یہ انکشاف کیا ہے کہ اس وقت پاکستان پر اندرونی اور بیرونی قرضوں کے بوجھ کی مالیت 8 ہزار ارب روپے تک پہنچ چکی ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ جب ان کی حکومت برخاست کی گئی تو پاکستان پر قرضوں کا بوجھ 3 ہزار ارب روپے سے کم تھا اور اب قرضوں کا بوجھ اتارنے کے لئے قوم کو خود انحصاری اپنانی ہو گی اور ہر شخص کو ٹیکس ادا کرنا ہوگا۔ این آر او کے متعلق انہوں نے حکومت کو تنبیہ کی کہ وہ اس بل کو پارلیمنٹ سے منظور کروانے سے گریز کرے۔ اگر ایسا کیا گیا تو کرپشن کو قانونی شکل حاصل ہو جائے گی اور پاکستان پوری دنیا میں بدنام ہوگا۔ اس کالے قانون کو پارلیمنٹ سے منظور کروانا پاکستان پر بدنما داغ ہوگا۔ ایسی ہی باتیں وزیراعلیٰ پنجاب نے بھی کی ہیں۔ علاوہ ازیں مسلم لیگ (ق) کے رہنماؤں نے بھی اس بل کی پارلیمنٹ میں مخالفت کرنے کا عندیہ دیا ہے اور این آر او کو صدر پرویز مشرف کی ذات سے منسوب کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس آرڈیننس کو جاری کرنے میں مسلم لیگ (ق) کا کوئی عمل دخل نہ تھا اور این آر او پیپلز پارٹی اور پرویز مشرف کے درمیان ہونے والی ڈیل کا نتیجہ ہے۔ مقام افسوس کہ اس وقت ہمارا ملک جو ہر قسم کے قدرتی وسائل سے مالا مال ہے اور جس کے عوام محنتی اور عظیم ہیں۔ اس کا شمار دنیا کے سب سے زیادہ مقروض ملکوں میں ہوتا ہے اور اس وقت آئی ایم ایف کے قرضوں میں پوری طرح جکڑا جا چکا ہے۔ پاکستان میں یہ ملکی قرضوں کی دلدل ہے۔ اس کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ 2008ء میں پاکستان نے ایشیائی ترقیاتی بینک سے 1.7 ارب ڈالر کا ریکارڈ قرضہ حاصل کیا اور 1966ء سے 2007ء تک ایشیائی ترقیاتی بینک سے حاصل کردہ قرضوں کی مالیت 9.8 ارب ڈالر تھی جو 2008ء تک 14 ارب ڈالر تک پہنچ چکی ہے۔ ملک اس وقت ایشیائی ترقیاتی بینک، آئی ایم ایف، ورلڈ بینک اور دیگر بین الاقوامی اداروں کا تقریباً 60 ارب ڈالر کا مقروض ہے اور یہ ... بڑھتا چلا جا رہا ہے اور ہماری حکومت کاسہ گدائی لے کر در در گھوم

[illegible] جمع کراتے ہوئے [illegible] ثابت

ہے۔ قومی اسمبلی کے امیدوار کی حیثیت سے اپنے گوشوارے [illegible] انکم ٹیکس ادا کرنے [illegible]

[illegible] ہیں جن میں انہوں نے صرف چند سو روپے [illegible] کروڑوں روپے کا قرض بتایا ہے۔ یہی [illegible]

[illegible] اپنے [illegible] رشتہ داروں کا [illegible] ہے جو پاکستان سے لوٹ مار کر کے [illegible] ملک

[illegible] صدر [illegible] ہے [illegible] اہم رہنما ہیں جنہیں [illegible] فرمایا تھا۔

[illegible] کر رہے ہیں۔ [illegible] جو کہ ان کی [illegible] جمع شدہ اپنا سرمایہ واپس لے آئیں تو

[illegible] زرداری اور دیگر سیاستدان غیر ملکوں میں [illegible] اس ملک کا شمار ترقی یافتہ ملکوں کی صف

[illegible] قرضوں [illegible] جو اتر سکتے ہیں [illegible] دیگر افراد کا غیر ملکوں میں محفوظ

میں ہو سکتا ہے۔ اس وقت سیاستدانوں، بیوروکریٹس، فوجی حکام اور [illegible]

[illegible] پاکستان 60 ارب ڈالر بیرونی قرضوں کا

[illegible] 200 ارب ڈالر کے قریب ہے جبکہ [illegible] غیر ملکوں میں محفوظ سرمایہ فوری طور پر

[illegible] وقت آ گیا ہے کہ سیاستدان اور دیگر افراد اپنا [illegible] ملک میں لانے کی خوشخبری

[illegible] پاکستان کے [illegible] سرمایہ کار میاں منشاء نے 1 ارب ڈالر ملک میں لانے کی خوشخبری

[illegible] پاکستان کے دوسرے اور چوتھے امیر ترین [illegible] جماعتوں کے رہنما جو پاکستان کے دوسرے اور چوتھے امیر ترین

[illegible] غیر ملکوں میں محفوظ سرمایہ واپس لانے کی کوئی حامی نہیں بھری۔ مقام افسوس

[illegible] دنیا کے کسی دیگر ملک کے سیاستدان ایسا نہیں کرتے۔

[illegible] پاکستان میں [illegible] ہے۔ دنیا کے کسی دیگر ملک کے سیاستدان ایسا نہیں کرتے۔

[illegible] کالم "دروغ برگردن راوی" کے ساتھ [illegible] پر انصار عباسی کا کالم "دروغ برگردن راوی" کے ساتھ

[illegible] لکھتے ہیں "سیاست کے لئے پاکستان" اگزشتہ دنوں [illegible]

[illegible] مسلم لیگ ن کے قائد نواز شریف نے قومی

[illegible] وزیر اعظم اور [illegible] کے مطابق [illegible]

[illegible] 123 [illegible] کے کاغذات نامزدگی میں ظاہر کیا ہے کہ ان سے بینک

[illegible] ہیں اور انہوں نے 2004ء سے 2006ء تک کوئی انکم ٹیکس

[illegible] گوشوارے دیئے گئے ہیں ان کے مطابق انہوں نے

[illegible] 135 [illegible]

[illegible] جس میں [illegible]

[illegible] 6 لاکھ 40 ہزار 965 روپے زرعی اراضی بھی ہے [illegible] ثابت

مالیت ایک کروڑ 85 لاکھ 37 ہزار ایک سو [illegible] کاغذات نامزدگی [illegible]

شریف کے پاس 8 لاکھ 96 ہزار 425 روپے [illegible] 225 روپے [illegible]

میں موجود ہیں۔ کاغذات نامزدگی میں یہ بھی [illegible] نواز شریف نے اپنی اہلیہ سے 16

لاکھ، صاحبزادی مریم سے 22 لاکھ، صاحبزادے حسین نواز سے 21 لاکھ اور [illegible] شریف

سے 25 لاکھ روپے قرض لے رکھا ہے۔

قومی احتساب بیورو کی تحقیقات کے ریکارڈ میں موجود صدر آصف علی زرداری اور ان کی

مرحومہ زوجہ اور سابق وزیر اعظم بے نظیر بھٹو کے انکم ٹیکس گوشوارے برائے سال 1993-94ء

سے 1996-97ء بھی قابل غور ہیں۔ ان گوشواروں کے مطابق صدر آصف علی زرداری نے

1992-93ء میں صرف 120,318 روپے کل آمدنی ظاہر کی اور صرف 2,621 روپے انکم

ٹیکس ادا کیا۔ اس سال بے نظیر بھٹو صاحبہ نے اپنی کل آمدنی محض 55,806 روپے ظاہر کی اور

صرف 1,216 روپے ٹیکس ادا کیا۔ سال 1993-94ء میں زرداری صاحب کی 142,947

روپے آمدنی تھی جس پر انہوں نے 3,142 روپے ٹیکس ادا کیا۔ اسی سال بے نظیر بھٹو صاحبہ نے

1,038,982 روپے اپنی آمدنی بتائی اور 14,842 روپے ٹیکس ادا کیا۔ سال 1994-95ء

میں صدر زرداری کی سالانہ کل آمدنی 303,163 روپے تھی جس پر انہوں نے 6,492 روپے

حکومت کو ٹیکس ادا کیا۔ سال 1995-96ء میں صدر زرداری نے اپنی کل آمدنی 417,212

روپے ظاہر کی۔ جس پر انہوں نے حکومت پاکستان کو 8,452 روپے ٹیکس کے طور پر ادا کیا۔ سال

1996-97ء میں صدر زرداری نے کل آمدنی 495,044 روپے ظاہر کی۔ جس پر انہوں نے

حامد
اردو فلینز
کیلئے

9,191 روپے ٹیکس ادا کیے۔ اس سال بے نظیر بھٹو صاحبہ نے اپنی کل آمدنی 439,062 روپے ظاہر کی اور 8,152 روپے حکومت پاکستان کو انکم ٹیکس کی مد میں ادا کیے۔ نیب کے ریکارڈ کے مطابق اپنے کل اثاثہ جات کے متعلق صدر زرداری نے 1993-94ء میں ان کی مالیت 3,892,418 روپے دکھائی جبکہ اسی سال محترمہ بے نظیر بھٹو نے 4,570,738 روپے کل اثاثہ جات دکھائے۔ 1994-95ء صدر زرداری نے 12,175,771 روپے اور بے نظیر صاحبہ نے 14,248,194 روپے کے کل اثاثہ جات ظاہر کیے۔ 1995-96ء میں صدر زرداری کے کل اثاثہ جات کی مالیت 10,830,565 روپے اور بے نظیر بھٹو کی 16,525,660 روپے دکھائی گئی جبکہ 1996-97ء میں بڑھ کر صدر زرداری کے اثاثہ جات 12,765,705 روپے تک پہنچ گئے اور بے نظیر بھٹو صاحبہ کے کل اثاثہ جات 18,736,892 روپے۔ یاد رہے کہ ان اثاثوں میں صدر زرداری اور بے نظیر بھٹو صاحبہ کے ملک کے اندر اور ملک سے باہر تمام پیسہ اور جائیداد شامل کی گئی تھیں۔ ان تفصیلات کے مطابق صدر زرداری اور محترمہ بے نظیر بھٹو کے پاس 1996-97ء میں کل تین کروڑ اور تقریباً 14 لاکھ مالیت کے اثاثے تھے۔

آج ہمیں یہ معلوم نہیں کہ 2009ء میں جمع کرائے گئے اپنے ٹیکس گوشواروں میں جناب صدر آصف علی زرداری اور محترم نواز شریف صاحب نے حکومت پاکستان کو کتنا کتنا ٹیکس ادا کیا اور اپنے کل اثاثوں کی کتنی مالیت ظاہر کی۔ بتایا جاتا ہے صدر زرداری اور میاں نواز شریف کا شمار امیر ترین پاکستانیوں میں ہوتا ہے اور ان کے اثاثوں کی موجودہ مالیت بلاشبہ اربوں میں ہے۔ ایک طرف صدر زرداری کے اثاثوں کا بڑا حصہ اس ملک سے باہر ہے جس کے وہ اعلیٰ ترین حکمران ہیں۔ دوسری طرف میاں نواز شریف صاحب کے اثاثوں کا بھی ایک خاطر خواہ حصہ ملک سے باہر ہے۔ میاں صاحب کے دونوں بیٹے حسین نواز اور حسن نواز نے پاکستان سے پیسہ لے جا کر سعودی عرب اور [illegible]۔ صدر زرداری کے تینوں بچے بھی ملک سے باہر ہیں۔ ایک دفعہ

ہیں اور وہ برطانیہ میں زیر تعلیم ہیں۔

اطلاعات کے مطابق پاکستانی سیاست کا ایک اہم مہرہ چوہدری شجاعت حسین اور ان کے چچازاد چوہدری پرویز الٰہی نے بھی حالیہ سالوں میں لندن میں [illegible] ہیں۔ چوہدری برادران کے سیاسی آقا اور محسن سابق جنرل (ر) مشرف بھی ایک متوسط Lower middle class خاندان سے تعلق رکھتے ہیں [illegible] مہنگے ترین علاقے میں فلیٹ خرید لیا اور ایک [illegible] Food chain میں پیسہ لگایا۔ مشرف کی طرح ان کے بچے [illegible] بھی اپنی [illegible] کے ساتھ برطانیہ میں مکمل سکونت اختیار کئے ہوئے ہیں۔ ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین پچھلے کئی سالوں سے برطانیہ میں قیام پذیر ہیں۔ نہیں معلوم ان کی ذات کی جانب سے پاکستان کو کتنا ٹیکس ادا کیا گیا اور انہوں نے یہاں کتنی سرمایہ کاری کی۔ اگرچہ الطاف حسین کا شمار [illegible] سیاستدانوں میں نہیں ہوتا مگر اسلام آباد میں ایک حکومتی وزیر کا حوالہ دیتے ہوئے ایک اخبار نے بتایا کہ الطاف حسین نے لندن میں اپنے ایک خاندانی جھگڑے کے معاملات کے تصفیے کے لئے 15 لاکھ برطانوی پاؤنڈ ادا کئے۔ اگر یہ اطلاعات غلط اور بے بنیاد ہیں تو امید کی جاتی ہے کہ ایم کیو ایم اس صورتحال کی وضاحت کرے گی۔

اب جبکہ ملک کے بڑے بڑے سیاست دان برائے نام ٹیکس دیں اور اپنے سرمائے اور کاروبار کے لیے پاکستان پر اعتماد نہ کریں اور اس سلسلے میں غیر ممالک کا انتخاب کریں تو پھر عام پاکستانی ٹیکس کیوں دے اور بیرون ملک سے کوئی سرمایہ دار پاکستان کیونکر آئے گا۔ صدر زرداری بیرونی سرمایہ کاری کے لئے اکثر بیانات دیتے رہتے ہیں اور میاں نواز شریف امریکی اور بیرونی قرضوں کے خلاف قوم کو اٹھ کھڑا ہونے کا درس دے رہے ہیں مگر سوال یہ ہے کہ کیا یہ دونوں لیڈر اور دوسرے سیاستدان اپنا سرمایہ پاکستان کے اندر لائیں گے۔ کیا وہ اپنے بچوں سے کہیں گے۔

اردو فینز کیلئے

ملک کے اندر سرمایہ کاری کریں اور اپنی حیثیت کے مطابق پاکستان کو ٹیکس دیں۔ اگر ایسا نہیں تو پاکستانی اور ٹیکس دہندگان کیا یہ سوچنے پر برحق بجانب ہوں گے کہ وہ کیوں ٹیکس ادا کریں یہاں کاروبار کے لئے سرمایہ کاری کریں۔ اگر پاکستان کی فضا ایک عام کاروباری اور سرمایہ دار کے لئے مناسب نہیں تو سیاستدان اور حکمران اس کو بہتر بنانے میں کیسے مخلص ہو سکتے ہیں۔ جو اپنے سرمائے اور کاروبار کیلئے دوسرے ممالک کو محفوظ سمجھتے ہوں۔ یہاں تو ہمارا ماضی اور حال یہ بتاتا ہے کہ ہمارے حکمران اور سیاستدان غریب عوام کے خون پسینے کی کمائی سے دیئے گئے ٹیکسوں کو نہ صرف بیرونی دوروں اور اپنی عیاشیوں پر خرچ کرتے ہیں بلکہ قوم کی دولت سے اربوں کروڑوں کی لوٹ کھسوٹ میں لگے رہے اور بغیر کسی ڈر و خوف کے ملوث ہوتے ہیں۔ ہم عوام کے ساتھ مخلص ہونے کا دعوٰی کرنے والے سیاستدانوں کو اپنے قول و فعل کا تضاد ختم کرنا ہوگا اور ان کو پاکستان کو پاکستان سمجھنا ہوگا۔ خدارا ہمیں محض نعرے مت دو۔

اس مرحلے پر ہماری خصوصاً میاں صاحب سے، چوہدری صاحبان سے، زرداری صاحب سے یہ درخواست ہے کہ وہ غیر ممالک میں موجود اپنے سرمائے کا کم از کم نصف پاکستان لے آئیں۔ انشاءاللہ یہ ملک قائم و دائم رہے گا اور آپ کی بادشاہتیں بھی وقفے وقفے سے چلتی رہیں گی۔

(دسمبر 2009)

القاعدہ نہیں، سونے کے ذخائر

چند روز قبل امریکی اخبار "واشنگٹن پوسٹ" نے اپنے نمائندے کے حوالے سے ایک رپورٹ شائع کی ہے کہ طالبان نے بلوچستان میں ملا عمر کی سربراہی میں "طالبان کوئٹہ شوریٰ" بنالی ہے جو افغانستان میں ہونے والی دہشت گردی کی حالیہ تمام کارروائیوں کی منصوبہ ساز اور خالق ہے۔ جس کی وجہ سے امریکی حکام بلوچستان پر ڈرون حملوں کے بارے میں سنجیدگی سے سوچ رہے ہیں۔ مذکورہ اخبار نے واضح طور پر لکھا کہ امریکہ بلوچستان کو اپنا ٹارگٹ بنا سکتا ہے۔ اس کے بعد ملک بھر میں بلوچستان پر ڈرون حملوں کے امکانات کے حوالے سے اخبارات میں بیان بازی اور مکالموں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

یہ پہلا موقع نہیں ہے جب مغربی ذرائع ابلاغ نے ملا عمر کی کوئٹہ یا بلوچستان میں موجودگی پرمبنی خبریں شائع کی ہوں، تاہم ماضی میں امریکی حکومت نے اس طرح کے پروپیگنڈے پر کبھی کسی خاص ردعمل کا اظہار نہیں کیا۔ لیکن اب امریکی حکام کی طرف سے آنے والے بیانات صورت حال کی سنگینی کا پتہ دیتے ہیں۔ جن میں یہاں تک کہہ دیا گیا ہے کہ "طالبان اور القاعدہ نے بلوچستان میں محفوظ پناہ گاہیں بنالی ہیں جن کے خلاف کارروائی کے لئے سنجیدگی سے غور کیا جا رہا

حامد
اردو فینز کیلئے

[illegible] اس نے اپنے لئے ”کوئٹہ“ تحریک طالبان بلوچستان
[illegible] 2009ء [illegible] 4 مارچ [illegible] بات آئی جب [illegible]
[illegible] کی اور اس سے [illegible]
[illegible] بلوچستان میں طالبان تحریک [illegible]
[illegible] کو امریکہ سے [illegible] 14 مارچ [illegible] مغربی ذرائع ابلاغ نے اسے خوب اچھالا
رابرٹ گیٹس نے پریس کانفرنس کے دوران بلوچستان میں طالبان تحریک سے متعلق سوال کے
جواب میں کہا:

“WELL, I THINK WE ALL HAVE A CONCERN ABOUT THE (QUETTA SHURA) AND THE ACTIVITIES OF THE TALIBAN IN THAT AREA. BUT I THINK THIS IS PRINCIPALLY A PROBLEM AND A CHALLENGE FOR THE PAKISTANIS TO TAKE ON AND AS WE HAVE INDICATED, WE ARE PREPARED TO DO ANYTHING TO HELP THEM”

اس پریس کانفرنس کے ذریعے دو چیزیں سامنے آئیں۔ ایک تو یہ کہ بلوچستان میں جو بھی [illegible] پاکستان [illegible] گا۔ یعنی امریکہ نے بلوچستان پر ازخود حملوں سے واضح طور پر [illegible] رابرٹ گیٹس نے ”تحریک طالبان بلوچستان“ کو ”کوئٹہ (بلوچستان) شوریٰ“ [illegible] مقصد کے لئے کیا گیا تھا۔ تاہم بلوچستان سے طالبان کی [illegible] اس نے اپنے لئے یہی نام پسند کر لیا۔ خیر رابرٹ گیٹس کی پریس کانفرنس [illegible] 17 مارچ کو جلی سرخی کے ساتھ تفصیلی خبر شائع کی [illegible] بلوچستان [illegible] منصوبہ بندی کر رہا ہے۔ اگر یہ خبر [illegible] پاکستانی عوام کا انتہائی ردعمل

[illegible] تھا۔ (اب اس طرح کا [illegible] اس [illegible] ہے) حکومت [illegible] نے پارلیمنٹ [illegible] بلوچستان میں [illegible] آنے والی [illegible] کے خلاف [illegible] بلوچستان کی [illegible] اسمبلی نے قرارداد منظور کی [illegible] بلوچستان میں [illegible] گا۔ بہرحال امریکی وزارت خارجہ نے پارلیمنٹ [illegible] واضح کیا کہ امریکہ بلوچستان میں [illegible] اور بلوچستان اسمبلی کے تحفظات دور کرنے کے لئے اسلام آباد میں تعینات خاتون امریکی سفیر ANNE PATTERSON فوری طور پر کوئٹہ پہنچی۔ وہاں اس نے بلوچستان کے وزیر اعلیٰ نواب اسلم رئیسانی سے ملاقات کی۔ بعدازاں امریکی سفارت خانے سے ایک پریس ریلیز جاری کیا گیا کہ ”مذکورہ ملاقات UNHCO کے کوئٹہ میں نمائندے جان سولیکی کی رہائی کے حوالے سے تھی اور اس ملاقات کا ”طالبان قیادت“ کی بلوچستان میں موجودگی سے کوئی تعلق نہیں تھا۔“

یہاں جان سولیکی کے کوئٹہ سے اغوا کا ذکر کرتا چلوں جس کی 2 فروری 2009ء کو دن دیہاڑے اغوا سے لے کر 65 دن بعد رہائی تک کی پراسرار کہانی کسی بھی طرح داستان طلسم ہوشربا سے کم نہیں۔ اندازہ لگایئے پروپیگنڈہ طالبان کے امیر ملا عمر کی کوئٹہ میں موجودگی اور کوئٹہ شوریٰ کا تھا۔ لیکن امریکی شہریت رکھنے والے کٹر یہودی جان سولیکی کا اغوا علیحدگی پسند بلوچوں کے حصہ میں آیا۔ جو اس کے بدلے 41 بلوچ خواتین کی رہائی کا مطالبہ کرتے رہے اور اس مضحکہ خیز مطالبے کو پورا نہ ہونے پر یرغمالی کو قتل کی دھمکیاں دی جاتی رہیں اور مدت مطالبہ میں اضافہ بھی جاری رہا۔

آخرکار دو ماہ پانچ دن بعد جب جان سولیکی کی رہائی عمل میں آئی تو اس کی صحت دیکھ کر خود مغربی دانشور و تبصرہ نگار لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ ”لگتا ہے جان سولیکی بھی رخصت پر تھا“

حامد
اردو فینز کیلئے

[illegible] تحریک طالبان [illegible]
[illegible] 4 مارچ 2009ء [illegible]
[illegible] تحریک کی موجودگی اور اس [illegible]
[illegible] 14 مارچ کو امریکہ [illegible]
[illegible] بلوچستان میں طالبان تحریک سے متعلق [illegible]
[illegible]

"WELL, I THINK WE ALL HAVE A CONCERN ABOUT THE (QUETTA SHURA) AND THE ACTIVITIES OF THE TALIBAN IN THAT AREA. BUT I THINK THIS IS PRINCIPALLY A PROBLEM AND A CHALLENGE FOR THE PAKISTANIS TO TAKE ON AND AS WE HAVE INDICATEC. WE ARE PREPARED TO DO ANYTHING TO HELP THEM"

[illegible] دو چیزیں سامنے آئیں۔ ایک تو یہ کہ بلوچستان میں [illegible] امریکہ نے بلوچستان پر از خود حملوں سے واضح [illegible] "کوئٹہ (بلوچستان) شوریٰ" [illegible] تاہم بلوچستان کے طالبان [illegible] رابرٹ گیٹس کی پریس [illegible] 17 مارچ [illegible] کے ساتھ تفصیلی [illegible] بندی کر رہا ہے۔ [illegible]

[illegible] تھی۔ (اب اس طرح [illegible]) صوبائی [illegible] بعد آنے والی جمہوریت [illegible] صوبائی اسمبلی نے قرارداد منظور کرنی [illegible] جائے گا۔ بہرحال امریکی وزارت خارجہ نے [illegible] واضح کیا کہ امریکہ بلوچستان میں ڈرون حملے [illegible] تحفظات دور کرنے کے لئے اسلام آباد میں تعینات خاتون امریکی سفیر ANNE PATTERSON فوری طور پر کوئٹہ پہنچیں۔ وہاں اس نے بلوچستان کے وزیر اعلیٰ نواب اسلم رئیسانی سے ملاقات کی۔ بعدازاں امریکی سفارت خانے سے ایک بیان جاری کیا گیا۔ "مذکورہ ملاقات UNHCO کے کوئٹہ میں نمائندے جان سولیکی کی رہائی کے حوالے سے تھی اور اس ملاقات کا "طالبان قیادت" کی بلوچستان میں موجودگی سے کوئی تعلق نہیں تھا۔"

یہاں جان سولیکی کے کوئٹہ سے اغوا کا ذکر کرتا چلوں جس کی 2 فروری 2009ء کو دن دیہاڑے اغوا سے لے کر 65 دن بعد رہائی تک کی پراسرار کہانی کسی بھی طرح داستان طلسم ہوشربا سے کم نہیں۔ اندازہ لگائیے پروپیگنڈہ طالبان کے امیر ملا عمر کی کوئٹہ میں موجودگی اور کوئٹہ شوریٰ کا تھا۔ لیکن امریکی شہریت رکھنے والے یہودی جان سولیکی کا اغوا علیحدگی پسند بلوچوں کے حصے میں آیا۔ جو اس کے بدلے 41 بلوچ خواتین کی رہائی کا مطالبہ کرتے رہے اور اس مضحکہ خیز مطالبے کو پورا نہ ہونے پر یرغمالی کو قتل کی دھمکیاں دی جاتی رہیں اور مدت مطالبہ میں اضافہ بھی جاری رہا۔

آخرکار دو ماہ پانچ دن بعد جب جان سولیکی کی رہائی عمل میں آئی تو اس کی صحت دیکھ کر خود مغربی دانشور، تجزیہ نگار کہنے پر مجبور ہو گئے کہ "لگتا ہے جان سولیکی بھی رخصت پر تھا"

حامد
اردو فینز
کیلئے

واپس آتے ہیں موجودہ صورت حال کی طرف، کیا واقعی بلوچستان میں طالبان یا کوئی شورش نامی کوئی تنظیم موجود ہے یا سب کچھ فریب، جھوٹ اور ڈھکوسلے پر مبنی ہے؟ اور کیا واقعی امریکہ بلوچستان میں ڈرون حملوں کی تیاری کر رہا ہے؟ اس حوالے سے "ایشیا ٹائمز" نے اپنی رپورٹ میں دعویٰ کیا ہے کہ مسئلہ بلوچستان میں القاعدہ قیادت یا طالبان کی موجودگی کا نہیں بلکہ سارا معاملہ امریکی معیشت کی بحالی کا ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ امریکی معیشت کا دار و مدار جدید ٹیکنالوجی کی حامل عسکری صنعت اور اسلحہ سازی پر ہے۔ جس کے ساتھ دیگر بہت سے کاروبار وابستہ ہیں۔ ایک طرف عالمی کساد بازاری اور دوسرے عراق میں جنگ بندی کے بعد امریکی فوج کے انخلاء نے امریکہ کی دفاعی پیداواری صنعت کو مزید پستی میں دھکیل دیا ہے۔ جس کے بعد اوباما انتظامیہ دباؤ میں ہے کہ وہ گرتی ہوئی دفاعی صنعت کو سہارا دے اور جنگ کے لئے نیا میدان تلاش کرے۔ ورنہ جنگ و جدل سے منسلک لاکھوں امریکیوں کی نہ صرف روزی بند ہو جائے گی ساتھ ہی جدید ٹیکنالوجی پر پیش رفت کو بھی دھچکا لگے گا۔ "ایشیا ٹائمز" کے مطابق پینٹاگون نے دو سال قبل "سان ڈیگو" میں واقع بغیر پائلٹ طیارے بنانے والے ادارے "جنرل اٹامک کمپنی" کو ایسے ڈرون بنانے کا آرڈر دیا تھا جو زیادہ طویل عرصے تک فضا میں پرواز کر سکے۔ اس میں نصب کیمروں کی کوالٹی پہلے سے بہتر ہو اور یہ ڈرون طیارے زیادہ تعداد اور وزن کے بم و میزائل اٹھانے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ ایک طرف تو اس پروجیکٹ کو منافع بخش سمجھتے ہوئے بڑے بڑے امریکی کنسورشیم نے اس میں بھاری سرمایہ کاری کر دی، دوسری طرف عراق سے فوجی انخلاء کے بعد وہاں ڈرون طیاروں کی پروازوں کا سلسلہ جو کہ 16 سے 20 گھنٹے یومیہ پر محیط تھا وہ بند ہوا تو ساتھ ہی امریکہ میں [illegible] سے ان پروازوں کو کنٹرول کرنے کا دورانیہ بھی نصف ہو گیا۔ اسی طرح [illegible] افغانستان [illegible] پاکستان میں پروازوں کے دوران ہر ماہ 16 ہزار گھنٹوں [illegible] ہوتی تھی۔ [illegible] سے فوجوں کی واپسی کا اعلان ہوتے ہی پینٹاگون نے

ڈرون طیاروں کی خریداری کے نئے آرڈر گھٹا کر آدھے کر دیئے۔ جس پر کنسورشیم سے منسلک امریکی سرمایہ کاروں نے شدید ردعمل کا اظہار کیا اور ساتھ ہی تجویز پیش کر دی کہ پاکستان میں ڈرون آپریشنز بڑھائے جائیں۔ امریکی بااثر سرمایہ کاروں کے دباؤ میں آ کر امریکی کانگریس کی دفاعی کمیٹی نے بھی اس تجویز سے اتفاق کیا کہ پاکستان میں ڈرون حملوں کا دائرہ بڑھایا جائے۔ "ایشیا ٹائمز" کے مطابق اگر صدر اوباما بلوچستان میں ڈرون حملوں کی اجازت دے دیتے ہیں تو اس طرح ایک تو ڈرون طیاروں سے منسلک صنعت کو سہارا مل جائے گا، دوسرا امریکہ کو جدید ٹیکنالوجی کی آزمائش کا موقع ملے گا۔ کیونکہ بلوچستان میں مسافت زیادہ ہونے کی وجہ سے طیاروں کی پرواز کا دورانیہ بڑھ جائے گا اور صوبہ سرحد میں مٹی کے اینٹوں سے تیار شدہ گھروں کی نسبت کوئٹہ میں ان طیاروں کو پختہ گھروں اور سنگلاخ چٹانوں کا سامنا ہوگا۔ جن کے لئے زیادہ وزن اور طاقت کے بم یا گائیڈڈ میزائل اٹھانے والے ڈرون درکار ہوں گے۔ بہرحال مندرجہ بالا نقطہ نظر "ایشیا ٹائمز" کا ہے، تاہم بعض عالمی مبصرین امریکہ کی بلوچستان میں بڑھتی ہوئی دلچسپی کا اصل سبب گوادر کی بندرگاہ اور ضلع دالبندین و نوشکی (چاغی) میں پائے جانے والے سونے کے ذخائر کو قرار دیتے ہیں۔

قارئین کو یاد ہوگا صوبہ بلوچستان میں غربت و پسماندگی کے نام پر حالیہ شورش کی ابتدا 2002ء میں اس وقت ہوئی۔ جب ایک معاہدے کے تحت چین نے گوادر کے ساحل پر بندرگاہ کی تعمیر کا آغاز کیا، کیونکہ قدرتی گہرے سمندر کے ساحل پر بندرگاہ کی تعمیر ہمارے کسی ہمسائے کو قبول نہیں تھی۔ جبکہ بہت سے ملکوں کے لئے شہ رگ کی حیثیت رکھنے والے گوادر کے ساحلوں تک پہنچنے کی کوشش میں سوویت یونین جیسا طاقتور ملک خواب کی طرح بکھر گیا۔ گوادر بندرگاہ کی تعمیر پر بھارت سب سے زیادہ ناخوش تھا۔ بھارتی ایماء پر چند قوم پرست سرداروں نے مخالفت کا وہ انداز اور موقف اپنایا جو کالا باغ ڈیم کی تعمیر کے خلاف چند معروف وڈیروں نے اختیار کیا تھا اور آخرکار

اردو فینز کیلئے

پاکستانی زراعت و معیشت کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھنے والے اس اہم منصوبے اور [illegible] نے ڈالنے میں ناکام ہو گئے۔ جبکہ تمام تر مخالفتوں، رکاوٹوں کے باوجود بندرگاہ کی تعمیر مقررہ وقت سے بھی پہلے مکمل ہو گئی۔ گوادر کے لئے چین کو اپنے بہت سے شہریوں، انجینئروں کی جانوں کی قربانی دینی پڑی۔ بھارت کی طرف سے ہمسایوں کے اندرونی معاملات میں مداخلت کوئی نئی بات نہیں۔ 28 مئی 2008ء کو بھارتی لوک سبھا (پارلیمنٹ) سے طویل بحث مباحثے کے بعد ایک قرارداد منظور کرائی گئی جس میں گوادر بندرگاہ کو بھارتی سلامتی کے لئے خطرناک قرار دیتے ہوئے اس کے تدارک کا فیصلہ کیا گیا۔

یہ تدارک مختلف طرح کے حملوں کی صورت میں تھا۔ مثلاً بلوچستان میں مسلح مداخلت، آبادکاروں کا قتل، علیحدگی پسندوں کی طرف سے اہم سرکاری و دفاعی تنصیبات پر حملے، صوبہ سرحد قبائلی علاقوں میں دہشت گردوں کی عسکری و مالی امداد اور پاکستان کے طول و عرض میں دھماکوں، خودکش حملوں کو فروغ دیا گیا۔ بھارتی سازشیں اپنی جگہ، امریکہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ چین کی معاشی و دفاعی "لائف لائن" گوادر تک دراز ہو سکے۔

اب آئیے سونے کے ذخائر کی طرف۔ بلوچستان میں ریکوڈک ضلع چاغی کا پسماندہ ترین علاقہ ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق دنیا کے دوسرے بڑے ذخائر پاکستان کے ان دور دراز اور پسماندہ ترین علاقوں میں موجود ہیں جہاں سے سونا نکالنے کا کام 2006ء سے جاری ہے۔ سونا نکالنے کا ٹھیکہ ابتدا میں [illegible] کمپنی [illegible] کو دیا گیا تھا جس نے کچھ عرصہ بعد "ریکوڈک پراجیکٹ" کے نام سے سونے کی کانیں آسٹریلیا کی کمپنی "ٹیتھیان کاپر" اور چلی کی کمپنی [illegible] کو دے دیں (یہ دونوں کمپنیاں امریکہ میں رجسٹرڈ ہیں) جبکہ اکثریتی [illegible] حصص [illegible] کمپنی کے سربراہ "جورج [illegible]" نے اپنے پاس رکھے۔ دنیا [illegible] کا انکشاف اس وقت ہوا، جب 11 مئی

2006ء کو امریکی اخبار "واشنگٹن پوسٹ" نے "[illegible]" [illegible] پریس کانفرنس شائع کی۔ [illegible] تانبے کے ذخائر پاکستان میں موجود ہیں [illegible] اس کے باوجود کہ پاکستان سے ان علاقوں [illegible] نظر انداز کیا جاتا ہے۔

بعد ازاں منظر عام پر آنے والی رپورٹس سے ظاہر ہوا [illegible] آمد کے باوجود ان کے مقامی دیہاتی آبادی سے جھگڑے شروع ہو گئے۔ جھگڑے [illegible] امریکی مالکوں نے پروجیکٹ پر کام کرنے والے مقامی افراد [illegible] جھگڑا بڑھا تو ان آبادیوں کو باقاعدہ طالبان کی پناہ گاہیں قرار دے دیا گیا۔ اس پر بھی چونکہ غریب لوگ اپنے حق سے دستبردار نہیں ہوئے تو پروجیکٹ پر کام کرنے والے امریکیوں نے اپنی سیکورٹی کے لئے "بلیک واٹر" (XE) سے معاہدہ کر لیا۔ جس کے فوراً بعد بلیک واٹر کے مسلح دستوں نے ریکوڈک کی پہنچ کر سونا نکالنے کے پروجیکٹ کو اپنے حصار میں لے لیا۔ یہ بلیک واٹر سیکورٹی کے مسلح افراد کی پاکستان میں براہ راست پہلی آمد تھی۔ ان مسلح افراد نے پروجیکٹ کے گرد خاردار تاریں بچھا کر اس کے اندر "ہیلی پیڈ" اور چھوٹے طیاروں کی "لینڈنگ" اور "ٹیک آف" کے لئے "موبائل رن وے" بھی تعمیر کر لیا (گویا بلیک واٹر سیکورٹی کے مسلح افراد، سونے کی کانوں پر کام کرنے والے دیگر غیر ملکی حکومت پاکستان کی اجازت سے آتے جاتے ہیں) یہ قریب ہی واقع سرحد کے پار افغانستان میں موجود فوجی اڈوں سے براہ راست ان کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اس کا علم ہماری وزارت داخلہ، خارجہ [illegible] بلوچستان گورنمنٹ اتھارٹی اس کے بارے میں بہتر جانتی ہوگی۔ جس نے غیر ملکی کمپنیوں کو سونا نکالنے کی اجازت دی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ رقبے کے لحاظ سے پاکستان کا سب سے بڑا صوبہ بلوچستان دوہرے مسائل کا شکار ہو چکا ہے۔ جبکہ تلخ حقیقت یہ ہے کہ دونوں مسائل خود ساختہ اور ان کے

اردو فیئز
کیلئے

ہیں۔ پہلا مسئلہ بلوچ عوام کی پسماندگی اور معاشی محرومیوں کا ہے جن
[illegible]۔ لیکن یہ بھی سچ ہے کہ بلوچستان کے چند بڑے قبائل ہیں ان
[illegible] رہے ہیں۔ خوشحالی ان کے گھر کی
[illegible] 1947ء سے ہی اقتدار [illegible] طرح ان میں تحلیل ہو جاتی ہے۔ صحت ہو یا تعلیم ہو
[illegible] ان کے برعکس غریب کا مقدر اس کے پیدا
[illegible] بیماری، جہالت، لاچاری، افلاس و پسماندگی نسل در نسل ان کا پیچھا
ہوتے ہی پھوٹ جاتا ہے۔ [illegible]
کرتی ہے۔ صرف بلوچستان ہی نہیں دیگر صوبوں کا بھی یہی عالم ہے جہاں کا حکمران طبقہ خود تو
[illegible] ملک کے اعلیٰ تعلیمی اداروں سے ڈگریاں حاصل کرتا ہے اور اپنے دائرہ اختیار میں آباد
غریبوں [illegible] انسانی ضروریات کی سہولتیں دینے کو بھی تیار نہیں ہوتا اور چاہتا ہے کہ غریب کولہو کے
[illegible] طرح اس تک پہنچ نہ پائے۔ بہرحال یہ سلسلہ شاید اس طرح چلتا رہے گا۔ بلوچستان میں
[illegible] والی تشدد کی لہر کو غریب بلوچ عوام کی طرف سے محرومیوں کا ردعمل قرار دے کر بڑے
بڑے سردار اقتدار کے ایوانوں سے مستفید ہوتے رہیں گے۔ رہ گئی کوئٹہ شوریٰ یا بلوچستان میں
[illegible] قوت کی موجودگی کا معاملہ تو یہ پاکستان کو کیری لوگر بل پر راضی کرنے اور بلیک
واٹر (XE) کی موجودگی برداشت کرانے کے لئے دباؤ کا ہتھکنڈہ ہے۔ امریکہ جو خود افغانستان
میں اپنی [illegible] جدید جنگی مشینری اور نیٹو افواج کی معاونت کے باوجود شکست سے دوچار ہے،
[illegible] افغانستان کا [illegible] فیصد علاقہ طالبان کے قبضے و کنٹرول میں ہے تو پھر
[illegible] قوت بھی افغانستان میں موجود ہونا چاہیے۔ ہمیں عالمی رائے عامہ کو بتانا
[illegible] جنگ کے دوران طالبان کو افغانستان سے باہر نکل کر روپوش
[illegible] تین لاکھ فوج برسرپیکار تھی اور وہ خطے کو اچھی طرح
[illegible] افغانستان ان کا [illegible] تھا۔ وہ طالبان سات سمندر پار سے

[illegible] امریکیوں سے [illegible] (جن کی تعداد [illegible] سے زیادہ ہے [illegible]
پہاڑی پیچ و خم سے واقف نہیں) [illegible] ہمیں [illegible] امریکی مداخلت
کے خلاف آواز بلند کرنی چاہیے لیکن اس کے لئے [illegible] امریکی جیسی نیت
[illegible] قوم کی طرح [illegible] کرنا ہوگا۔

(2009ء)

30 ارب کے نئے ٹیکس

ملک میں بجلی، گیس اور پانی کے بحرانوں کے بعد اب کھانے پینے کی اشیاء کے بحرانوں نے بھی شدت اختیار کر لی ہے۔ گزشتہ کئی روز سے چینی کی قیمتوں میں اضافے کے بعد عوام نے احتجاج شروع کر دیا تھا۔ میڈیا میں آنے کے بعد سپریم کورٹ آف پاکستان نے معاملے کا نوٹس لیتے ہوئے ملک بھر میں چینی 40 روپے کلو فروخت کرنے کا حکم جاری کر دیا تھا۔ بعد ازاں مل مالکان اور حکومت کے درمیان معاہدہ بھی ہوا جو سپریم کورٹ میں پیش کیا گیا۔ معاہدے میں کہا گیا تھا کہ حکومت اور شوگر ملز مل کر چینی کی 40 روپے کلو فروخت کو یقینی بنائیں گے۔ پھر صوبائی حکومتوں نے باقاعدہ نوٹیفیکیشن بھی جاری کر دیے، مگر چینی 40 روپے کلو تو کیا فروخت ہوتی، مارکیٹ سے ہی غائب ہو گئی۔ اس سے قبل مارکیٹ میں چینی 48 تا 55 روپے عام دستیاب تھی اور اب اگر کہیں مل بھی جائے تو 80 تا 100 روپے ملتی ہے۔ بعض علاقوں میں تو چینی سرے سے ہے ہی نہیں۔ اس صورت میں وفاقی حکومت نے 10 لاکھ ٹن چینی درآمد کرنے کا اعلان کیا ہے جبکہ سپریم کورٹ آف پاکستان کے حکم سے پہلے صوبہ سندھ کی 31 شوگر ملوں نے 2008-09ء میں 9 لاکھ 80 ہزار ٹن چینی تیار کی تھی اور موجودہ سیزن تک شوگر ملوں کے پاس 32 ہزار 166

میٹرک ٹن چینی موجود تھی مگر سپریم کورٹ کے فیصلے کے بعد اچانک غائب ہو گئی اور بحران پیدا ہو گیا جو اب تک جاری ہے۔ علاوہ ازیں شوگر ملز مالکان نے بھی چینی کا بحران پیدا کیا تھا اور اس وقت بھی چینی کی قیمت پر سیاستدانوں کی اجارہ داری قائم ہو گئی تھی اور وزراء اور پارلیمان کے ارکان نے شوگر ملوں سے … ہوتے ہوئے چینی کی قیمتیں بڑھانے کے لیے چینی کا ذخیرہ شروع کیا تھا۔ پھر معاملہ … چینی کے بحران میں سیاستدان ملوث ہیں اور واقعی ان ملز مالکان کو حکومت نے تحفظ دیا اور … جب سے چینی بحران کی تحقیقات شروع ہیں تو حکومت نے تحقیقات … اب اس حکومت میں شامل کئی وزراء اور ارکان پارلیمان کی بھی شوگر ملیں ہیں تو کیا اب بھی چینی کے موجودہ بحران کے پس پشت ملز مالکان اور حکومت کے کارندوں کا ہی ہاتھ ہے۔ اس سوال کا جواب اس حقیقت سے مل سکتا ہے کہ شوگر ملز مالکان کا کہنا ہے کہ ہم نے چینی کا ذخیرہ نہیں کیا اور ڈیلروں کو 35 روپے کلو کے حساب سے چینی دے رہے ہیں۔ دوسری طرف ڈیلروں کا کہنا ہے کہ وہ دکانداروں کو 39 روپے فی کلو چینی فروخت کر رہے ہیں مگر دکاندار من مانے داموں فروخت کر رہے ہیں جبکہ دکانداروں کا کہنا ہے کہ ڈیلر چینی 55 روپے سے 60 روپے تک دے رہے ہیں۔ اس لیے ہم 75 روپے سے 80 روپے فروخت کر رہے ہیں۔ معاملے کا ایک اور رخ دیکھیں تو حکومت دکانداروں کو تو دور کی بات یوٹیلٹی سٹوروں پر چینی کی فراہمی میں ناکام ہو چکی ہے۔ جن یوٹیلٹی سٹوروں پر چینی تھوڑی بہت دستیاب ہے وہاں بھی یا تو دکانداروں کو فروخت کی جاتی ہے یا صبح سے شام تک لوگ لمبی قطاروں میں کھڑے ہو کر اپنی باری کا انتظار کرتے رہتے ہیں اور پھر جب ان کی باری آتی ہے تو یوٹیلٹی سٹور والے کہہ دیتے ہیں کہ چینی ختم ہو گئی پھر لوگ احتجاج پر مجبور ہو جاتے ہیں جس پر انہیں پولیس کی لاٹھیاں بھی کھانی پڑ رہی ہیں۔

وزیراعلیٰ سندھ سید قائم علی شاہ کے آبائی ضلع خیرپور میں بھی چینی کا بحران موجود ہے۔ چینی کی

[illegible] 80 روپے مقرر کی گئی ہے مگر ان قیمتوں پر احتساب نہیں۔
قیمت [illegible] 65 سے [illegible] خوردہ فروش دکاندار من مانی [illegible]
[illegible] میں [illegible] ہیں۔

[illegible] چینی 65 روپے سے 80 [illegible] کو بھی وصول کر رہے ہیں [illegible] 80 روپے فی کلو [illegible] کنٹرول کمیٹی [illegible] کوئی لینا نہیں [illegible] کی قیمتیں بھی آسمان سے باتیں کر رہی ہیں۔ [illegible] 15 روپے سے 20 روپے کا ہو گیا ہے جبکہ [illegible] قیمتیں بھی بڑھ گئی ہیں۔ کیک، بسکٹ، دیگر [illegible] کی قیمتوں میں بھی اضافہ ہو گیا ہے۔ اس وقت [illegible] 65 روپے فی کلو اور [illegible] 55 روپے [illegible] جس سے شہری سخت پریشان ہیں۔ خیر پور ضلع کے دوسرے [illegible] گمبٹ، [illegible] کوٹ ڈی جی، [illegible] رانی پور، [illegible] ٹھری میرواہ [illegible] فیض گنج، پاچو گنج، سیٹھارجہ، [illegible] ٹالپر وڈا، [illegible] اور اچھو [illegible] کی حدود میں چینی عوام کی پہنچ سے باہر ہو گئی ہے۔ [illegible] 80 سے 90 روپے [illegible] تشویش کی بات یہ ہے کہ حکومت اور ضلع [illegible] خاموش ہیں اور غریب عوام [illegible] پر مجبور ہو گئے ہیں کہ [illegible] گیس، بجلی، پانی، چینی اور آٹے [illegible] کہ اس وقت عوام [illegible] رہتے نہیں، کھانے [illegible] شہید بے نظیر بھٹو [illegible] اور اب صرف اپنی کرسی بچانے کے

[illegible]

[illegible] سے [illegible] کر اس سے قرض [illegible] وقت اس تاک میں رہتے ہیں کہ کس وقت ہم جیسے ممالک [illegible] پھر ہمیں اپنے چنگل میں پھنسا لیں۔ بے روزگاری، بھوک [illegible] عوام ان غیر ملکی آقاؤں کے [illegible] شکنجے میں [illegible] ہی ہے۔ ویسے بھی اس صورتحال میں جہاں [illegible] آوازیں سنی جاتی ہوں، وہاں [illegible] کر [illegible] عوام [illegible] کیا کر بھی سکتے ہیں؟ اب ان [illegible] مارے عوام کے لئے بجلی اور پٹرولیم مصنوعات کے نرخوں میں اضافے کی نوید [illegible] کہ ان کو رواں مالی سال میں پچیس سے تیس ارب روپے مالیت کے اضافی ٹیکس بھی ادا کرنے ہوں گے اور یہ فیصلہ چونکہ غیر ملکی آقاؤں کا ہے۔ اس لئے اب اس سے بچنے کا بھی کوئی راستہ نہیں ہے۔

جب کوئی حکومت بجٹ میں اپنے میزانیے پیش کر چکی ہو اور اس کے چند دن بعد اس پر نظر ثانی کرتے ہوئے اس میں ردوبدل کرے۔ بالخصوص ٹیکس کے اہداف بڑھائے جائیں تو اس کو عوامی زبان میں منی بجٹ کہا جاتا ہے۔ ویسے تو ہم جہاں رہتے ہیں وہاں ہر روز ہی منی بجٹ آتا ہے۔ کبھی پٹرولیم مصنوعات میں اضافے کی صورت میں اور کبھی گیس و بجلی کے نرخ میں اضافے کی صورت میں یا پھر کبھی روزمرہ اشیائے ضرورت کی قیمتوں میں یکدم اضافے کی صورت میں۔ کبھی

[illegible]

[illegible] ٹیکس چوری [illegible] پیش نہیں آئے گی مگر ٹیکس چوری میں ہمارے ادارے [illegible] ٹیکس افسران بھی ملوث ہوتے ہیں اس لیے اس کی روک تھام ممکن دکھائی نہیں دیتی ہے۔ اب تو حال یہ ہے [illegible] ایف بی آر [illegible] بچے ہوئے تھے۔ وہ بھی اپنی جان بخشی کرا کے [illegible] پر چلے گئے ہیں [illegible] جہاں میرٹ کو نظر انداز کیا جا رہا ہے اور تمام فیصلے غیر ملکی آقاؤں [illegible] کوئی افسر کیسے اپنے فرائض انجام دے سکتا ہے۔

عالمی مالیاتی اداروں کے [illegible] جانے والے ٹیکس [illegible] عام آدمی کو برداشت کرنا پڑے گا۔ [illegible] سال 2010ء سے ویلیو ایڈیڈ ٹیکس کا نفاذ براہ راست عوام پر بجلی بن کر گرایا جائے گا کیونکہ یہ ٹیکس جی ایس ٹی طرز کی طرح کا ٹیکس ہوگا جو تمام روزمرہ اشیائے صرف پر لگے گا۔ [illegible] اس ٹیکس کے نفاذ سے ملک میں جہاں مہنگائی کی شرح بڑھ جائے گی وہیں سیلز ٹیکس کی طرح اس میں بھی ٹیکس چوروں کو چوری کے لیے نئے راستے مل جائیں گے۔ ویلیو ایڈیڈ ٹیکس کے لیے ابھی شرح کو فائنل نہیں کیا گیا ہے تاہم توقع کی جا رہی ہے یہ ٹیکس کم از کم دس فیصد ہوگا۔ جس کے نفاذ کے بعد پاکستانی عوام کی پہلے سے جہنم زندگی میں نئے عذاب نازل ہوں گے اور وہ زندہ درگور ہو کر رہ جائیں گے۔

(جنوری 2010ء)

[illegible] 2010ء [illegible] ٹیکس [illegible] ایف بی آر [illegible]

بینک ڈکیتی اور FIA کا کردار

۱۱ [illegible] کو سپریم کورٹ نے ازخود نوٹس پر پنجاب بینک فراڈ کیس کی سماعت کرتے ہوئے چیف جسٹس آف پاکستان جناب جسٹس افتخار احمد چوہدری کی سربراہی میں تین رکنی بنچ نے ایف آئی اے کے [illegible] طارق کھوسہ [illegible] وزیر اعظم سید یوسف رضا گیلانی کے حکم پر تبدیلی [illegible] طارق کھوسہ کو تبدیل کر کے اچھے کام کی سزا دی [illegible] حکومت نے [illegible] عدالت عالیہ نے کہا کہ [illegible] نہیں کیا جائے۔

طارق کھوسہ [illegible] کا گناہ کیا تھا؟ صرف یہ [illegible] پنجاب بینک [illegible] قوم کا خون پینے اور ہڈیاں چبانے والے [illegible] سیاستدانوں سے [illegible] عدالت [illegible] پنجاب بینک سے 9 ارب روپے کا فراڈ کر کے فرار [illegible] دونوں سے [illegible] طارق کھوسہ انتہائی طاقتور

[illegible]

طارق کھوسہ ایک وزیر مملکت کی گرفتاری کی اجازت لینے جا رہے تھے [illegible] رہے تھے جس کی انکوائری میں 20 ارب روپے کی [illegible] تھی۔ وزیر اعظم [illegible] آخری [illegible] حقیقت ثابت ہوئی۔ ایف آئی اے [illegible] نے پاکستان سٹیل ملز [illegible] کے ثبوت حاصل کر لئے تھے اور اپنی رپورٹ [illegible] کر دی۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ کھوسہ اب قانون پر عمل کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے سٹیل ملز [illegible] کو گرفتار کرنے کا منصوبہ بنا چکے تھے۔ جو انکوائری رپورٹ میں قصور وار پائے گئے ہیں۔ ان میں سٹیل ملز کا سابق چیئرمین بھی شامل ہے۔ جس کو وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی نے قومی اسمبلی میں اپنی تقریر کے دوران ڈس مس کر دیا تھا۔ بتایا جانے والا چیئرمین [illegible] میں بہت سے وقت [illegible] عہدوں پر براجمان افراد کا قریبی دوست بتایا جاتا ہے۔ ہائی پروفائل کیسوں کی تحقیقات کے دوران ڈی جی ایف آئی اے کی تبدیلی نے نہ صرف مختلف حلقوں کو حیران کر دیا ہے بلکہ ایف آئی اے چیف کا عزم سوالیہ نشان ہو گا جبکہ ادارے کی ساکھ پہلے ہی کمزور پڑ چکی ہے۔

طارق کھوسہ کی جگہ ظفر اللہ خان کو لایا گیا ہے۔ جن کے اعلیٰ شخصیات کے ساتھ تعلقات سندھ میں [illegible] کے دوران نواب شاہ، بعد ازاں بدین اور سکھر میں تعیناتی سے چلے آ رہے ہیں۔ دیگر

مقدمات جن پر تفتیش ہو رہی تھی، وفاقی وزیر بہبود آبادی ڈاکٹر فردوس عاشق اعوان، وزیر مملکت برائے امور کشمیر و شمالی علاقہ جات عبدالرزاق عباسی اور سٹیل مل سکینڈل میں ملوث ایک بڑی شخصیت کے قریبی ساتھی ریاض لالجی کے خلاف ہیں۔ ای سی ایل میں نام ہونے کے باوجود جس کے بیرون ملک فرار سے متعلق ایف آئی اے تحقیقات کر رہی تھی۔ سپریم کورٹ 26 نومبر کو ایف آئی اے کو سٹیل مل سکینڈل سے متعلق اپنی حتمی تحقیقات دو ہفتے کے اندر پیش کرنے کی ہدایت کر چکی تھی۔

طارق کھوسہ نے ایف آئی اے میں سب انسپکٹروں اور دیگر کی بھرتی کے سلسلے میں سیاسی دباؤ قبول نہیں کیا تھا۔ ظفر اللہ خان جو اب ایف آئی اے کی سربراہی کریں گے، بذات خود ان سے نیب نے نامعلوم ذرائع سے جائیداد بنانے کی تحقیقات کی تھیں۔ سرحد نیب کے ترجمان نے دی نیوز کو بتایا کہ ان کے خلاف ناقابل تردید ثبوت نہ ملنے کی وجہ سے تحقیقات روک دی گئی۔ (دی نیوز 11 دسمبر 2009ء) ظفر اللہ خان 2004ء میں اس وقت بھی شہ سرخیوں کا موضوع بنے تھے۔

جب انہوں نے آئی بی کا ڈائریکٹر ہوتے ہوئے اپنے بھتیجے کے خلاف قتل کے مقدمہ میں پولیس کو خاموش رہنے کیلئے دباؤ ڈالا تھا۔ متاثرہ خاندان کے وکیل ملک رب نواز نون نے اس وقت عدالت میں دلائل دیتے ہوئے بتایا تھا کہ ملزم نے ثبوت آئی بی کے حکام کی مدد سے ضائع کر دیئے ہیں۔ انہوں نے بتایا تھا کہ پولیس نے کیس کی تفتیش آئی بی حکام کے بے پناہ دباؤ میں کی اور ملزم کو ثبوت ضائع کرنے میں مدد دی ہے۔ ایف آئی اے کے نئے ڈائریکٹر جنرل نے اس بات کی بھی تصدیق کی ہے کہ خان کا چھوٹا بھائی خالد مروزئی جو اس وقت کوہاٹ کا کمشنر ہے [illegible] میں ملوث ہے۔ ظفر اللہ نے اپنے نیب کے زیر تفتیش رہنے کی بھی تصدیق کی [illegible] انہیں صدر کے اصرار پر تعینات کیا [illegible] تمام تعیناتیاں مشاورت کے ساتھ کی جاتی ہیں۔ [illegible] تصدیق کی تاہم صدر زرداری سے اپنے کسی

براہ راست تعلق کی تردید کی۔

ایف آئی اے کے ایک سینئر آفیسر نے اسی طرح کی اس اعلیٰ عہدے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ اس تبدیلی سے گزشتہ 8 مہینوں میں ہونے والی بہتری 180 ڈگری پر واپس آ جائے گی۔ طارق کھوسہ جن کی تعیناتی رواں برس جنوری کو ہوئی تھی، ایجنسی کے سربراہ کی حیثیت سے ایک سال مکمل ہونے سے قبل ہی عہدے سے ہٹا دیا گیا اور کسی استحقاق [illegible] انہیں پہلے ہی وفاقی سیکرٹری کے عہدے پر ترقی دے دی گئی۔ [illegible] ڈویژن کا بھی۔ ایف آئی اے کے سربراہ کی تبدیلی کے لئے چند سیاسی شخصیات اور ان کے قریبی افراد جن کو طارق کھوسہ کا سامنا تھا آپے سے باہر ہو رہے تھے۔ بہبود آبادی کی وفاقی وزیر ڈاکٹر فردوس عاشق اعوان جن کے مبینہ طور پر انسانی سمگلنگ میں ملوث ہونے کے الزامات تھے، کے کیس کی بھی تفتیش کی گئی تھی۔ فردوس عاشق پہلے ہی ریکارڈ پر الزامات کی تردید کر چکی ہیں۔ ماضی میں انہی الزامات پر موقف کیلئے جب ان سے رابطہ کیا گیا تو انہوں نے اپنے سے منسوب الزامات کی تردید کی۔ انہوں نے کہا کہ وہ ریکارڈ کی اس غلطی کی طرف توجہ مبذول کرانے خود چیئرمین نادرا کے پاس نہیں گئیں کیونکہ انہوں نے کچھ غلط نہیں کیا۔ انہوں نے ایف آئی اے کے ڈائریکٹر جنرل کے بیان کی بھی تردید کی کہ الیاس پہلے اعتراف کر چکا ہے اور اب مکر گیا ہے۔ مگر اسلام آباد ہائی کورٹ (تحلیل سے قبل) نے 22 جون 2009ء کو کیس میں موث نادرا کے ملازم کی بعد از گرفتاری ضمانت پر ریمارکس دیئے کہ "ڈپٹی اٹارنی جنرل 5 لاکھ روپے کا چیک ڈاکٹر فردوس اعوان کے پرائیویٹ سیکرٹری کی طرف سے کیش کرانے سے متعلق عدالت کو مطمئن کرنے میں ناکام رہے۔ پولیس کی فائل معاملے کے اس پہلو کے متعلق خاموش ہے اور اس معاملے کو سلجھانے کیلئے تفتیشی افسر کی کوئی کوشش نظر نہیں آتی۔ یہ معاملات پراسیکیوشن سٹوری میں شبہات پیدا کرتے ہیں۔"

فردوس عاشق اعوان کا کہنا ہے کہ وہ بچوں کو تحقیقات شروع ہونے سے پہلے ہی برطرف کر چکی تھیں۔ انہوں نے اس بات پر حیرت کا اظہار کیا کہ کس طرح والدین کی غیر حاضری میں ایجنٹ نے پاسپورٹ حاصل کریں۔ وزیر نے کہا کہ یہ سارا معاملہ ڈورا ایف آئی اے اور دیگر اداروں کی ناکامی کی واضح مثال ہے۔ وزیر مملکت سینیٹر عبدالرزاق کی کمپنی ''ملک ایکسچینج پرائیویٹ لمیٹڈ'' کے 15 ارب روپے فارن کرنسی ایکسچینج کے سکینڈل کے شواہد سے متعلق رائے لینے کے لئے فائل میں مرکزی بینک کو بھی ارسال کی گئیں۔ اگر صوبہ سرحد کے وزیر سے تفتیش کیلئے حکومت کی اجازت لینا تھا۔ کھوسہ پہلے بھی ڈاکٹر فردوس عاشق اعوان سے انسانی سمگلنگ میں مبینہ طور پر ملوث ہونے پر تحریری بیان لے چکے ہیں۔ انہیں ان کے پرائیویٹ سیکرٹری کے اس اعتراف کے بعد کیس میں ملوث کیا گیا تھا کہ اس نے انسانی اسمگلروں کی جانب بھیجے گئے پیسے ان کے حوالے کئے۔ جن کے پاسپورٹ پر بچوں کو بھیجا گیا تھا۔ اس واقعہ کے بعد ڈاکٹر فردوس عاشق اعوان کی طرف سے ایک بیان جاری کیا گیا۔ جس میں انہوں نے کہا کہ ایف آئی اے نے انہیں الزام سے بری کر دیا ہے۔ جس پر ایف آئی اے کی طرف سے سختی سے تردید کی گئی۔ کھوسہ نے ماضی میں آن ریکارڈ کہا تھا کہ تقریباً 15 ارب ڈالر بیرون ملک منتقل کئے گئے یا پھر ملک ایکسچینج کے 3 ملازمین کے ذریعے غیر قانونی طریقے سے یہ رقم پاکستان لائی گئی۔ انہوں نے کہا کہ ابتدائی تحقیقات میں مجموعی طور پر 40 سے 50 ارب مبینہ طور پر ان خفیہ اکاؤنٹس میں رہے جو ملک ایکسچینج کے ملازمین کی جعلی کمپنیوں کے نام سے کھولے گئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ایف آئی اے کے اندازے کے مطابق مجموعی طور پر 15 ارب ڈالر بیرون ملک منتقل کئے گئے یا اس چینل سے غیر قانونی طور پر پاکستان لائے گئے۔

انٹرپول دونوں نوجوانوں کو اٹلی سے وطن واپس لانے میں کوشاں تھے۔ جنہیں فردوس عاشق اعوان سے صاحبزادے بتا کر ملک سے باہر سمگل کیا گیا تھا۔ اٹلی سے ان نوجوانوں کے واپس آنے پر حقائق سامنے آنے تھے۔ جن سے محترمہ فردوس عاشق اعوان پر ہاتھ ڈالنا چاہتے تھے۔

جنرل (ر) مشرف کے دورِ آمریت سے جمہوری حکومت تک پاکستانی عوام امید لگائے بیٹھے تھے کہ شاید اب ان کے دن پھر جائیں اور حکومتی معاملات میں بہتری آئے گی۔ ... وجود و صورت اپنی ''LATE'' ہو رہی ہے۔ ... کہانی کی نوعیت کچھ بدل رہی ہے۔ 12 دسمبر کو ... ''ڈیلی نیوز'' میں ''می ڈیڈی کمپنی'' کے نام سے ایک سیکنڈل آیا ہے۔ جس نے ساری قوم کو حیران کر دیا۔ یہ زلزلہ زدگان کے نام پر ہونے والا انتہائی قابلِ نفرت فراڈ ہے۔ جس میں باپ نے مشینری خریدی، بیٹی کی کمپنی نے فروخت کی اور رقم بیوی کے اکاؤنٹ میں چلی گئی۔ پوری قوم، میڈیا اور عدلیہ کی چیخ و پکار کے باوجود صوبہ سرحد ''ایرا'' (زلزلہ متاثرین کی مدد کے لئے قائم ادارہ) کے ایک اعلیٰ عہدیدار نے ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک ماما اینڈ پاپا کمپنی قائم کی اور زلزلہ کے تمام ٹھیکے بیٹی کو نواز دیئے۔ والدہ کا بینک اکاؤنٹ لاکھوں روپے تک پہنچ گیا ہے۔ ایک ابتدائی تحقیقات کے نتیجے میں اس انوکھے فراڈ میں پروونشل ارتھ کوئیکری کنسٹرکشن اینڈ ری ہیبلی ٹیشن اتھارٹی (پی ای آر آر اے) کے ایک اعلیٰ عہدیدار کو زلزلہ متاثرہ علاقوں کیلئے ناقص معیار کے ٹریکٹرز کے حصول کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے۔ سارا سودا اس انداز سے کیا گیا کہ سارا معاملہ گھر ہی میں طے ہو گیا۔ باپ نے مشینری خریدی، بیٹی کی کمپنی نے مشینری بیچی اور رقم بیوی کے اکاؤنٹ میں چلی گئی۔ ڈی جی پی ای آر آر اے ناصر اعظم نے وضاحت کی ہے کہ ان کی بیٹی کی کمپنی 1999ء سے ٹریکٹرز کے کاروبار میں مصروف ہے اور نفی کی کہ اس معاملے میں کسی طرح شامل ہیں یا پی ای آر آر کے فنڈ سے خریداری کی اجازت دی تھی۔ خریدے گئے ٹریکٹرز ناقص معیار کے ہونے کے ساتھ ساتھ پہاڑی علاقوں میں کام کیلئے بھی موزوں نہیں تھے۔ فیڈرل ارتھ کوئیکری کنسٹرکشن اینڈ ری ہیبلی ٹیشن اتھارٹی (ایرا) جو کہ وزیراعظم سیکرٹریٹ کا حصہ ہے۔ وزیراعلیٰ سرحد پر دباؤ ڈال رہی ہے کہ ڈی جی پی ای آر آر اے کو برطرف کیا جائے۔ پولیس میں ان کے خلاف مقدمہ درج کرا کر

اردو فینز کیلئے

تمام ذمہ داران کے خلاف تحقیقات کی جائیں لیکن اس کا کوئی نوٹس نہیں لیا گیا۔ وزیر اعظم سیکرٹریٹ میں موجود ذرائع کا کہنا ہے کہ سرحد کے وزیر اعلیٰ امیر حیدر خان ہوتی مبینہ طور پر اس افسر کو تحفظ فراہم کر رہے ہیں جبکہ وزیر اعلیٰ کے قریبی ذرائع کا مسلسل کہنا ہے کہ امیر ہوتی فیصلہ کرتے ہوئے میرٹ کو مد نظر رکھیں گے۔ ڈی جی پی ای آر آر اے نے وزیر اعلیٰ سے رشتہ داری کی تصدیق کرتے ہوئے کہا کہ وزیر اعلیٰ کے بھائی میرے برادر نسبتی ہیں۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ اس معاملے کی 3 تحقیقات ہوئیں۔ جن میں سے پہلی صوبائی انسپکشن ٹیم، دوسری نیب اور تیسری ایرا کے تحت کی گئی لیکن ان کا کوئی بھی نتیجہ سامنے نہیں آسکا۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ پی آئی ٹی نے اس فراڈ کی تصدیق کی اور مانسہرہ کے 2 افسران کے خلاف کارروائی کی سفارش کی لیکن ڈی جی پی ای آر آر اے کے خلاف کوئی فیصلہ سامنے نہیں آیا۔ حالانکہ نیب اور ای آر آر اے نے اس مبینہ فراڈ میں ڈی جی کو ملوث قرار دیا۔ وزیر اعلیٰ سیکرٹریٹ میں موجود ذرائع نے "جو دستاویزات دکھائیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ وفاقی حکومت نے باضابطہ طور پر وزیر اعلیٰ امیر حیدر ہوتی اور صوبائی چیف سیکرٹری سے رابطہ کیا کہ ڈی جی پی ای آر آر اے اور دیگر ملوث افراد کے خلاف کارروائی کی جائے۔ (دی نیوز: 11 دسمبر 2009ء) ایرا کی ایک تحقیقات کے مطابق تحصیل میونسپل ایڈمنسٹریشن (ٹی ایم اے) کے سولڈ ویسٹ مینجمنٹ کیلئے ایک PC-1 کیلئے ڈسٹرکٹ ارتھ کوئیک اتھارٹی کی جانب سے 2 کروڑ 60 لاکھ 11 نومبر 2007ء کو منظوری دی گئی۔ ایرا کا پراجیکٹ ایویلیوایشن سیل (پی ای سی) کی جانب سے 18 دسمبر 2007ء کو لیٹر نمبر ERRA/ 104 (8)/ PEC/ 07 میں سے کلیئر کر دیا گیا۔ مذکورہ اصل PC-1 میں کھدائی مشین، آبی باؤزر، 2 چھوٹے ڈمپرز، سیوریج کلیننگ مشین، 100 ٹرالیاں، وائرلیس سسٹم اور 150 کچرے کے ڈبے شامل کئے جانے تھے۔ بعد ازاں اوریجنل PC-1 پر نظر ثانی کی گئی اور اسے 2 کروڑ 32 [illegible] مشینوں کو 25 ٹریکٹروں سے بدل دیا گیا۔ پالیسی اور رول

معاملے کے تحت تحقیقات میں کہا گیا کہ نظر ثانی شدہ ... کے تحت کی جانی چاہئے تھی جبکہ ڈی جی پی ای آر آر اے نے قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنے تئیں اس کی منظوری دے دی۔ PC-1 کی نظر ثانی کے بعد اخبارات میں فروری 2009ء میں چھوٹے ٹریکٹروں کی خریداری کیلئے اشتہار دیا گیا لیکن اس اشتہار میں درج ذیل تفصیلات موجود نہیں تھے۔

(i)۔ بولی لگانے والوں کیلئے کسی قسم کا معیار مقرر نہیں کیا گیا تھا۔

(ii)۔ جواب دینے کا وقت پی پی آر اے کے قوانین کے مطابق [illegible] وقت سے کم تھا۔

(iii)۔ ٹینڈر کیلئے دستاویزات بھی تیار نہیں تھیں۔

رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ دفتری دستاویزات کے مطابق ڈی جی پی ای آر آر اے، ناظم، ٹی ایم اے مانسہرہ عبدالرحمن اور دیگر متعلقہ افسران جن میں انجینئر ... تحصیل آفیسر، ٹی ایم اے، مانسہرہ اینڈ مہند نے ٹریکٹروں کی خریداری کی تجویز دی۔ اور چیف 25 ... میں 24 لاکھ مجموعی طور پر 49 ٹریکٹرز خریدے گئے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ اس سارے عمل میں پی پی آر اے کے قواعد وضوابط کو یکسر نظر انداز کیا گیا۔ جس سے بولی دینے کی پیشکش کرنے والے افراد میں سے کوئی بھی بولی دینے کا اہل نہیں ہو سکا۔ بولی کے اس سارے عمل میں حصہ لینے والے افراد کے 2 مختلف ریکارڈ موجود ہیں۔ عائشہ انٹرپرائزز، نیو بلینڈ اینڈ بلینڈ ... پٹ، اور نیشنل مشینری اسٹور ... جبکہ دوسرے ریکارڈ میں بولی دینے والے۔ ... انٹرپرائزز، گل انٹرپرائزز، احسن ٹریڈرز اور فیلکو ایسوسی ایٹس ہیں۔ دونوں ریکارڈ میں میسرز عائشہ انٹرپرائزز کو سب سے کم بولی لگانے والا دکھایا گیا ہے۔ جس میں ایک ٹریکٹر کی ٹرالی سمیت قیمت 4 لاکھ 60 ہزار بتائی گئی تھی۔ یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ کسی بھی بولی لگانے والے کی جانب سے کمپنی کے اصل لیٹر ہیڈ پر کوٹیشن جمع نہیں کرائی گئی۔ اس پر رجسٹریشن نمبر یا این ٹی این نمبر موجود نہیں تھا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی فرم بولی دینے کی اہل نہیں تھی۔ رپورٹ میں کہا گیا

حامد اردو فینز کیلئے

ہے کہ 25 ٹریکٹرز کی مد میں 33.911 ملین روپے میسرز شاہ انٹر پرائزز کو ادا کئے گئے۔ مارکیٹ ریٹ کے مطابق ایک ٹریکٹر کی قیمت بہت زیادہ ادا کی گئی۔ پی آئی ٹی (پراونشل انسپکشن ٹیم) کی تیار کردہ تحقیقاتی رپورٹ کے مطابق قومی خزانے کو 4.310 ملین روپے کا نقصان برداشت کرنا پڑا۔ قواعد کے مطابق جی ایس ٹی رجسٹرڈ کسی بھی فرم یا کمپنی کو ادائیگی وغیرہ نہیں کی جا سکتی جبکہ پی ای آر آر اے کے فنانس ونگ نے میسرز شاہ انٹر پرائزز کو بغیر مناسب انوائس اور جی ایس ٹی رجسٹریشن کی ادائیگی کر دی۔ انکوائری رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ پی آئی ٹی نے این ڈبلیو ایف پی ریمول فرام سروسز آرڈیننس 2000ء کے تحت صرف 2 افسران عبدالرحمن، ٹی ایم او، ٹی ایم اے، مانسہرہ اور عبداللطیف ٹی او آئی، ٹی ایم آئی، مانسہرہ کے خلاف کارروائی کی تجویز دی۔ بجائے اس کے کہ نقصان کا ازالہ کیا جاتا۔ ایرا حیران ہے کہ پی آئی ٹی نے کیسے پی ای آر آر اے کے ڈی جی کو نظر انداز کر دیا۔ جنہوں نے پرچیز کمیٹی کے سربراہ کا کردار ادا کیا تھا۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ پرچیز کمیٹی اس سارے معاملے کی ذمہ دار ہے کیونکہ وہ اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے میں ناکام رہی اور ٹھیکہ ایک کمپنی کو دیا گیا۔ جس کی ساکھ کے حوالے سے کئی سوالات موجود ہیں۔ یہاں ایک دلچسپ امر یہ ہے کہ تمام تحقیقات میں یہ سامنے آیا ہے کہ تمام ادائیگیاں اکاؤنٹ نمبر 3225 میں کی گئیں جو کہ شاہ انٹر پرائزز کا ہے اور نیشنل بینک آف پاکستان سول سیکرٹریٹ پشاور میں ہے۔ شاہ انٹر پرائزز، ڈی جی پی ای آر آر اے کی بیٹی ہے جبکہ اکاؤنٹ آمنہ ناصر چلا رہی ہیں [illegible] اعظم نے اپنا وارث نامزد کیا ہوا ہے۔ اس تحقیقات کی بنیاد پر [illegible] شاہ انٹر پرائزز 49 ٹریکٹروں کی خریداری کی مد میں ادا کی گئی رقم ناصر اعظم [illegible] ڈی جی پی ای آر آر اے ہونے کے ساتھ ساتھ فرم کے حقیقی مالک ہیں۔ [illegible] کے خلاف فوجداری مقدمہ بھی دائر کیا جائے۔ مزید یہ کہ کمیٹی [illegible] آرڈیننس کے تحت ضابطے کی کارروائی کی بھی

تجویز دی ہے۔ ڈائریکٹر جنرل پی ای آر آر اے سے جب اس ضمن میں رابطہ کیا گیا تو ان کا کہنا تھا۔ میں نے کوئی کرپشن نہیں کی اور بتایا کہ میری بیٹی 1999ء سے ٹریکٹروں کا کام کر رہی ہے اور اب تک 800 ٹریکٹر بیچ چکی ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ کمپنی رجسٹرڈ ہے اور اس کی تصدیق ایف بی آر سے کی جا سکتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ نہ تو میں کمیٹی کا ممبر تھا اور نہ ہی میں نے کسی خریداری کا حکم دیا۔ انہوں نے مزید کہا کہ میں نے صرف ادائیگی سے قبل توثیق کی تھی کہ میری بیٹی کی کمپنی کو ادائیگی کر دی جائے۔ ٹی ایم او مانسہرہ نے انکوائری کمیٹی کو بتایا کہ تمام میسی فرگوسن ٹریکٹر پہاڑی علاقوں میں کام کرنے کے لئے موزوں نہیں۔

یہ مشتے از خروارے کچھ مثالیں ہیں اگر مجموعی صورتحال کا جائزہ لیا جائے تو انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے اور اس بات کا یقین ہونے لگتا ہے کہ واقعی یہ ملک اللہ کی خاص عنایت ہے ورنہ تو ہمارے ارباب بست و کشاد نے اسے کھوکھلا کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔

(جنوری 2010ء)

پاک افغان ٹرانزٹ ٹریڈ

پاک افغان ٹرانزٹ ٹریڈ ایگریمنٹ معاشی لحاظ سے ایک نہایت ہی اہم دستاویز ہے لیکن اس اہم دستاویز کے نئے معاہدے میں پاکستانی معیشت کی تباہی کیلئے ایک سوچا سمجھا منصوبہ تیار کیا گیا ہے جو کہ ہمارے ملک کی سلامتی کیلئے بھی خطرہ ہے۔ نئے معاہدے کو تاجر برادری اور معاشی ماہرین نے یکسر مسترد کر دیا ہے۔ نئے معاہدے میں بہت سی جگہوں پر پاکستانی بزنس کمیونٹی کے تحفظات ہیں جن کو دور کرنا بہت ضروری ہے۔ جس کیلئے کچھ تجاویز اور تحفظات درج ذیل ہیں۔

بین الاقوامی معاہدوں کے تحت افغانستان کو ٹرانزٹ تجارتی سہولیات فراہم کرنا ہماری ذمہ داری ہے تاہم اس معاہدہ میں بھارت کا کوئی عمل دخل نہیں ہے اور آئندہ بھی بھارت کا اس میں کوئی کردار نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن افغانستان پاکستان ٹرانزٹ ٹریڈ کے نئے معاہدہ کے مجوزہ ڈرافٹ میں شامل ایک شق کے تحت بھارتی ٹرانسپورٹ کمپنیوں کو واہگہ بارڈر اور کراچی بندرگاہ سے کابل اشیاء لے جانے کی اجازت دی گئی ہے۔ جس پر سرحد چیمبر آف کامرس، کوئٹہ چیمبر آف کامرس اور فیڈریشن آف پاکستان چیمبر آف کامرس کے نمائندوں کے علاوہ کسٹمز کلیئرنگ فارورڈنگ ایجنٹس، شپنگ [illegible] ٹرانسپورٹرز نے اعتراضات کئے ہیں کہ افغانستان کے

[illegible] ٹرانزٹ ٹریڈ کے نئے معاہدے کی تیاری کے دوران ان کی بھی [illegible] جس سے پاکستان کے مفادات کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔ [illegible] نظر رکھتے ہوئے سرحد چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری [illegible] ٹرانسپورٹرز [illegible] بھی افغانستان کے ساتھ نئے ٹرانزٹ معاہدے کی ان شقوں پر تحفظات کا اظہار کیا ہے جن کے تحت بھارتی ٹرانسپورٹ کمپنیوں کو واہگہ بارڈر سے افغانستان تک اور افغانستان سے کراچی بندرگاہ سے کابل تک ٹرانزٹ گڈز لے جانے کی اجازت دینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ جس سے پاکستان کے مفاد کو نقصان پہنچے گا بلکہ سیکورٹی کے خطرات بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔ ماضی میں پاکستانی سیکورٹی فورسز کی جانب سے کامیاب کارروائیوں کے دوران لنڈی کوتل میں افغان ٹرانسپورٹ کے دو بڑے ٹرالر پکڑے گئے۔ جن میں کروڑوں روپے کا بارودی مواد اور چھوٹا اور بڑا اسلحہ بھی تھا جو کہ دہشت گردی کی غرض سے اندرون ملک سپلائی ہو رہا تھا۔ اس معاہدے کے مجوزہ ڈرافٹ پر مذاکرات کا حتمی دور مارچ، اپریل 2010ء میں شروع ہوگا۔ جس کے بعد اسے حتمی شکل دے کر اس پر دستخط کئے جائیں گے۔ ان دستخطوں سے پہلے حکومتی ذمہ داران کو چاہیے کہ وہ اس فیلڈ کے ماہرین، تاجر برادری کے نمائندوں، چیمبرز اور دیگر تجارتی و معاشی شعبوں سے تعلق رکھنے والی شخصیات کے صلاح مشورے سے اسے حتمی شکل دیں۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان اور اسلامی جمہوریہ افغانستان کے درمیان ٹرانزٹ ٹریڈ کو بڑھانے کیلئے 2 مارچ 1965ء کو اس وقت کے وفاقی وزیر تجارت پاکستان وحید الزمان اور محمد سرور عمر وزیر تجارت افغانستان کے مابین ایک معاہدہ عمل میں آیا تھا۔ اس معاہدے کو پاک افغان ٹرانزٹ ٹریڈ ایگریمنٹ گیتا (گذران ٹرانزٹ ٹو افغانستان) کا نام دیا گیا تھا۔ اور اس وقت سے لیکر آج تک اس معاہدے کی رو سے افغانستان کو غیر ملکی اشیاء کی ترسیل کی راہداری کیلئے کراچی کی بندرگاہ اور پھر کراچی سے طورخم، خیبر ایجنسی، صوبہ سرحد اور چمن بلوچستان صوبہ بلوچستان کے بارڈر تک

کسٹم کلیئرنس کی سہولت دی گئی اور اب افغانستان تک ٹرکوں، ٹریلرز کے ذریعے ترسیل کی جو رعایت
ہے۔ جس سے نہ صرف پاکستان ریلوے، کراچی پورٹ ٹرسٹ (کے پی ٹی) کو اربوں روپے
فائدہ ہو رہا ہے بلکہ اس شعبے سے ہزاروں افراد بشمول کسٹم کلیئرنگ ایجنٹس، بار بردار وہیکل
ایجنٹس، ٹرانسپورٹرز، دیگر افراد کا روزگار بھی وابستہ ہے۔

اس معاہدے کے تحت دونوں ملکوں نے ایک دوسرے کو اشیاء کی تجارت کیلئے مکمل آزادی
دے رکھی ہے مگر اس معاہدے کے تحت افغانستان پاکستان کو اپنی مصنوعات وسطی ایشیائی
ریاستوں کو ایکسپورٹ کرنے کیلئے ٹرانزٹ کی سہولیات فراہم نہیں کرتا۔ اسی طرح افغانستان ایسی
کوئی ذمہ داری قبول نہیں کرتا کہ ان مصنوعات کو افغانستان سے ہی واپس آنے سے روکا جا سکے۔
حالانکہ اس معاہدے کے تحت افغانستان پاکستان کو وسطی ایشیائی ریاستوں تک اپنی مصنوعات
پہنچانے میں مدد کا پابند ہے۔ آجکل وسطی ایشیائی ممالک کی زیادہ تر تجارت ایرانی بندرگاہ بندر
عباس سے ہوتی ہے جو کہ ازبک دارالحکومت سے 3800 کلومیٹر دور ہے۔ اگر یہی تجارت براستہ
پشاور، ترمیز ہو تو اس فاصلے میں خاطر خواہ کمی واقع ہوتی ہے کیونکہ کراچی اور گوادر کی بندرگاہیں
2700 کلومیٹر کی دوری پر ہیں۔

اب آئندہ چند روز میں پاک افغان تجارتی راہداری معاہدہ پر مذاکرات کا پانچواں دور
اسلام آباد میں شروع ہو رہا ہے۔ اس لئے ان اہم ترین مذاکرات کے دوران وزارت تجارت
پاکستان کی تاجر برادری کے نمائندوں کو بھی شریک کرے اور ان کے ذریعے ورلڈ بینک اور بھارت
کے سازشی منصوبوں کو ختم کرے اور اس اہم مذاکراتی پیشرفت میں جو اہم ترین سازشی ایشو ہیں۔
انہیں کسی بھی طرح سے معاہدے کا حصہ نہ بننے دے۔ آخر میں یہ بتاتا چلوں کہ بھارت کی مداخلت
سے ہمیں جو پریشانی ہو رہی ہے وہ ہمیں اپنے ملکی مفاد اور دفاع کی وجہ سے ہے اس لئے مختصراً عرض
ہے کہ پاکستان اور افغانستان کے درمیان دو طرفہ تجارتی تعلقات کو مزید فروغ دینے کی ضرورت

ہے جو بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ جب اس سلسلے میں [illegible] افغان تاجروں کو
پاکستان میں اور پاکستانی تاجروں کو افغانستان میں ہر قسم کی سہولت دی جائیں تا کہ دونوں ملکوں
کے مابین تجارتی حجم کو بڑھایا جا سکے۔ ان اقدامات سے پاک افغان باہمی تجارت کو فروغ مل
سکتا ہے۔ پاکستان اور افغانستان دونوں کو یہ حقیقت پیش نظر رکھنی چاہیئے کہ وہ تاریخ، مذہب اور
ثقافت کے اٹوٹ رشتوں میں بندھے ہوئے ہیں۔ دونوں ممالک ایک دوسرے کے فطری حلیف
ہیں۔ ان کا نفع اور نقصان ایک ہے۔ اس لئے انہیں کسی تیسری قوت کو اپنے تعلقات بگاڑنے کا
موقع نہیں دینا چاہیئے اور باہمی تعاون اور ہم آہنگی سے ساتھ ترقی کی راہ پر شانہ بشانہ آگے بڑھنا
چاہیئے۔

(جنوری2010ء)

☆☆☆☆☆☆☆☆

حامد
اردو فینز
کیلئے

کرپشن جسد ملی کو کینسر کی طرح کھا رہی ہے

[illegible] بینک نے رواں مالی سال کیلئے پیش [illegible] رپورٹ میں کہا ہے کہ دہشت گردی سے [illegible] بنک کے [illegible] محاصل کی وصولی کم رہے گی۔ رواں مالی سال کے دوران مہنگائی کی شرح 10 سے 12 فیصد رہنے اور معاشی ترقی کی شرح 3.3 فیصد، ترسیلات زر 7 ارب 80 کروڑ سے 8 ارب 80 کروڑ ڈالر رہنے کی توقع ہے۔

رپورٹ میں [illegible] 18 ارب 50 کروڑ سے 19 ارب ڈالر جبکہ [illegible] 30 سے 50 کروڑ ڈالر سے 31 ارب ڈالر تک رہنے کی توقع ہے۔ دنیا کے ہر ملک [illegible] ہوتی ہے اور جن ملک نے خسارے سے بچنا ہوتا ہے۔ وہ [illegible] سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں مگر ہمارے ملک میں امپورٹس پر زیادہ توجہ [illegible] بلٹ پروف گاڑیاں اور ایسا ہی سامان [illegible] کے طور پر منگوایا جاتا [illegible] آمدنی ہو رہی ہے [illegible] ملک

[illegible] دن رات محنت کرتے ہیں [illegible] پاکستان [illegible] ہیں [illegible] اس قسم [illegible] تنخواہ لیتے ہیں [illegible] ہیں کہ وہ بلٹ پروف گاڑی [illegible] خرچ [illegible] ہے۔ [illegible] کی فہرست [illegible] شروع کر دی۔ [illegible] بھی تشبیہ دی [illegible] کے لئے [illegible] کی انتہا ہے کہ حکومت کی طرف سے [illegible] ہو رہی ہے۔

پاکستانی معیشت کے بارے میں آئی ایم ایف نے اپنی [illegible] رپورٹ میں [illegible] ترقی کے لیے اصلاحات کے حوالے سے مخلوط اقدامات [illegible] ہے۔ اگرچہ [illegible] صورت حال بدستور نازک ہے تاہم افراط زر میں کمی [illegible] شعبوں میں بہتری [illegible] کی مثبت رینکنگ امید افزا ہیں۔ آئی ایم ایف کی رپورٹ بہرحال پاکستانی حکومت کی [illegible] پر پورا اطمینان کا اظہار نہیں کرتی کیونکہ حکومت آئی ایم ایف کی [illegible] کرنے میں ناکام رہی ہے۔ [illegible] محاصل میں اضافہ [illegible] ہے۔ [illegible] 2009ء میں عالمی بینک کی رپورٹ میں بھی اس نکتے کا [illegible] ہے۔ رپورٹ کے [illegible] 2008-09ء میں جی ڈی پی کے 8.8 فیصد ہو گئے۔ [illegible] 2009-10ء کے پہلے [illegible] میں [illegible] کی واقع ہو رہی ہے۔ جولائی اگست میں [illegible] کی وصولیوں میں 3.6 فیصد [illegible] ہے جبکہ سالانہ ہدف کے حصول کے لیے یہ 10.5 فیصد ہونا چاہیے۔ اس سے [illegible] کا ہدف حاصل نہیں کر سکے گی۔ وزیر خزانہ شوکت ترین نے [illegible]

حامد
اردو فینز
کیلئے

کے ہدف سے جی ڈی پی کا 0.2 فیصد پیچھے ہے۔
کہ سال کی پہلی سہ ماہی میں حکومت مالی خسارے کے ہدف
حاصل کر لے گی۔

تاہم ان کا اصرار ہے کہ حکومت سالانہ ہدف حاصل کر لے گی۔ سابقہ حکومت کے اراکین بالخصوص سابق وزیر خزانہ شوکت عزیز کہہ چکے ہیں کہ معاشی صورت حال دراصل موجودہ حکومت کا انتخاب ہو سکتا ہے کیونکہ مشرف دور میں معیشت تیز رفتار ترقی کر رہی تھی۔ سابقہ دور میں شرح نمو کی بلند شرح سے اس کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔ عالمی بینک سابق وزیر کی اس رائے سے اتفاق کرتا ہے تاہم اکثر پاکستانی ماہرین معاشیات اس کی وجہ گیارہ ستمبر کے بعد سے بیرونی امداد کو قرار دیتے ہیں۔ انتیس اکتوبر 2009 کی عالمی بینک کی اپ ڈیٹ کے مطابق اس عشرے کے اوائل میں پاکستان میں بلند شرح نمو کی بنیاد بیرونی فنانسنگ تھی، جبکہ ریونیو اور بچتوں کی شرح سست روی کا شکار تھی۔ بیرونی امداد پر معیشت کے انحصار کی وجہ سے معیشت کا بیرونی صورت حال سے متاثر ہونا لازمی تھا۔ 2007-08 میں عالمی معیشت بحرانی کیفیت کا شکار ہوئی، جو پاکستان کے لیے ادائیگیوں کے توازن میں بگاڑ کا باعث بنی۔

دوسرا باعث فکر مسئلہ پہلے مسئلے سے منسلک ہے۔ توقع سے کہیں کم ریونیو کے باوجود حکومت اپنے اخراجات میں کمی نہیں کر سکی ہے۔ عالمی بینک تسلیم کرتی ہے کہ حکومت نے اخراجات میں کمی کی کوششیں کی ہیں تاہم یہ ناکامی سے دوچار ہوئی ہیں۔ ملک میں توانائی کے بحران کی وجہ سے بجلی کی قیمتوں میں حکومت سیاسی وجوہ کی بنا پر اضافہ کرنے سے کتراتی رہی اور یوں سبسڈیز کا بوجھ خزانے پر بڑھتا چلا گیا۔ صوبائی سطح پر ڈیولپمنٹ اخراجات نے بھی حکومتی کوششوں کو متاثر کیا ہے، جس سے حکومت کو بڑے پیمانے پر مقامی بینکوں بالخصوص مرکزی بینک سے قرضہ لینا پڑا۔ فی الوقت کہا جا رہا ہے کہ پاکستان معاشی بحران سے باہر آ گیا ہے۔ اسٹیٹ بینک کے گورنر کے مطابق اب پاکستان کو مزید بیرونی سپورٹ کی ضرورت نہیں۔ تاہم وزارت خزانہ اور حکومت کے دیگر ادارے اس سے اتفاق نہیں کرتے، جو اب بھی سیاسی اور سکیورٹی صورت حال میں

بیرونی امداد کے لیے تک و دو میں ہے۔ عالمی بینک کی انتیس اکتوبر کی اپ ڈیٹ کے مطابق حکومت نے ترقیاتی اخراجات میں کمی اور ریونیو میں اضافے کی کوششیں کی ہیں تاہم کوئی بہتر نتائج سامنے نہیں آئے اور معاشی صورت حال بدستور گمبھیر رہنے کا امکان ہے۔

اسٹیٹ بینک نے اپنی مانیٹری پالیسی جاری کرتے ہوئے خبردار کیا ہے کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ، ملک کی امن و امان کی صورتحال اور بجلی بحران کے باعث معیشت کی نمو سے ادائیگی کی بیرونی سطح خاصی بلند ہو چکی ہے۔ اسٹیٹ بینک کی اس رپورٹ میں ملکی معیشت کو درپیش سنگین خطرے کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ دہشت گردی کے خلاف امریکی جنگ کا شاخسانہ ہے اور اپنی سرزمین پر ہونے والے خودکش حملوں اور تخریب کاری کے واقعات کی آماجگاہ بنانے کا لازمی نتیجہ اور قیمت ہے جو پاکستانی عوام کو ادا کرنا پڑ رہی ہے۔ خود سرکاری بیانات کے مطابق اس لاحاصل اور ناکام مہم میں آنکھیں بند کر کے کود پڑنے کے نتیجے میں پاکستان کو اب تک پینتیس ارب ڈالر سے زائد کا نقصان اٹھانا پڑا ہے اور امن و امان کی ناگفتہ بہ صورتحال کے باعث ملکی معیشت تباہی کے کنارے پر پہنچ چکی ہے۔ امریکہ پاکستان کے اس نقصان کا ازالہ کرنے کی بجائے اسے صرف ڈیڑھ ارب روپے کی نام نہاد امداد کی خاطر ذلت آمیز شرائط قبول کرنے پر مجبور کر رہا ہے اور آئی ایم ایف نے پاکستان کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر سات ارب ڈالر کے قسط وار قرضے کے لیے پاکستانی عوام کی پشت پر مہنگائی کے تازیانے برسانے شروع کر دیے ہیں۔ پاکستان کے پاس اس کے سوا اور کوئی راستہ ہی نہیں ہے کہ وہ اس مہم سے جلد از جلد پیچھا چھڑا کر ملک میں امن و امان کی صورت حال بہتر بنانے پر توجہ دے۔ ایسا نہ ہو کہ پاکستانی عوام کا پیمانہ لبریز ہو جائے اور وہ عالمی استعمار اور اس کے مقامی آلہ کار عناصر کے خلاف فیصلہ کن معرکے کیلئے میدان میں نکل آئیں۔

ماضی میں دنیا کے بہت سے ممالک میں ایسا ہوا ہے اور اب بھی ایسا نہ ہو سکنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ فل فیند کا تعلق نیوزی لینڈ سے ہے، وہاں کے قانون و انصاف کے اسسٹنٹ وزیر ہیں،

حامد
اردو فینز
کیلئے

... اور محنت برائے انصاف کہہ سکتے ہیں۔ 2005ء کی بات ہے۔ جسے ہم پاکستان سے ملاقات ... اسے اپنے گھر کی بحالی میں ٹائلیں لگوانے کی ضرورت پیش آئی۔ اس نے ٹھیکیداروں سے رابطہ کیا۔ ایک ٹھیکیدار سے اس کے معاملات طے ہو گئے۔ ٹھیکیدار کو اس نے کام سونپ دیا۔ ٹھیکیدار نے اپنے کارندے بھیجے اور چند دنوں میں کام مکمل کر لیا اور اپنے پیسے لے کر چلا گیا۔ چند دن بعد یہ بات سامنے آئی کہ فلپ فیلڈ نے جس ٹھیکیدار سے کام کروایا ہے، اس کے پاس غیر قانونی باشندے کام کرتے تھے۔ اس خبر کی اشاعت نے نیوزی لینڈ کے محکمہ احتساب کی توجہ حاصل کر لی۔ اخباری خبر کی تصدیق ہونے پر محکمہ احتساب نے فلپ فیلڈ کو استعفیٰ دینے کے لیے کہا، فلپ فیلڈ نے فوراً استعفیٰ دے دیا۔ مقدمہ جوں جوں آگے بڑھتا گیا، فلپ فیلڈ کے لیے سیاست کے دروازے بند ہونا شروع ہو گئے۔ 2006ء میں اسپیکر نے فلپ کی اسمبلی کی رکنیت منسوخ کر دی۔ 2007ء میں اسے پارٹی سے بھی نکال دیا گیا۔ مقدمہ چلتا رہا اور 6 اکتوبر 2009ء کو عدالت نے فلپ فیلڈ کو سات سال قید کی سزا سنا دی۔

جس ملک میں ادارے مضبوط ہوں وہاں قوانین حکمرانوں کے ہاتھ کی چھڑی نہیں بن سکتے اور نہ ہی وہ جیب کی گھڑی بنا کر اپنے پاس رکھ سکتے ہیں۔ فلپ فیلڈ کے واقعے پر نظر ڈال لیجیے اور دیکھیے کہ یہی معاملہ ہوتا تو اس کا ردعمل کیسے سامنے آتا ہے؟

مغربی جمہوریت کو اپنا اوڑھنا بچھونا سمجھنے والے ہمارے حکمران آج تک نہیں سمجھ پائے کہ مغرب میں ترقی اور ہمارے ہاں تنزلی کیوں ہے؟ ہمارے سیاست دان ملکی صورت حال پر مگرمچھ کے آنسو بہاتے ہیں لیکن عوام کو ریلیف دینے کے لیے تیار نہیں، خود "ریلیف" لینے کے جتن کرتے رہتے ہیں ... ریلیف دے سکتے ہیں۔ پاکستان پر نظر ڈالیں تو سمجھنے والوں نے "نعمتیں" ... "ہضم کرنے" میں لگے رہے۔ پاکستان میں جتنا زیادہ لوٹ کھسوٹ کرنے ... "... گندا ..." ہے۔ سیاسی اور قانونی بنیادوں پر سب سے زیادہ ریلیف

... مقدرین کا طرۂ امتیاز ہے۔ سیاسی مخالفت کی بنیاد پر قائم ہونے والے مقدمات کا ... ہمارے ... اپنا لیا چھپا لیتے ہیں۔ فلپ فیلڈ کا مقدمہ سیاسی مرتبہ بھی ... اور اس کا جرم ... بھی تو حالات کا رونا رونے والوں کو اندازہ ہو جائے گا کہ نیوزی لینڈ جیسا ملک کیوں ترقی ... اور ہم کیوں تنزلی کی نہ ختم ہونے والی گہرائیوں میں گرتے چلے جا رہے ہیں۔

ہمارے ہاں لاکھوں، کروڑوں اور اربوں کی کرپشن کرنے والے دندناتے پھرتے ہیں۔ صرف مقدمے پر ہم استعفیٰ کیوں دیں؟ ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کی گلوبل کرپشن رپورٹ 2009ء میں پاکستان نے کرپشن میں مزید ترقی کرکے 47 واں نمبر حاصل کر لیا ... بھارت، بنگلہ دیش بھی ہم سے بہتر رینکنگ میں ہے۔ اس فہرست میں دیانتداری میں پہلا نمبر نیوزی لینڈ کا ہے۔ جس ملک میں احتساب اتنا کڑا ہو کہ ایک وزیر اور وہ بھی انصاف ... صرف اتنے سے جرم پر کہ اس نے ایسے ٹھیکیدار سے ٹائلز لگوائیں جس کے پاس ایسے لوگ کام کرتے تھے جو قانونی دستاویزات کے حامل نہیں تھے، اس "جرم" کی تو ہمارے ہاں خبر تک نہیں بنتی ... نہ صرف خبر بنی بلکہ وزارت، رکنیت اور پارٹی سے فلپ فیلڈ کو اس طرح نکال دیا گیا جیسے دودھ سے بال کو نکال دیا جاتا ہے، کسی نے دہائی دی نہ واویلا مچایا۔ نہ اسے اپوزیشن کی سازش قرار دیا۔ فلپ فیلڈ پر مقدمہ چلا تو کوئی دباؤ آیا نہ حیلے بہانے تراشے گئے اور سزا ہونے پر فلپ فیلڈ نے اسے "کینگرو کورٹ" کا نام دیا، نہ عدلیہ کا شاخسانہ قرار دیا۔ ایسے ملک میں کسی کو کیسے جرأت ہو گی کہ وہ معمولی سی بھی کرپشن کرے اور پھر اسے چھپا سکے۔

ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کی اس رپورٹ کی کریڈیبلٹی کے لیے یہی کافی ہے کہ نیوزی لینڈ کو 180 ممالک میں سرفہرست رکھا گیا ہے۔ ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کی رپورٹ کے مطابق صرف ایک سال (2009ء) میں 500 ارب روپے کی کرپشن ہوئی۔ جس ملک میں عوام نان جویں کو ترستے ہوں اور خط غربت سے نیچے زندگی گزارنے والوں میں ہر روز اضافہ ہو رہا ہو، انفرادی اور اجتماعی

حامد
اردو فینز
کیلئے

خواہشیں روز مرہ کا معمول بن چکا ہے، یہاں اتنے بڑے پیمانے پر کرپشن کا ہونا واضح کرتا ہے کہ ہماری معاشی بدحالی کی وجہ وسائل کی کمی نہیں کرپٹ نظام ہے، جو کروڑوں اور اربوں کا ہے۔ دوسری طرف تمام قوانین موجود ہوتے ہوئے بھی اس پر ہاتھ نہیں ڈالا جا سکتا ہے، جبکہ اس کے باعث انہیں "مقدس گائے" بنا دیا گیا ہے یا "مفاہمت" کے نام پر انہیں راستہ دے دیا گیا ہے۔ پاکستان نے اپنے قیام سے اب تک اگر کبھی ترقی حاصل کی ہے تو وہ کرپشن کا میدان ہے۔ یہ لوگ اسے بھی یہ کہہ کر کہ "چلو پاکستان نے کسی فیلڈ میں تو ترقی کی" قہقہوں میں اڑا دیتے ہیں۔ آج ٹرانسپرنسی رپورٹ کو سازش قرار دینے والے کل تک انہی رپورٹوں کے حوالے دے کر سابقہ حکومتوں کو کرپٹ قرار دیتے تھے۔

پاکستان کی تاریخ پر طائرانہ نظر ڈالیں تو سب سے زیادہ حکومتیں کرپشن کے الزام میں اپنے انجام کو پہنچیں، مگر آنے والی حکومت نے اس سے بڑھ کر کرپشن کی۔ کرپشن ملک سے کیسے ختم ہو جب کرپٹ مافیا کے افراد یا ان کے نمائندے حکمران ہوں اور ان کے "فرنٹ مین" سودے طے کر کے … زر بٹورنے میں دن رات مصروف عمل ہوں۔ کرپشن کے متعلق وزیر خزانہ شوکت ترین جب اس عہدہ میں اعتراف کرتے ہوں کہ "بدعنوانی سے حاصل کردہ رقم بڑے لوگوں کی جیب میں جاتی ہے اور ان بڑے لوگوں پر ہاتھ ڈالنے کے لیے حکومت کو جرأت درکار ہے۔" یہ بات … جب حکومت کی … ہو۔ پاکستان میں ایسا مذاق اب تک دیکھنے میں نہیں آیا … تب سے پیش ہے۔ این آر او (قومی لوٹ مار آرڈیننس) کے تحت … مقدمات 8041 … جنہوں نے 165 ارب کی کرپشن کی تو … 165 ارب کی کرپشن 300 افراد نے کی ہے، … دیکھنے میں نہیں آتا۔

(فروری 2010ء)

فاٹا کی مفلوج معیشت

عسکریت پسندی، دہشت اور لوگوں کی نقل مکانی کے نتیجے میں وفاق کے زیر انتظام قبائلی علاقوں کی معیشت تباہ ہو کر رہ گئی ہے اگرچہ ملک کے تمام اشاریے اسے 30 سالوں میں پسماندہ ترین علاقہ ظاہر کرتے چلے آرہے ہیں مگر 9/11 کے بعد ہونے والی جنگیں اس کے لیے ضرب شدید ثابت ہوئیں ہیں اور تقریباً تمام کاروبار، صنعتیں اور زراعت معطل ہو کر رہ گئی ہیں۔ فاٹا سیکرٹریٹ کے عہدیداروں کا کہنا ہے کہ اس خطے کو ایک کھرب 71 ارب روپے (12 ارب ڈالر) سے زائد کا نقصان ہو چکا ہے۔ ان میں وہ نقصانات شامل نہیں ہیں جو حالیہ جنگ در جنوبی وزیرستان میں نقل مکانی اور لوگوں کی بے گھری کے نتیجے میں ہوئے ہیں۔

ایک عہدیدار نے بتایا کہ فاٹا کی معیشت کو پہنچنے والا نقصان بہت بڑا ہے۔ جس کی وجہ سڑکوں اور دکانوں کی بندش، سفر اور نقل و حمل کے کرایوں میں اضافہ، بڑھتی ہوئی قیمتیں، بے روزگاری، زراعت، صنعتی پیداوار اور افغانستان سے ٹرانزٹ ٹریڈ میں کمی ہے۔

انفراسٹرکچر کی تباہی کا اندازہ 12 ارب 68 کروڑ ڈالر لگایا گیا ہے۔ جب کہ دہشت گردی سے جنگ پر ہونے والا معاشی نقصان (سفر، نقل و حمل کا نقصان مذکورہ بالا نقصان کا 75 فیصد ہے)

حامد
اردو فینز
کیلئے

[illegible] تک پہنچ گیا ہے۔ [illegible] نقصان کا اندازہ 88 ارب 80 کروڑ روپے
9 ارب 50 کروڑ روپے [illegible]
ہے جب کہ بحالی اور [illegible] افراد [illegible] کے لیے مزید 145 ارب روپے کی ضرورت ہے۔
ماحولیاتی نقصان کا تخمینہ 5 ارب روپے لگایا گیا ہے۔ فاٹا کی 90 فیصد سے زائد آبادی [illegible]
راست یا بالواسطہ طور پر زراعت اور مویشیوں سے ہونے والی اپنی آمدنی سے محروم ہو چکی ہے۔
اس کی [illegible] زیادہ تر کاشتکاری اور مویشیوں پر ہے۔ اراضی کے استعمال کے اعداد و شمار
سے ظاہر ہوتا ہے کہ فاٹا کی کل 28 لاکھ ہیکٹر اراضی میں سے صرف 7 فیصد یعنی 2 لاکھ ہیکٹر اراضی
زیر کاشت ہے اور کاشتکاری کا شعبہ بری طرح متاثر ہوا ہے۔ زرعی اور لائیو سٹاک کے شعبے
میں سرکاری املاک [illegible] کو پہنچنے والے نقصانات کا تخمینہ 4 ارب 25 کروڑ روپے لگایا گیا ہے۔
جس میں سب سے زیادہ نقصان باجوڑ میں ہوا جب کہ نجی املاک جات کو ہونے والے نقصان کا
اندازہ ۱۹.۸ ارب روپے ہے۔

[illegible] فصل [illegible] اور [illegible] کی برآمدات جو مقامی افراد کی آمدنی کا ذریعہ تھیں رک گئی ہیں۔
کاشتکاروں کو خدشہ ہے کہ انہیں 9 ارب 50 کروڑ روپے سالانہ کا نقصان ہوا ہے۔ عہدیدار کا کہنا
ہے کہ کاشتکار امن و امان کی ابتر صورتحال اور نقل مکانی کے باعث فصلیں کاشت کرنے سے
قاصر ہیں۔ زرعی پیداوار [illegible] اور ان کی بلند قیمتیں بھی ایک مسئلہ ہیں۔ قبائلی پٹی میں
[illegible] پر توجہ نہیں دی جا سکی۔ علاقے میں لائیو سٹاک سب سے زیادہ متاثر ہوا ہے۔
فاٹا میں جاری شورش نے علاقے کی اس معاشی سرگرمی پر شدید دباؤ ڈال رکھا ہے۔ جو پہلے
[illegible] اخراجات [illegible] زندگی بسر کرنے اور نقل و حمل کی لاگتوں میں کمی
[illegible] ہے۔ یہ علاقے جیسے [illegible] حکومتیں بھی ہمیشہ نظر
[illegible] یہاں نجی شعبے کی سرمایہ کاری
[illegible] دونوں کا انخلاء

[illegible] ہوئی ہے۔
پشاور میں قائم [illegible] ایک [illegible]
[illegible] پروجیکٹ [illegible] مختلف [illegible]
[illegible] گیا ہے۔ [illegible]
[illegible] منصوبے امن و امان کی ابتر صورتحال سے [illegible]
[illegible] کے لیے [illegible] تخمینہ [illegible]
[illegible] کے 3 پروجیکٹوں پر صرف 20.23 اور 37 فیصد [illegible]
[illegible] کے ایک اجلاس میں ایک [illegible]
دونوں کو ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے اور وہ [illegible] اور [illegible] کے درمیان [illegible] ہیں۔ [illegible]
دونوں کو خوش کرنا ہوتا ہے بصورت دیگر وہ [illegible] نہیں کر سکتے۔
دکانوں پر بہت کم گاہک آتے ہیں کیونکہ زیادہ تر لوگوں [illegible] مالی [illegible] ہے۔
قبائلی علاقے کے لڑکے اور نوجوان جو مختلف بڑے شہروں میں [illegible] ملازمت [illegible]
تھے۔ ان کے مالکان نے انہیں فارغ کر دیا ہے۔ عہدیدار کا یہ بھی کہنا ہے کہ [illegible]
ترقی ایک طویل المدتی پروجیکٹ ہے۔ اس کے لیے عزم و استقلال [illegible] اور امداد کی
فراہمی کی ضرورت ہے۔ بین الاقوامی برادری کو دل کھول کر امداد [illegible] چاہیئیں۔
پاکستان اور دنیا کو فاٹا میں ناکام نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ناکامی علاقے میں شدید تباہی لائے گی۔
رقوم کے فقدان، چشم پوشی، دستیاب وسائل کے استعمال میں ناکامی، سرکاری انفراسٹرکچر کی تباہی
نے معاشی سرگرمیوں کی سطح انتہائی کم کر دی ہے۔

فاٹا کا سرحد پار تجارت کے لیے اسٹریٹجک محل وقوع اور اس علاقے کے لوگوں کی اسلحہ سازی
میں مہارت ایک بڑی دولت ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ اس علاقے کے لیے سرکاری اور نجی قومی

حامد
اردو فینز
کیلئے

اور چین، قوامی سرمایہ کاری کے حصول کی کوششیں کرے۔ ایک صنعت کار سید عبداللہ نے کہا کہ فاٹا اسلحے کے کارخانوں کے لیے مشہور ہے۔ اس کے علاوہ یہاں کرومائیٹ، میگنیز، ماربل، گرینائٹ، سوپ اسٹون، تانبے، زمرد اور کوئلے کے قیمتی ذخائر موجود ہیں۔ یہ علاقہ زرخیز زمین ہے اور یہاں سستی محنت بکثرت دستیاب ہے۔ سرمایہ کاروں کو یہاں آنا چاہیے۔

دلچسپی کی بات ہے کہ ماربل کی صنعت کو کسی مشکل صورت حال کا سامنا نہیں ہے اور ان کا کاروبار پروان چڑھ رہا ہے۔ ماربل انڈسٹریل ایسوسی ایشن کے سابق چیئرمین شاہد آفریدی خان نے بتایا کہ ان کا فارمولا آسان ہے۔ وہ مقامی افراد کے ساتھ گھل مل جاتے ہیں اور مصالحت کے جذبے کے تحت چھوٹا اور چھوٹے کی بنیاد پر کام کرتے ہیں۔ انہیں کسی مسئلے کا سامنا نہیں ہے۔ اگر قبائلیوں کو شراکت کی بنیاد پر شامل کر کے پروجیکٹس شروع کیے جائیں تو یقیناً کامیابی ہوگی۔ فاٹا سیکرٹریٹ نے پائیدار ترقیاتی پروگرام 2006-2015ء تیار کیا ہے۔ جس کا تخمینہ ایک کھرب 24 ارب روپے لگایا گیا ہے۔ یہ ایک اچھا آغاز ثابت ہو سکتا ہے۔

پلان میں 10 ارب روپے زراعت کے لیے 3 ارب صنعت کے لیے 5 ارب کان کنی کے لیے رکھے گئے ہیں 1000 کلومیٹر طویل سڑکوں کی تعمیر کے لیے 6 ارب 87 کروڑ روپے دو قبائلی ایجنسیوں کو مؤثر رابطہ فراہم کرنے کے لیے ایکسپریس وے کی تعمیر کے لیے 19 ارب روپے رکھے گئے ہیں۔

(فروری 2010ء)

تیرا ہی دل نہ ہو تو بہانے ہزار ہیں

دنیا میں یہ اصول رائج ہے کہ قیمت صرف اسی چیز کی وصول کی جاتی ہے جس کی خصوصیات بہتر ہوں، کوالٹی معیاری ہو، مارکیٹ میں وہ چیز باآسانی دستیاب اور ایک عام صارف کے لئے فائدہ مند ہو مگر ہمارے ملک میں الٹی گنگا بہہ رہی ہے۔ چیز کی کوالٹی خراب ہو، مارکیٹ سے غائب ہو، لوگ حصول کے لئے مارے مارے پھر رہے ہوں تو سمجھ لیجئے کہ دام بڑھ گئے ہیں۔ دالیں، چاول، چینی، گھی، تیل، آٹا، غرضیکہ انسانی ضرورت کی وہ کونسی اشیاء ہیں جو وافر مقدار میں سستے داموں باآسانی مارکیٹ میں دستیاب ہیں۔ یہی حال گیس اور بجلی کا ہے، اکثر علاقوں میں گیس کی لوڈشیڈنگ ہے اور کئی کئی گھنٹوں کے لئے بجلی غائب ہے، جبکہ بجلی کے نظام کا یہ حال ہے کہ ذرا سی تیز ہوا چلے تو تاروں کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے، آندھی آئے تو بجلی غائب۔ گرمیوں میں تو لوڈشیڈنگ تھی ہی، لیکن سرد موسم میں بھی آٹھ آٹھ گھنٹوں کی لوڈشیڈنگ اب تو معمول کی بات بن گئی ہے، اس صورت حال میں ان گنت لوگ ذہنی مریض بن کر رہ گئے ہیں، لیکن اس سب کے باوجود طرفہ تماشہ دیکھئے کہ ایک طرف عوام لوڈشیڈنگ کا عذاب بھگت رہے ہیں تو دوسری طرف بجلی کی نرخوں میں نہ رکنے والا اضافہ ایک ایسا ظلم ہے جس کی پاکستانی تاریخ میں نظیر ملنا مشکل

اردو فینز کیلئے

سے ایسے عوام کی کمر اس لئے توڑی جا رہی ہے کہ وہ بے بس، کمزور اور مجبور ہیں۔ غربت یہاں سب سے بڑا جرم بن گیا ہے۔ یہ عجب ستم ظریفی ہے کہ ایک طرف حکومت عوام سے حمایت مانگ رہی ہے اور یہ تقاضا کر رہی ہے کہ موجودہ حکومت کے ہاتھ مضبوط کئے جائیں تو دوسری جانب وہ عوام کو دیوار سے لگا رہی ہے۔ یہ درست ہے کہ جمہوریت پاکستان کے لئے ضروری ہے، یہ بھی درست ہے کہ عوام آمرانہ دور کے غلط فیصلوں کی سزا بھگت رہے ہیں لیکن یہ جمہوریت کا کیا عجب نمونہ ہے کہ جس میں عوام کی زندگی اجیرن ہوتی جا رہی ہے۔

یہاں یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ پہلے ہی صرف پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافے سے عوام مہنگائی کے بوجھ تلے بری طرح دب چکے ہیں، اس کے باوجود بجلی کی قیمتوں میں حالیہ اضافے سے مہنگائی کا ایک ایسا طوفان آئے گا جس سے حکومت کے لئے بھی حالات پر قابو پانا مشکل ہو جائے گا، موجودہ حالات میں مہنگائی کے اس طوفان اور مختلف اداروں کی اجارہ داری سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ عوام کا کوئی پرسان حال نہیں۔ صرف جاگیرداروں، سرمایہ داروں، سیاستدانوں، حکمرانوں اور لوٹ مار کرنے والوں کے لئے ہی تمام سہولیات میسر ہو سکتی ہیں۔ غریب عوام اس وقت اپنے آپ کو بالکل تنہا اور بے سہارا محسوس کر رہے ہیں اور مایوسیوں کی انتہا تک پہنچ چکے ہیں، چنانچہ ان حالات میں عوام یہ سوال کرنے میں بالکل حق بجانب ہیں کہ حکومت کہاں ہے اور حکومت کی وہ رٹ کہاں ہے جس کے تحت عوام کو تحفظ اور سہولیات میسر آتی ہیں۔ کیا عوام کے ان سوالوں کا جواب اور مشکلات کا تدارک حکمرانوں اور سیاستدانوں کے پاس ہے؟ کیا عوام کے نام پر سیاست کرنے والوں کی یہ ذمہ داری نہیں بنتی کہ وہ عوام کے سوالوں کا جواب دیں اور ان کی مشکلات کے خاتمے کے لئے عملی اقدامات کریں لیکن یہ تو جب ہی ممکن ہے جب حکمران اور سیاست دان اپنے قلعہ نما محلات سے باہر نکل کر دیہی علاقوں اور شہروں کی غریب بستیوں میں جا کر حالات معلوم کریں تو انہیں اندازہ ہوگا کہ عوام کی اکثریت کن مصائب اور مشکلات میں

ہے۔

حیرت کی بات ہے کہ ایک طرف عوام کو دینے کے لئے حکومت کے پاس بجلی نہیں ہے تو دوسری طرف بجلی کی قیمتوں میں ہوش ربا اضافہ کر کے ان کی زندگی اجیرن بنائی جا رہی ہے۔ صورتحال یہ ہو چکی ہے کہ 2008ء میں جو لوگ ایک ہزار روپیہ بجلی کا بل ادا کر رہے تھے، وہی لوگ آج دو ہزار روپے بل ادا کر رہے ہیں۔ ستم ظریفی تو یہ ہے کہ اس عرصہ میں کروڑوں لوگوں کی آمدنی میں ایک پائی کا بھی اضافہ نہیں ہوا۔ ایک بجلی کے بلوں پر ہی کیا موقوف صرف ایک سال کے عرصہ میں اشیائے ضروریہ کی قیمتوں میں اس قدر خوفناک اضافہ ہو چکا ہے کہ پہلے لوگوں کے صرف ہاتھ کانپتے تھے اب ان کی ٹانگیں بھی لرزنا شروع ہو گئی ہیں، اس کے باوجود مہنگائی، ذخیرہ اندوزی، امن وامان کی بگڑتی ہوئی صورتحال اور بحرانوں کے بھنور میں جکڑے عوام پر حکومت کی جانب سے بجلی کی قیمتوں کے اضافے کا بم گرا دیا گیا۔ حیرت اس بات پر ہے کہ یہ سب کچھ ایک ایسی جمہوری دور حکومت میں ہو رہا ہے جس کا بنیادی نعرہ روٹی کپڑا اور مکان کی فراہمی ہے لیکن حالات یہ ہیں کہ عوام کے منہ سے روٹی، تن سے کپڑا اور سر سے مکان کا سایہ بھی چھنتا جا رہا ہے۔

امر واقعہ یہ ہے کہ حکومت نے پہلے ہی آئی ایم ایف سے کئے گئے معاہدے کے تحت یکم جنوری 2010ء سے عوام پر بجلی بم گرانے کی تیاری کر لی تھی۔ ظلم تو یہ ہے کہ 12 فیصد اضافے کی زد میں وہ لوگ بھی آئے جو غربت کی سطح سے بھی بہت نیچے زندگی گزار رہے ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ موجودہ حکمرانوں نے دو سال قبل الیکشن مہم کے دوران یقین دہانی کرائی تھی کہ عوام کو کمر توڑ مہنگائی سے نجات دلائیں گے، جبکہ 2009ء میں حکومت نے ایک وعدہ آئی ایم ایف سے بھی کیا تھا کہ بجلی کی قیمتوں میں بتدریج ہوش ربا اضافہ کر کے عوام کی کمر توڑ کر رکھ دے گی۔ حقیقت حال یہ ہے کہ عوام سے کیا گیا وعدہ تو ایفا نہ کیا گیا لیکن آئی ایم ایف سے کیا گیا ہر وعدہ پورا کیا جا رہا ہے، جس کی اصل وجہ یہ ہے کہ آج ملکی قرضوں کے حصول کے لئے حکومت آئی ایم ایف کی دست نگر اور مجبور

حامد
اردو فینز
کیلئے

... پروجیکٹ سے ... ہوگئی ہے ... ضرورت ہوگی۔

قبل ازیں بھی ... ہو چکی ہے۔

بجلی کی پیداوار سے ... کا ایک لیٹر ملنے کے بعد زیر زمین کوئلہ ... حکومت سندھ کی جانب سے ... بجلی گھر بنانے کا اعلان کیا ہے۔ ادارے اس موجود کوئلے کی گیس سے چلنے والا 400 میگاواٹ کا بجلی گھر ... دیسی ٹیکنالوجی کے استعمال سے پلاننگ کمیشن بھی ... سائنس دان ثمر مبارک مند کی مدد سے ... ذریعے زیر زمین گیس سے چلنے والا 50 میگاواٹ کا ایک بجلی گھر تعمیر کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

زیر زمین کوئلے کو گیس میں تبدیل کرنا (یو سی جی) ایک ایسا عمل ہے جس میں کوئلے کو آتش گیر مصنوعات (سِن گیس) میں بدلا جاتا ہے اور اس گیس کو بطور ایندھن یا کیمیکل استعمال کیا جاتا ہے۔ یو سی جی (انڈر گراؤنڈ کول گیسیفکیشن) سے کان کنی کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس کے لئے خصوصی کول پراسیسنگ آلات اور گیسیفکیشن ری ایکٹرز بھی درکار نہیں ہوتے۔

تاہم ذکر تحقیق اور آزمائشوں کے باوجود یو سی جی پر مبنی کوئی تجارتی طور پر جاندار پروجیکٹ ابھی تک کہیں بھی دیکھنے میں نہیں آیا ہے۔ یہ تحقیق یورپ، امریکہ، چین، سابق سوویت یونین اور ... میں کی جا چکی ہے۔

... سے بجلی پیدا کرنے کی ٹیکنالوجی آزمودہ اور دنیا بھر میں عام ہیں۔ کوئلے کو ان ممالک میں ... محفوظ اور قابل بھروسہ سمجھا جاتا ہے۔ جاپان جہاں ... ایٹمی ... سب سے بڑا درآمد کنندہ ہے۔ ڈنمارک ... 48 فیصد ... درآمد شدہ ہوتا ہے۔

... پیپلز پارٹی کی حکومت نے اگست ... کے لئے معاہدہ کیا۔ یہ درآمد شدہ

... سے بجلی تیار کرنے کا منصوبہ تھا۔ یہ یونٹ 2001 میں مکمل ہونے کی توقع تھی۔ اس سے ... پلانٹ کی جلد از جلد تعمیر کی راہ بھی ہموار ہو رہی تھی۔ تاہم 1996 میں پیپلز پارٹی کی حکومت کے تحلیل ہونے کے بعد اس یونٹ والی بات ... حکومت تھر کے کوئلے کے ذخائر استعمال کرنے کی بجائے ... کا ارادہ رکھتی تھی۔

پاکستان کو سستی بجلی کی ضرورت ہے۔ یہ مقصد ... چلنے والے بجلی گھر قائم کرکے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ حکومت نے ابھی تک اپنی توجہ ... ہے ... دوسرے آپشنز پر توجہ نہیں دے رہی ہے۔

دستیاب معلومات سے پتا چلتا ہے کہ لاکھڑا ... والے 450 میگاواٹ کے بجلی گھر کا قیام ایک قابل عمل آپشن ہے۔ لاکھڑا کول ڈویلپمنٹ کمپنی لمیٹڈ (ایل سی ڈی سی) مکمل طور پر تیار کوئلے کی 44 کانوں کی مالک ہے جن میں ہر ایک روزانہ 40 تا 50 ٹن کوئلہ پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے جبکہ 39 کانوں کو ترقی دی جا رہی ہے۔ لاکھڑا کی کانوں سے کوئلے کی سالانہ اوسط پیداوار 10 لاکھ ٹن سے زائد ہے۔ یہ پیداوار زیادہ تر خانوٹ میں واپڈا کے پاور پلانٹ اور اینٹیں بنانے کی صنعت میں استعمال ہوتی ہے۔ 2008 تک یہاں سے 30 لاکھ ٹن کوئلہ نکالا گیا تھا۔

سندھ کول اتھارٹی نے کوئلے کے پیمائش کردہ ذخائر کا اندازہ 24 کروڑ 60 لاکھ ٹن لگایا ہے۔ جب کہ لاکھڑا کول فیلڈ میں ایک ارب 32 کروڑ 80 لاکھ ٹن کوئلے کی موجودگی کی علامتیں موجود ہیں۔ تخمینوں کے مطابق 450 میگاواٹ بجلی تیار کرنے والے بجلی گھر کے لئے 30 سال تک 9 کروڑ ٹن جبکہ 150 میگاواٹ بجلی کے لئے 3 کروڑ ٹن کوئلے کی ضرورت ہوگی۔ ان اندازوں سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ 600 میگاواٹ کے بجلی گھر کو تیس سال تک چلانے کے لئے 12 کروڑ ٹن کوئلہ درکار ہوگا۔ جس کے لئے 16 کروڑ 20 لاکھ ٹن کوئلے کی ضرورت ہوگی۔

[illegible]

(فروری 2010ء)

OO

پانی پر صوبے آپس میں ٹکرا جائیں گے؟

پانچ سات سال پہلے جب [illegible] کی طرف سے بھارتی آبی جارحیت [illegible] بلند ہوا تو بھارتی حکومت نے [illegible] پر اعتراض [illegible] اڑانے والے پاکستانی دانشوروں نے اسے [illegible] بھارت [illegible] پسندانہ قدم قرار دے کر [illegible] کہ یہ صرف [illegible] میں آبی [illegible] کشمیر میں [illegible] بھارتی حکومت [illegible] چناب [illegible] ڈیم بنانے کے منصوبے [illegible] ہم نے [illegible] لیا۔ خصوصاً بھارت کے مقبوضہ کشمیر میں [illegible] آزادی [illegible] آئی۔ اس [illegible] بھارتیوں نے انتہائی [illegible] فائدہ اٹھا کر پاکستان کے پانی پر ڈاکہ زنی کرتے ہوئے پاکستان کو [illegible] قحط سے دوچار کرنے کا گھناؤنا منصوبہ بنالیا ہے۔

عالمی بینک کے تحت 1960ء میں پنڈت جواہر لال نہرو وزیر اعظم بھارت اور فیلڈ مارشل محمد ایوب خان صدر پاکستان کے درمیان سندھ طاس معاہدہ پر دستخط ہوئے۔ جس کے مطابق دریائے سندھ، جہلم اور چناب کا پانی پاکستان کو ملنا تھا جب کہ دریائے راوی اور بیاس کے پانی کا

اردو فیئر کیلئے

حقدار بھارت کو بنایا گیا۔ دریائے سندھ کا 20 فیصد پانی بھارت کو ملنا تھا۔ اور شرط یہ تھی کہ بھارت اس پر کوئی ڈیم نہیں بنائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ بھارت اس وقت دریائے سندھ پر تین ڈیم بنا رہا ہے۔ جس سے پاکستان میں قحط سالی کا خطرہ لاحق ہو چکا ہے۔ ان میں سے پہلا ڈیم نیمو بازگو، دوسرا ڈگار اور تیسرا ڈیم لیہ خالصی یا ٹالیک ہے۔ ان سے بھارت 200 میگاواٹ سے زیادہ بجلی حاصل کرے گا۔ بھارت نے حسب معمول اس معاہدے کی بھی خلاف ورزی کی اور مسلسل کرتا چلا آ رہا ہے۔ کئی مرتبہ اس مسئلے پر مذاکرات ہوئے لیکن ہر دفعہ بھارت کی ہٹ دھرمی آڑے آئی حتیٰ کہ کچھ بین الاقوامی ضمانت داروں نے بھی ان مذاکرات میں شمولیت کی۔ سوال اٹھتا ہے کہ جو معاہدہ ابتدائی برسوں میں منظور ہوا تھا آج تک اس کی پاسداری کیوں نہ کی گئی۔ کیا اسے پاکستانی حکمرانوں کی بزدلی سے تعبیر کیا جائے کہ وہ اپنے جائز حق کے لئے بھی آواز نہ اٹھا سکے۔ اب تو نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ بھارت نے مقبوضہ کشمیر میں پاکستان کی طرف بہنے والے دریاؤں پر کئی کئی ڈیم بنا لئے ہیں۔ یہاں تک کہ دریائے چناب کے بہاؤ کو کم یا زیادہ کرنے کا اختیار بھی اس کے پاس ہے۔ پاکستان اور بھارت کے درمیان 2000ء میں اس وقت تنازعہ کھڑا ہو گیا۔ جب بھارت نے دریائے چناب پر بگلیہار ڈیم کی تعمیر شروع کی بلکہ 10-20 ڈیموں کی مزید منصوبہ بندی کر رکھی ہے اور دریائے جہلم پر کشن گنگا ہائیڈرو پاور بنانے کی تیاری کر رہا ہے۔ اس میں افسوسناک پہلو یہ ہے کہ کئی سال تک پاکستان غفلت میں پڑا رہا۔ دانستہ یا غیر دانستہ جو بے شک ناقابل معافی عمل ہے۔ پاکستان چونکہ ایک زرعی ملک ہے اور ہماری خوراک اور درآمدات کا 80 فیصد انحصار برآمدی مقاصد سے ہونے والی فصلوں پر ہے جس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ بھارت نے پاکستان کو بنجر بنانے کی منصوبہ بندی کر لی ہے۔ اس کوتاہی کی انکوائری ہونی چاہیے۔ 2007ء میں پاکستان کی شکایت پر اس وقت تک سب کچھ بن چکا تھا۔ عالمی بینک نے [illegible] اعتراضات کو درست قرار دیتے ہوئے بھارت کو ہدایت جاری کیں کہ ڈیم

کی اونچائی ڈیڑھ میٹر کم کی جائے۔ ڈیم کے ذخیرے کی استعداد پچاس لاکھ کیوبک میٹر کم ہونے والے 37 ملین کیوبک میٹر کم کر کے 32 ملین کیوبک میٹر تک لایا جائے۔ بھارت کو ڈیم حاصل کرنے کے لئے مزید 3 میٹر اونچائی سے پانی لینا ہو گا۔ بجائے اس کے کہ ان تین اعتراضات کو دور کیا جاتا۔ بھارت نے اپنی روایتی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے چناب کا پانی بھی روک لیا۔ جس کی وجہ سے پنجاب میں کپاس اور گنے کی فصلیں بری طرح متاثر ہوئیں اور پاکستان کو 40 فیصد پانی کی کمی کا سامنا کرنا پڑا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پاکستان کے مرالہ، قادرآباد اور تریمو ہیڈورکس سے نکلنے والی چار اور تین لنک نہریں جو لاکھوں ایکڑ رقبے کو سیراب کر رہی تھیں قحط سالی اور غذائی بحران پیدا کرنے کا سبب بن گئیں۔ جس کی وجہ سے ضلع سیالکوٹ، گوجرانوالہ، شیخوپورہ، جھنگ اور ساہیوال وغیرہ کے لاکھوں ایکڑ رقبے کے بنجر ہونے کا شدید خطرہ لاحق ہے۔ بھارت نے ہمارے بار بار احتجاج کو در خور اعتنا نہیں جانا۔

پاکستان کو اپنے مطالبات کے لئے اقوام متحدہ کا دروازہ کھٹکھٹانا چاہیے۔ جس پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ بھارت کو سندھ طاس معاہدہ کی پابندی سے عمل درآمد کروائے۔ اسی دوران پاکستان کو مزید برٹش ماہرین سے بھی گلوخلاصی کرنی ہے۔ اور ملک میں اپنے ماہرین تیار کرے۔ برٹش ماہرین کی ہمدردیاں پاکستان کے ساتھ ہو ہی نہیں سکتیں۔ اب تو حد ہو گئی ہے یہ باتیں کی جانے لگی ہیں کہ پاکستان میں پانی کی کمی کی وجہ سے قحط سالی کا خطرہ پیدا ہو رہا ہے۔ ظاہر ہے جب پانی نہیں ہو گا تو فصلیں نہیں ہوں گی اور جب فصلیں نہیں ہوں گی تو خوراک کی کمی پیدا ہو گی اور بجلی سے بھی بڑا بحران ہو گا۔ بھارت نے خفیہ طور پر مقبوضہ کشمیر میں چھوٹے بڑے 62 ڈیمز بنا رکھے ہیں اور بناتا چلا جا رہا ہے اور مکاری یہ ہے کہ پاکستان کی جانب بہنے والے دریاؤں اور ندی نالوں کا رخ بھارت کی طرف موڑتا چلا جا رہا ہے اور ہم ڈیموں پر صرف سیاست کر رہے ہیں۔ بھارت اپنی سازش میں کامیاب ہے اور پاکستان کو بنجر کرنے کے پروگرام پر کاربند ہے۔ زراعت کی بات تو الگ رہی اب تو ہمارے بڑے بڑے شہروں

میں پینے کے پانی کی کمی کی دھمکی ہو رہی ہے۔ ملک کے [illegible] حکومت کوئی ہیں۔ جس پینے سے پانی
میں 40 فیصد کی کمی ہو رہی ہے اور پانی کی [illegible] بندی کی بھی خبریں ہیں۔ [illegible]
بھی ہے۔ جس میں 3 گھنٹے پینے کا پانی میسر ہوتا ہے اور لوگ اس کو بھی بجلی کی موٹروں سے کھینچ پاتے
ہیں۔ ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ بھارت ڈیمز بنا رہا اور ہم خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہے
ہیں۔ [illegible] اپنے ملک میں [illegible] 95% [illegible] ڈیمز بنا رہا ہے جن کی اونچائی 200 فٹ
ہے۔ [illegible] 51%، ایران 48%، جاپان 40% اور بھارت مزید 10% [illegible]
رہا ہے۔ اس کے برعکس پاکستان کے موجودہ دو بڑے ڈیمز منگلا اور تربیلا ڈیمز اپنی عمر پوری کر چکے
ہیں [illegible] ان کی پانی ذخیرہ کرنے کی استعداد کم ہو چکی ہے اور یہ تقریباً مردہ لیول
تک پہنچ چکے ہیں۔ جس کی وجہ سے 4 کروڑ ایکڑ زمین کے بنجر ہونے کا خطرہ پیدا ہو چکا ہے۔
خوفناک پہلو یہ ہے کہ پاکستان میں فی کس پانی کی استعداد جو 1951ء میں 5200 کیوبک میٹر
تھی۔ اس وقت 1100 کیوبک میٹر تک پہنچ چکی ہے اور 2025ء تک 550 کیوبک میٹر فی کس
پہنچنے کا خطرہ پیدا ہو چکا ہے۔ پھر جس رفتار سے ہماری آبادی بڑھ رہی ہے۔ اس کے حساب سے
ہماری فی کس پانی کی استعداد 1951ء سے ڈبل ہونی چاہیے تھی لیکن سب کچھ اس کے برعکس ہو رہا
ہے۔ آپ کو یہ جان کر بھی دکھ ہوگا کہ ہماری 55 فیصد آبادی کو پینے کا پانی میسر نہیں۔ بین الاقوامی
خبروں کے مطابق بھارت پاکستان کو ایک اور جھٹکا دینے والا ہے۔ بھارت نے پنجاب کو بنجر کرنے
کے لئے دریائے چناب پر "پاکل ڈل" (PAKAL DUL) ڈیم بنانے کی منصوبہ بندی کر لی
ہے۔ جو [illegible] سے تین گنا بڑا ہوگا۔ اس ڈیم کی وجہ سے چناب کا 30 لاکھ ایکڑ فٹ پانی
[illegible] ہو جائے گا۔ اس منصوبے کا محل وقوع جموں کشمیر کشتوار نیشنل پارک ہے۔ اس سے پہلے
[illegible] 24 فیصد [illegible] چکا ہے۔ پہلے ہی پاکستان میں پانی کی کمی 30-40 فیصد تک کم
[illegible] 50 فیصد تک جا سکتی ہے۔ [illegible] کے مقام پر بھارت نے زیر

[illegible] 35 [illegible]
پاکستان واٹر فورم نے بھارت کی طرف سے پانی کی جارحیت [illegible]
[illegible]
بنیادی مقصد پاکستان کے اندر [illegible] میں بھارت کی آبی جارحیت سے
[illegible] میں امریکہ اور دوسرے اہم ممالک کو آگاہ کرنے سے قوم اور اداروں [illegible]
کرنے کے لئے ایک مربوط عملی لائحہ عمل بنانا ہے [illegible] بھارت میں [illegible]
فورم نے پہلے فیڈریشن چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری اور زرعی تنظیموں جن میں پاکستان
[illegible] فورم، متحدہ کسان محاذ، فارمرز ایسوسی ایشن آف پاکستان اور کسان بورڈ وغیرہ شامل ہیں۔
کے نمائندوں کو پہلے ہی آن بورڈ کر لیا ہے۔ پاکستان واٹر فورم کے کنوینر شہزادہ [illegible] ملک نے اس
سلسلہ میں ہونے والے اجلاس کے دوران بتایا کہ بھارت 120 ارب ڈالر کی لاگت سے بڑے
پانی ذخیرے تعمیر کر رہا ہے۔ یہ منصوبے 2016ء میں مکمل ہوں گے۔ انہوں نے خبردار کیا کہ
بھارت ہمسایوں ملکوں چین، بنگلہ دیش اور بھوٹان کے ساتھ پہلے ہی پانی کے تنازعات میں ملوث ہیں
اور اب پاکستان کے خلاف اس نے آبی جارحیت شروع کر رکھی ہے۔ انہوں نے کہا کہ بھارت کا
جارحانہ رویہ 1948ء سے چل رہا ہے۔ پاکستان کے وجود کو ختم کرنے کے لئے بھارت
منصوبے بنا رہا ہے۔ اس سلسلہ میں عالمی بینک کے ایک ماہر ڈیوڈ لی لینتھال نے اپنی ایک رپورٹ
میں 1948ء میں خبردار کیا تھا کہ وہ تمام دریا جن پر پاکستان کا انحصار ہے۔ پاکستان کے لئے
زندگی کا درجہ رکھتے ہیں۔ یہ تمام دریا بھارت اور کشمیر سے نکلتے ہیں اور پانی کے بغیر ایک ہفتے کے
دوران پاکستان کی دو کروڑ ایکڑ اراضی خشک ہو جائے گی اور کئی کروڑ افراد قحط سالی کا شکار ہو جائیں
گے۔ ان کا کہنا تھا کہ دنیا کی کوئی فوج بموں اور شیل فائر کے ذریعہ اس طرح دوسری قوم کو تباہ نہیں
کر سکتی۔ جس طرح بھارت پاکستان کے لئے دریاؤں کے پانی کو روک کر اسے تباہ کر سکتا ہے۔

[illegible] پاکستان میں پانی کے ذخیرہ [illegible]
بحیثیت پاکستانی ہمیں اپنے اندر بھی [illegible]
سے قوم کو [illegible] کے لئے کوششیں کر رہی ہیں۔ انہیں بھی اس بارے میں سوچنا چاہیے کہ ان دو
پاکستان کی [illegible] وابستہ ہے۔ ان کی کوششوں سے اگر پاکستان کے دشمنوں کو فائدہ پہنچتا ہو تو کس
سے کام کر رہے ہیں؟ اس سے بھارت میں ڈیم تعمیر کرنے والی قوتوں کو تقویت حاصل ہو رہی ہے۔
پاکستان کے ذخائر آبی ذخیرہ [illegible] کے لئے اتفاق رائے ہو نہیں پا رہا اور اپنے حریف ملک سے
پیچھے پڑ گئے ہیں۔ یہ صورت حال سیاسی اور غیر سیاسی قوتوں کو ملک کی [illegible] پیش خطرات سے
نمٹنے کے لئے متحد ہونے کا سبق دے رہی ہے۔ کیا ہم اس سے بحیثیت قوم سبق حاصل کریں گے؟
انڈس ریور سسٹم اتھارٹی (ارسا) کی طرف سے پنجاب کے لئے چشمہ جہلم لنک کینال کھولنے
کے فیصلے اور پنجاب کی طرف سے حصے سے زیادہ پانی کے استعمال پر بلوچستان اور سندھ کے تحفظات
[illegible] ہے۔ پنجاب کو [illegible] کے تحت حصے سے زیادہ پانی استعمال
کرنے [illegible] معاہدے کے مطابق ہمیں پانی نہیں دے رہا۔ ارسا کے فیصلے کے مطابق چشمہ
جہلم لنک کینال کھولنے کے جواب پنجاب دریائے سندھ سے روزانہ 6 ہزار کیوسک پانی حاصل
کرے گا۔ [illegible] پنجاب کے وزیر اعلیٰ شہباز شریف کا بیان بھی سامنے آیا۔ جس میں انہوں نے
پانی پر پنجاب کے حق سے کسی بھی طور پر دستبردار نہ ہونے کا اعلان کیا۔ [illegible] کے مطابق ان کا یہ
بیان سندھ [illegible] میں [illegible] کی جانب سے پنجاب پر پانی کی چوری کے الزام کے ردعمل میں
سامنے آیا۔ سندھ [illegible] اس الزام پر پنجاب اسمبلی میں شدید ناراضگی کا اظہار ہوا تھا۔ دوسری
جانب وفاقی وزیر پانی و بجلی راجہ پرویز اشرف نے وزیر اعلیٰ سندھ سید قائم علی شاہ سے ملاقات کر کے
انہیں یقین دہانی کرائی ہے کہ سندھ کو اس کے حصے کا پانی فراہم کیا جائے گا۔ اس ملاقات سے قبل وزیر
[illegible] کہا تھا کہ چشمہ کینال سے پنجاب کو پانی کی فراہمی
[illegible] 1991 کے معاہدے کے برخلاف ہے۔ جس میں چشمہ کینال کا

ہوگئی ہیں۔ [illegible] پانی کی
ہڑپ کرنے [illegible] کرتے ہوئے اس نے [illegible]
[illegible] پانی پر [illegible] ہے جب بھارت
[illegible] پاکستانی حکومت اس [illegible] بات کی
[illegible] پانی کے [illegible] میں [illegible] صورت [illegible]
پاکستان کے خلاف بھارت کی آبی جارحیت [illegible]
[illegible] کرایا جائے۔ صوبوں کے درمیان پانی کی تقسیم سے متعلق [illegible]
کے اسی طرح سنجیدہ مذاکرات سے [illegible] ہو چکی۔ جس طرح [illegible]
[illegible] کی۔ ساتھ ساتھ صوبوں و ملک میں نئے آبی ذخائر کی تعمیر [illegible]
واضح فیصلہ کر لینا چاہیے۔ ورلڈ بینک کے ماہر [illegible] نے بھارت کی طرف سے
ہونے والی آبی جارحیت کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ بھارت کی طرف سے نصب
مکمل ہونے پر صرف ایک ہفتہ پاکستان کا پانی روکنے سے پاکستان کی 2 کروڑ ایکڑ [illegible]
جائے گی۔ آج ہمارے صوبے ایک دوسرے سے اس مسئلے پر جھگڑ رہے ہیں [illegible] بھارتی سازش
کامیاب ہوتی دکھائی دے رہی ہے۔ پانی کسی بھی قوم کی زندگی موت کا مسئلہ ہوتا ہے۔ دنیا کی بڑی
بڑی تہذیبیں پانی کی کمی سے کھنڈرات میں تبدیل ہو چکی ہیں۔ بھارتی حکمرانوں نے نہ صرف ہمارا
پانی روک کر پاکستانی زراعت کے سینے میں زہریلا خنجر گھونپا ہے بلکہ اس مسئلے پر صوبوں کو بھی آپس
میں لڑانے جا رہا ہے۔ اب بھی وقت ہے کہ پاکستان تمام مصلحتیں ایک طرف رکھ کر ساری قوم اس
مسئلے کی سنگینی کا احساس کرتے ہوئے بھارت سے اپنا حق حاصل کرے بصورت دیگر پاکستان معاہدہ
سندھ طاس سے علیحدگی کا اعلان کرے ورنہ ایتھوپیا بننے کے لئے تیار رہے۔

(.2010ء..)

بحیثیت پاکستانی ہمیں اپنے اندر بھی ... چاہیے کہ جو قوتیں پاکستان میں پانی کے ذخیرہ [illegible]
کے قیام کو روکنے کے لئے کوششیں کر رہی ہیں۔ انہیں بھی اس بارے میں سوچنا چاہیے کہ دشمن [illegible]
پاکستان کی تباہی سے وابستہ ہے۔ ان کی کوششوں سے اگر پاکستان کے دشمنوں کو فائدہ ہو رہا ہے تو وہ کس
لئے کام کر رہے ہیں۔" اس سے بھارت میں ڈیم تعمیر کرنے والی قوتوں کو تقویت حاصل ہو رہی ہے۔
پاکستان کے اندر تو آبی ذخیرہ گاہوں کے لئے اتفاق رائے ہو نہیں رہا اور وہ اپنے حریف ملک سے
پیچھے پڑ رہے ہیں۔ یہ صورتحال تمام سیاسی اور غیر سیاسی قوتوں کو ملک کی بقا کو درپیش خطرات سے
نمٹنے کے لئے متحد ہونے کا سبق دے رہی ہے۔ کیا ہم اس سے بحیثیت قوم سبق حاصل کریں گے؟"

انڈس ریور سسٹم اتھارٹی (ارسا) کی طرف سے پنجاب کے لئے چشمہ جہلم لنک کینال کھولنے
کے فیصلے اور پنجاب کی طرف سے حصے سے زیادہ پانی کے استعمال پر بلوچستان اور سندھ نے تحفظات کا
اظہار کیا ہے اور کہا ہے کہ پنجاب کو ہم نے خیرسگالی کے جذبے کے تحت حصے سے زیادہ پانی استعمال
کرنے دیا لیکن اب ہمارے حصے کے مطابق ہمیں پانی نہیں دے رہا۔ ارسا کے فیصلے کے مطابق چشمہ
جہلم لنک کینال کھولنے کے جواب میں پنجاب دریائے سندھ سے روزانہ 6 ہزار کیوسک پانی حاصل
کرے گا۔ اسی دوران پنجاب کے وزیراعلیٰ شہباز شریف کا بیان بھی سامنے آیا۔ جس میں انہوں نے
پانی پر پنجاب کے حق سے کسی بھی طور پر دستبردار نہ ہونے کا اعلان کیا۔ مبصرین کے مطابق ان کا
بیان سندھ اسمبلی میں بعض ارکان کی جانب سے پنجاب پر پانی کی چوری کے الزام کے ردعمل میں
سامنے آیا۔ سندھی ارکان کے اس الزام پر پنجاب اسمبلی میں شدید ناراضگی کا اظہار ہوا تھا۔ دوسری
جانب وفاقی وزیر پانی و بجلی راجہ پرویز اشرف نے وزیراعلیٰ سندھ سید قائم علی شاہ سے ملاقات کر کے
انہیں یقین دہانی کرائی۔ سندھ کو اس کے حصے کا پانی فراہم کیا جائے گا۔ اس ملاقات سے قبل وزیر
اعلیٰ سندھ [illegible] چشمہ جہلم لنک کینال سے پنجاب کو پانی کی فراہمی
[illegible] 1991 کے معاہدے کی خلاف ورزی ہے۔ جس میں چشمہ جہلم لنک کینال کا

جاری نہیں ہو رہا ہے۔ سندھ کا یہ [illegible] ایک [illegible] چشمہ [illegible] کینال سے پنجاب کو پانی
دینا سخت احتجاج کرتے ہوئے اس فیصلے سے [illegible]
پیدا ہو گیا ہے۔ صوبوں کے درمیان پانی پر یہ تنازع ایسے وقت میں ہو رہا ہے جب بھارت
کی جانب سے پاکستان کی حکومت اس پر [illegible]
کے صوبائی حکومتیں پانی کے [illegible] آپس میں الجھی ہوئی ہیں [illegible]
پاکستان کے خلاف بھارت کی آبی جارحیت [illegible]
پیدا کیا جائے۔ صوبوں کے درمیان پانی کی تقسیم کے تنازعات [illegible]
کی طرح سنجیدہ مذاکرات سے حل ہو سکتے ہیں۔ جس طرح [illegible]
ہے ہو گئی۔ ساتھ ساتھ صوبوں کو ملک میں نئے آبی ذخائر کی تعمیر کے حوالے سے بھی کوئی متفقہ
فیصلہ کر لینا چاہیے۔ ورلڈ بینک کے ماہر پانی [illegible] بھارت کی طرف سے
ہونے والی آبی جارحیت کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ بھارت کی طرف سے منصوبے
مکمل ہونے پر صرف ایک ہفتہ پاکستان کا پانی روکنے سے پاکستان کی 2 کروڑ ایکڑ زرعی زمین بنجر
ہو جائے گی۔ آج ہمارے صوبے ایک دوسرے سے اس مسئلے پر جھگڑ رہے ہیں اور یوں بھارتی سازش
کامیاب ہوتی دکھائی دے رہی ہے۔ پانی کسی بھی قوم کی زندگی موت کا مسئلہ ہوتا ہے۔ دنیا کی بڑی
بڑی تہذیبیں پانی کی کمی سے کھنڈرات میں تبدیل ہو چکی ہیں۔ بھارتی حکمرانوں نے نہ صرف [illegible]
پانی روک کر پاکستانی زراعت کے سینے میں زہریلا خنجر گھونپ دیا ہے بلکہ اس مسئلے پر صوبوں کو بھی آپس
میں لڑانے جا رہے ہیں۔ اب بھی وقت ہے کہ پاکستان تمام مصلحتیں ایک طرف رکھ کر ساری قوم اس
مسئلے کی سنگینی کا احساس کرتے ہوئے بھارت سے اپنا حق حاصل کرے بصورت دیگر پاکستان معاہدہ
سندھ طاس سے علیحدگی کا اعلان کرے ورنہ [illegible] بننے کے لئے تیار رہے۔

(.. 2010ء)

پاکستان برائے فروخت نہیں!

یوں تو ہماری حکومتی پالیسیوں کی وجہ سے ہر نیا دن اس مملکت خداداد کے بے بس اور بے کس عوام پر کبھی بجلی گرا کے طلوع ہوتا ہے کبھی پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں کا عذاب نازل ہوتا ہے کبھی بجلی، گیس کے ریٹس بیٹھے پر چھری چلاتے ہیں اور کبھی پاکستان کی بے گناہ بیٹی عافیہ صدیقی کے ساتھ ہر کسی انصاف کا فقدان ہوتا ہے لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے حکومت نے پاکستانی وسائل کی بھی سیل لگا رکھی ہے اور خود کو روشن خیال ثابت کرنے کے لئے ایسے جارحانہ اقدامات کئے جاتے ہیں کہ جن کی قیمت ادا کی جا رہی ہے۔ ان میں افغان ٹرانزٹ ٹریڈ بھی شامل ہے۔ جس سے پاکستانی معیشت کو سالانہ ڈھائی ارب ڈالر کا جھٹکا لگ رہا ہے۔

افغانستان پر روسی یلغار، لاکھوں مہاجرین کی میزبانی، طالبان حکومت کے خاتمے کے لئے امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی فوج کشی اور بعد میں دہشت گردی کے خلاف جنگ نے صوبہ سرحد کی معیشت اور امن و امان کو تباہ کر دیا ہے۔ پورے صوبے اور اس کے ساتھ ملحقہ قبائلی علاقوں میں آئے روز خودکش حملوں اور دھماکوں میں جاں بحق اور زخمی ہونے والوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ چکی ہے۔ آگ و آہن کی بارش رکی نہیں جنازے اب

ہی اٹھ رہے ہیں۔ صوبہ سرحد تو اپنے مخصوص جغرافیے و معیشت و صنعت و تجارت کے لئے میں دوسرے صوبوں سے پیچھے رہا۔ افغانستان سے واقفیت اور افغان مہاجرین سے تعلق کی وجہ سے پیچھے چلا گیا ہے۔ بڑی تعداد میں مہاجرین کے ہجرت سے ... میں رہتے ہیں بلکہ ٹرانسپورٹ اور بزنس افغانیوں کے ہاتھوں میں ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ پاکستان کی مجموعی معیشت کو ایک بڑا نقصان افغانستان کے ساتھ تجارت کی وجہ سے ہونے والے اضافے کا پڑ رہا ہے۔ ٹرانزٹ ٹریڈ ایک عالمی اصول ہے۔

اس میں وہ ملک جس کے پاس اپنی بندرگاہ نہ ہو اپنے قریبی ہمسایہ ملک کی پورٹ سے تجارت درآمد کرتا ہے۔ افغان ٹرانزٹ ٹریڈ کے تحت درآمد ہونے والی اشیاء پر کوئی ڈیوٹی نہیں لی جاتی جبکہ حکومت پاکستان اپنی ضروریات کے لئے درآمد کی جانے والی اشیاء پر 35 سے 40 فیصد ڈیوٹی وصول کرتی ہے۔ ہماری بزنس کمیونٹی کسٹم اور دوسرے ذمہ داران کے ساتھ مل کر افغان ٹرانزٹ ٹریڈ کی آڑ میں آنے والے مال تجارت کو بغیر کوئی ڈیوٹی ادا کئے مقامی مارکیٹ میں رکھ دیتی ہے جس سے حکومت کو محصولات کی مد میں ہر سال 2 سے ڈھائی ارب ڈالر کا نقصان برداشت کرنا پڑ رہا ہے۔ فیڈرل بورڈ آف ریونیو کے چیئرمین تنویر احمد نے گزشتہ روز فنانس سے متعلق قومی اسمبلی کی قائمہ کمیٹی کو بتایا کہ افغان ٹرانزٹ ٹریڈ کی آڑ میں 4 سے 5 ارب ڈالر کی اشیاء اسمگل ہو رہی ہیں۔ جس سے ہماری معیشت بھاری نقصان سے دوچار ہے۔ قومی اسمبلی کی قائمہ کمیٹی کے اجلاس کی کارروائی اور نجی ٹی وی کی ایک خصوصی رپورٹ کے نتیجے میں جو حقائق سامنے آئے ہیں۔ ان کے مطابق 3 کروڑ کی آبادی والے ملک افغانستان کے لئے جو جنگ سے تباہ حال ہے اور وہاں غربت کی شرح بھی زیادہ ہے۔ سترہ کروڑ آبادی والے ملک پاکستان سے زیادہ الیکٹرانکس کی مصنوعات، خوردنی تیل اور دیگر اشیاء درآمد ہو رہی ہیں۔ کسٹم حکام کے مطابق افغانستان کے لئے الیکٹرانک مصنوعات اور خوردنی تیل کے ساتھ زیادہ منگوائی جانے والی اشیاء میں چائے، ٹائر، کپڑا اور دیگر

اردو فنڈ کیلئے

[illegible] پاکستان میں [illegible] ہیں۔ اس [illegible] تمام [illegible] افغانستان [illegible] الف بی آر [illegible] [illegible] سے جاری [illegible] نہیں [illegible] افغانستان [illegible] وقت [illegible] سامان ہے۔ [illegible] سرحد [illegible] ہیں۔ [illegible] صنعت کو بری طرح متاثر کر رہی ہے۔

[illegible] وزیر مالیات [illegible] سوال کیا کہ پاکستان کے راستے افغانستان [illegible] افواج کو بھارت سے رسد اور دیگر ساز و سامان کیوں جا رہا ہے؟ [illegible] افغانستان پر امریکی حملے سے ان سے جاری ہے اور بھارت مال [illegible] افغانستان میں ناٹو افواج کو بھیجا جاتا ہے۔ انہوں نے یہ بھی [illegible] 1965ء [illegible] افغانستان پاکستان راہداری کے معاہدے کا اطلاق بھارت پر اس [illegible] بھارت کا سامان پاکستان کے راستے افغانستان لے جانے [illegible] درمیان معاہدہ ہوا تھا۔ جس کی رو سے پاکستان کسٹم کا [illegible] پر محصول عائد کر سکتا ہے۔ نیز ناٹو درآمد کردہ بھارتی [illegible] کا بھی پابند نہیں ہے۔ وزیر موصوف نے یہ بھی بتایا کہ یہ معاہدہ وفاقی حکومت [illegible] کیا گیا تھا۔ موجودہ حکومت [illegible] قرار دے [illegible]۔ (ڈان [illegible] فروری 2010ء)

[illegible] کھیپ بھارت سے افغانستان بھیجی گئی تھی۔

[illegible] NRAI [illegible] NATO [illegible] (ڈان [illegible] 2010ء) [illegible] پاکستان [illegible] 17 [illegible] 1954ء [illegible] امریکہ [illegible] 8 ستمبر 1954ء [illegible] پاکستان [illegible] جنوب مشرقی ایشیائی معاہدے پر دستخط کر دیئے تھے۔ [illegible] اس وقت [illegible] اپنی ریڈیائی تقریر میں اس بات کی نشاندہی کی تھی اور یہ بھی بتایا [illegible] خان نے نیٹو کے معاہدے پر دستخط کر دیئے لیکن یہ سب [illegible] تھی۔ [illegible] پاکستان تو اس معاہدے کو [illegible] یا پارلیمان [illegible] پارلیمان میں [illegible] مشرقی پاکستان کی عوامی لیگ (بھاشانی گروپ) نے سب سے ان معاہدوں کی مخالفت کی تھی حتی کہ عوامی لیگ کے رہنما اور 1957ء میں پاکستان کے وزیر اعظم حسین شہید سہروردی نے ان معاہدوں کی حمایت کی تھی۔ ان کا نقطہ نظر یہ تھا کہ اس بہانے پاکستان کو جدید ترین اسلحہ مل جائے گا اور جہاں تک اسلحہ کے استعمال کا تعلق ہے تو اگر پاکستان پر بھارت حملہ کرتا ہے تو ہم یہ نہیں دیکھیں گے کہ امریکی امداد میں دیا گیا اسلحہ معاہدے کی رو سے صرف اشتراکی ممالک کی جارحیت کے خلاف استعمال کیا جا سکتا ہے۔ بھارت کے خلاف نہیں لیکن پاکستان کے محب وطن رہنما اس معاہدے کے خلاف تھے۔ ان کا سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ پاکستان کو سوویت یونین اور عوامی جمہوریہ چین سے کوئی خطرہ نہیں ہے جبکہ بھارت نے بین الاقوامی معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کشمیر پر قبضہ کر لیا ہے اور اس نے 1950ء میں پاکستان کی سرحدوں پر اپنی 90 فیصد فوج صف آرا کر دی تھی۔

اردو فینز
کیلئے

ان رہنماؤں نے اس بات پر شدید طور سے اعتراض کیا تھا کہ اس معاہدے کے تحت پاکستان نے امریکہ کو اپنی سرزمین پر فوجی اڈے دے دیئے ہیں جو سوویت یونین اور چین کے خلاف استعمال ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ اس صورت میں ان ممالک کے پاکستان کے ساتھ تعلقات متاثر ہو سکتے ہیں۔ ان رہنماؤں میں مغربی پاکستان میں میاں افتخارالدین، خان عبدالغفار خان، [illegible] خان اچکزئی وغیرہ شامل تھے جبکہ مشرقی پاکستان سے مولانا عبدالحمید بھاشانی اور ان کے ہمنوا شامل تھے۔ اگر اس زمانے کے پاکستان ٹائمز، امروز اور ہفت وار جریدہ لیل و نہار کے شمارے دیکھے جائیں تو ان کی خبروں کی سرخیاں، ان کے اداریے اور ان کے مضامین ان فوجی معاہدوں پر تنقید سے بھرے پڑے ہوں گے۔ لیکن اردو اور انگریزی کے ایسے بھی کثیر الاشاعت روزنامے ہیں جو ان معاہدوں کے حق میں رطب اللسان تھے اور اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ جدید امریکی فوجی ساز و سامان کے ذریعے وہ کشمیر کو بھارت سے آزاد کرا لیں گے لیکن جب ستمبر 1965ء میں ہند پاک جنگ ہوئی جو کشمیر سے شروع ہوئی تھی تو امریکہ اور جنوبی مشرقی ایشیائی معاہدے SEATO نے پاکستان کی اس بات پر مذمت کی کہ وہ امریکی سامان حرب بھارت کے خلاف استعمال کر رہا ہے جبکہ یہ اسلحہ اسے پاکستان پر سوویت یونین اور عوامی جمہوریہ چین کے حملے سے دفاع کے لیے دیئے گئے تھے۔

اس جنگ میں طرفہ کی بات یہ تھی کہ جب امریکہ نے اس بنا پر پاکستان کی امداد بند کر دی تو جنگ میں تباہ شدہ ٹینکوں، توپوں اور جہازوں کی مرمت کے لیے کل پرزے دستیاب نہ ہو سکے اور پاکستان کو مجبوراً جنگ بند کر کے بھارت سے 10 جنوری 1966ء کو تاشقند معاہدہ کرنا پڑا۔ جس کے باعث پاکستان اپنے جنگی مقصد یعنی کشمیر کو آزاد کرانے میں ناکام رہا۔

امریکہ نے 1960ء میں حکومت پاکستان کے علم میں لائے بغیر بڈھ بیر کے فضائی اڈے سے سوویت یونین کی جاسوسی کے لیے U2 کی پروازیں بھیجنی شروع کر دیں۔ جن میں سے ایک

[illegible] طیارہ مار گرایا گیا اور اس کا پائلٹ FRANCIS GARRY POWERS .. گرفتار کر لیا گیا۔ جس نے اعتراف کیا کہ یہ طیارہ [illegible] خروشیف نے پاکستان کے [illegible] کو دھمکی دی کہ اگر آئندہ اس کی سرزمین سے امریکی جاسوسی طیارہ سوویت روس کی فضائی حدود میں داخل ہوا تو پشاور کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے گا۔

اس وقت پاکستان کے امریکی آنکھیں کھلیں کہ اپنی سرزمین پر کسی ملک کو فوجی اڈے فراہم کرنا کتنی بڑی غلطی ہے اور انہوں نے حتی المقدور اس کی تلافی کی کوشش بھی کی اور اپنی کتاب "دوست نہ کہ آقا" میں آزاد خارجہ پالیسی اپنانے کا عزم کیا۔ ایوب خان نے مارچ اپریل 1968ء میں بڈھ بیر کا فوجی اڈہ امریکیوں سے خالی کرا لیا۔ جبکہ ذوالفقار علی بھٹو نے پاکستان کی خارجہ پالیسی کو متوازن کرتے ہوئے روس سے بہتر تعلقات پیدا کیے اور مشرقی یورپ کی کمیونسٹ ریاستوں اور ویتنام کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کیے۔ موجودہ حکومت جو دن رات "جئے بھٹو" کے نعرے حلق پھاڑ پھاڑ کر لگاتی ہے۔ جس طرح امریکہ کی جھولی میں گری ہے۔ کیا اس سے بھٹو شہید کی روح کو خوشی ہوتی ہوگی؟ خدارا پاکستان کی سالمیت سے مذاق بند کریں۔ قبل اس کے کہ [illegible] قوتوں پر پڑ جائیں اور آپ کے پاس فرار کا کوئی راستہ ہی باقی نہ رہ جائے؟ (مارچ 2010ء)

بجلی کی قیمتوں میں اضافہ

نئے سال کا آغاز گیس اور بجلی کی قیمتوں میں اضافے سے ہوا ہے۔ ایک ایسے وقت میں جب ملک پہلے ہی ہوش ربا گرانی اور بجلی کے مسلسل بحران کی گرفت میں ہے۔ گیس اور بجلی کی قیمتوں میں بالترتیب 18 اور 12 فیصد ہونے والا اضافہ ملک میں مہنگائی کے ایک اور سیلاب کا سبب بن جائے گا۔

تاجر، صنعتکار اور کاشتکار بجلی کی قیمتوں پر بالعموم اور عوام الناس بالخصوص احتجاج کر رہے ہیں لیکن پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (آئی ایم ایف) کے احکامات کی تعمیل کرتے ہوئے عوامی ردعمل کو نظرانداز کرنے پر تلی ہوئی ہے۔

کنزیومر پرائس انڈیکس (سی پی آئی) جو افراط زر کی نشاندہی کرتا ہے۔ اگلے دو ماہ کے دوران مزید تیزی سے اوپر جائے گا۔ ملک میں افراط زر 22 ماہ کے بعد کم ہو کر اکتوبر 2009ء میں 8.87 فیصد کی سطح پر آ گیا تھا جبکہ اگست 2008ء میں یہ اپنی بلند ترین سطح یعنی 25 فیصد پر تھی۔

بجلی اور گیس کی بلند قیمتوں کے باعث ملک کی مائیکرو اور میکرو معیشت پہلے ہی عدم توازن کا شکار ہے۔ پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت نے بجلی اور گیس کی قیمتوں میں آئی ایم ایف ... دباؤ کے تحت

اردو فینز کیلئے

اضافہ کیا ہے۔ بجلی کی پیداواری لاگت گھریلو، تجارتی اور صنعتی مقاصد کے لیے اس کی قیمت فروخت کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ جس کے باعث واپڈا کو بجلی کی پیداواری لاگت اور اس کی قیمت فروخت کے درمیان فرق کم کرنے پر مجبور ہونا پڑا ہے۔ تاہم ان اقدامات سے مناسب منصوبہ بندی، مہارت اور بدعنوانی کے خاتمے کے بغیر خاطر خواہ نتائج برآمد نہیں ہو سکتے۔

سابق پاکستان الیکٹرک پاور کمپنی (پیپکو) کے سربراہ ... نے کہا ہے کہ بجلی اور گیس کی قیمتوں میں اضافے سے قیمتوں کا فرق کم کرنے میں مدد نہیں ملے گی کیونکہ سرکاری ادارے اور تجارتی صارفین طویل عرصے سے اپنے بجلی کے واجبات ادا نہیں کر رہے۔

بجلی پیدا کرنے والے اداروں کو نقصان کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے۔ جس کے باعث وہ ملک بھر میں اپنا کام انجام دینے میں دشواری محسوس کر رہے ہیں۔ انہوں نے بجلی کے واجب الادا بلوں کی سرکاری نجی اداروں کی جانب سے ادائیگی کے لیے سخت اقدامات کا مشورہ دیا اور کہا کہ اگر اب نہ کیا گیا تو اس کا خمیازہ وہ غریب عوام بجلی اور گیس کی قیمتوں میں اضافے کی صورت میں بھگتیں گے۔ جن کے بجلی کے بل صرف ایک سال میں دگنے ہو گئے ہیں۔

انہوں نے یہ بھی کہا کہ بجلی کی چوری میں ہر سطح پر اضافہ ہو جائے گا کیونکہ صارفین کی اکثریت موجودہ مہنگائی کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتی ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ بجلی کے گھریلو صارفین کو بجلی کی اضافی قیمتوں کی ادائیگی سے مستثنیٰ کر دیا جانا چاہیے۔ جب کہ سرکاری اور تجارتی صارفین سے بجلی کے درجات کی وصولی ہنگامی بنیادوں پر کی جائے۔

ملک کو توانائی کے سنگین بحران کا سامنا ہے۔ شہری اور دیہی علاقوں میں 4 تا 6 اور 8 تا 10 گھنٹوں کی لوڈشیڈنگ ہو رہی ہے۔ دوسری جانب سی این جی سیکٹر میں گیس لوڈ مینجمنٹ کے تحت بالخصوص ملک کے شمالی علاقوں میں سی این جی اسٹیشن بند کر دیے گئے ہیں۔ بین الاقوامی مارکیٹ میں کروڈ آئل کی قیمت 80 ڈالر کے قریب منڈلا رہی ہے۔ جس کا براہ راست اثر پیٹرولیم کی مصنوعات کی مقامی قیمتوں پر پڑ رہا ہے۔ جو عوام کی اکثریت کی پہنچ سے باہر ہیں۔ یہ سب جتنی ...

اردو فینز
کیلئے

توانائی کے ذرائع بجلی اور گیس کی ناکافی سپلائی کے نتیجے میں دگنی ہو گیا ہے۔ جو پیداواری لاگت میں مزید اضافے کا سبب بنے گا۔

ڈائریکٹر انسٹی ٹیوٹ آف بزنس ایڈمنسٹریشن اور سابق گورنر اسٹیٹ بینک عشرت حسین کا خیال ہے کہ اہم میکرو اکنامک انڈیکیٹرز تسلی بخش حالت میں ہیں لیکن رواں مالی سال کے باقی مہینوں میں ان کے استحکام اور شرح نمو اوپر لے جانے کے لیے ملک میں توانائی کی سخت ضرورت ہے۔ بین الاقوامی منڈیاں پاکستانی مصنوعات کی منتظر ہیں۔ اب یہ پالیسی سازوں، بیوروکریٹس اور تاجروں پر منحصر ہے کہ وہ ایسی حکمت عملیاں اور میکانزم وضع کریں جو ملکی معیشت کا سبب بنے۔

اگر حکومت، 31 دسمبر 2009 تک لوڈشیڈنگ میں خاتمے میں ناکامی کے بعد اپنے الفاظ: پاس کرتے ہوئے 5 ہزار میگاواٹ بجلی کی کمی دور کر سکے تو یہ ایک معجزہ ہی ہوگا۔ اس کی جانب سے رینٹل پاور پروجیکٹوں کے حصول کی کوششوں پر سرکاری اور نجی سیکٹروں کی جانب سے نکتہ چینی کا سلسلہ جاری ہے۔ امن و امان کی بگڑتی ہوئی صورتحال اور سیاسی عدم استحکام اب بھی غیر ملکی اور مقامی سرمایہ کاروں کے لیے باعث تشویش ہے۔ بجلی کی قیمتوں میں اضافہ اور کرائے کے بجلی پلانٹس کا تعارف بجلی کی کمی سے نمٹنے کا محض ایک عبوری اور مہنگا طریقہ ہے اور توانائی کے جاری بحران سے حل کی اس وقت تک کوئی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔ جب تک کہ بجلی ملکی وسائل مثلاً کوئلے سے پیدا نہ کی جائے۔ انہوں نے کہا کہ ملک کو ان تمام مسائل سے نمٹنے کے لیے بجلی کی تیاری کے ایک جامع منصوبے کی اشد ضرورت ہے۔

(اپریل 2010ء)

سرکاری اللے تللے

حکومت کی طرف سے ایک طرف ملکی معیشت و اقتصادیات کو ترقی و استحکام دینے کے دعوے کیے جا رہے ہیں اور زرمبادلہ کے ذخائر میں اضافے کی خوشخبریوں کے ساتھ ساتھ پچھلے تین دنوں سرکاری سطح پر ایک مرتبہ پھر کہا گیا بلکہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ آئندہ تین برسوں میں ہر شہری کو روٹی، کپڑا اور مکان فراہم کیا جائے گا۔ ساتھ ہی پچھلے تین دنوں پیپلز پارٹی کی ترجمان محترمہ فوزیہ وہاب نے بھی قوم کو یقین دہانی کروائی ہے کہ پیپلز پارٹی قوم کو دس لاکھ گھر فراہم کرنے کے لیے قطعاً سنجیدہ ہے۔ محترمہ فوزیہ وہاب کے اس بیان پر انشاءاللہ تفصیلی جائزہ الگ سے پیش کیا جائے گا اور بعد اس وقت صرف پیپلز پارٹی کے 43 سال پرانے دعوے عوام کو روٹی، کپڑا اور مکان فراہم کرنے کے ایک مرتبہ پھر اعادے کے ساتھ چوتھی مرتبہ فروری 2008ء سے اقتدار سنبھالنے والی حکومت کی گزشتہ دو سال کی کارکردگی کیسی رہی۔ اس نے اپنے صرف ان تین وعدوں کی تکمیل میں کہاں تک کامیابی حاصل کی اور برسرزمین حقائق کیا رہے؟ اور ان سے اب تک قوم کو کیا کچھ مل سکا ہے اور اس دو سالہ کارکردگی کی روشنی میں مستقبل قریب کی یعنی آئندہ تین برسوں کی صورت حال کیا ہو سکتی ہے اور اس بابت کیا توقعات وابستہ کی جا سکتی ہیں اور بحیثیت مجموعی قوم کی حالت سدھرنے کے

کتنے امکانات ہو سکتے ہیں۔ اس کا جائزہ یہاں 10 فروری 2010ء اور 4 فروری 2010ء کو آنے والی تین میڈیا رپورٹوں کی روشنی میں باآسانی لیا جا سکتا ہے۔ جس کے لیے پہلے معزز معاصرین کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔

ان تینوں رپورٹوں کو پیپلز پارٹی کی اس چوتھی حکومت کی دوسری سالگرہ کا تحفہ بھی قرار دیا جا سکتا ہے اور سب سے اہم اور دلچسپ بات یہ ہے کہ تینوں رپورٹس بیشتر اور بنیادی طور پر سرکاری ذرائع ہی سے حاصل شدہ معلومات کا احاطہ کرتی ہیں۔ اور ان میں رپورٹرز حضرات کی ذاتی محنت اور تحقیق بھی شامل ہے جو یقیناً قابل تحسین بھی ہے۔ اس اعتبار سے یہ بالکل سنجیدہ، معروضی، بکمال احتیاط پرمبنی اور قطعاً غیر جانبدارانہ اور متوازن رپورٹس ہیں اور سرکاری ذرائع سے بھی حاصل ہونے کی بنیاد پر کوئی بھی فریق یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ محض پیپلز پارٹی کی مخالفت میں اور مخالفین کا پی پی پی دشمن پروپیگنڈا ہے۔ مزید برآں پیپلز پارٹی اپنی موجودہ ٹرم کے دو سال مکمل کر چکی ہے۔ اس کے پاس اگلے تین سال ضرور ہیں لیکن دراصل اس حکومت کا ابھی پانچواں سال تو انتخابی مہم کا سال ہوگا۔ اس اعتبار سے پیپلز پارٹی کے پاس صرف دو سال باقی ہیں اور پانچویں سال میں اس کو اپنی اس چار سالہ کارکردگی ہی کے حوالے سے انتخابی مہم چلانا ہوگی۔ اور وہ قوم کو ان چار برسوں میں جو کچھ دے سکی ہوگی۔ اسی کی روشنی میں قوم بھی یہ فیصلہ کر سکے گی کہ اسے اب اگلی ٹرم کے لیے بھی پیپلز پارٹی ہی کو منتخب کرنا چاہیے یا نہیں۔ اس اعتبار سے یہ رپورٹس قوم اور پیپلز پارٹی دونوں کے لیے پچھلے دو سال کی کارکردگی کی "بیلنس شیٹ" بھی ہیں اور پیپلز پارٹی کی جانب سے قوم کو دی جانے والی [illegible] کی تکمیل کا آئینہ بھی۔ اور مزید سہولت کے لیے یوں بھی سمجھ لیا جائے کہ [illegible] میں بھی پیپلز پارٹی کی کارکردگی یہی رہے گی تو ان زیرنظر رپورٹوں میں [illegible] آئندہ [illegible] برس بعد رونما ہونے والی [illegible] کی روشنی میں قوم سے [illegible] سال بعد کے حالات کا پتہ نہ چلے

اندازہ بھی لگایا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد پیپلز پارٹی خود ہی فیصلہ کر سکتی ہے کہ اس نے [illegible] اپنی چار سالہ کارکردگی کا کیا نقشہ پیش کرنا ہے اور آئندہ [illegible] ہیں۔ اس بابت کوئی بھی مناسب فیصلہ کرنا اس کا حق ہے اور صورت حال [illegible] کے لیے ضروری فیصلے اور اقدامات پیپلز پارٹی ہی کا کام ہے۔

قوم کے سامنے یہ بیلنس شیٹ پیش کرنے کا مقصد ہے تو آپ ان رپورٹوں کا جائزہ لیجیے۔ پہلی رپورٹ یوں ہے تاریخوں کی ترتیب کا خیال رکھتے ہوئے [illegible] ہیں۔ [illegible] پہلے آنے والی رپورٹوں کے اعتبار سے ہے۔ [illegible] ان تین رپورٹ اپنی جگہ [illegible] اہمیت کی حامل ہے۔ وہ ان رپورٹوں کے مطالعے سے ازخود واضح ہو جاتا ہے۔

بدھ 10 فروری 2010ء کو آنے والی ایک میڈیا رپورٹ کے مطابق جو وفاقی ادارہ شماریات کے حوالے سے جاری کی گئی ہے۔ وفاقی ادارہ شماریات نے انکشاف کیا ہے کہ افراط زر کی شرح ایک بار 18 فیصد سے تجاوز کر گئی ہے۔ پٹرولیم مصنوعات، گیس، بجلی کی قیمتوں میں اضافے کے بعد ضروری اشیاء کی قیمتوں میں ایک بار تیزی سے اضافہ ہو گیا ہے۔ ادارہ شماریات کے مطابق 4 فروری کو ختم ہونے والے ہفتے کے دوران گزشتہ مالی سال کے اسی ہفتے کی نسبت حساس اشاریوں میں افراط زر کی شرح 18.18 فیصد کی سطح پر ریکارڈ کی گئی۔ 3 ہزار آمدنی والے طبقے کے لیے افراط زر کی شرح 18.79 فیصد، 5 ہزار روپے ماہانہ آمدنی والے طبقے کے لیے 18.67 فیصد، 12 ہزار روپے تک کی آمدنی والے طبقے کے لیے 18.20 فیصد جبکہ 12 ہزار روپے سے زائد آمدنی والے طبقے کے لیے 18 فیصد ریکارڈ کی گئی۔ ایک ہفتے میں 20 اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ، 11 کی قیمتوں میں کمی ہوئی جبکہ 22 کی قیمتیں مستحکم رہیں۔ پٹرولیم مصنوعات، گڑ، چینی، دال مونگ، گوشت، چاول باسمتی، لونا، دال چنا، تیل سرسوں، دال مسور، گندم اور ایندھن جلانے کی لکڑی اور تازہ دودھ شامل ہیں، کی قیمتیں بڑھیں۔ افراط زر دسمبر 2009ء کے دوران 14 فیصد

کی سطح پر تھی جو اب بڑھ کر 18 فیصد سے تجاوز کر چکی ہے۔ اس اضافے سے غریب اور متوسط طبقے کی مشکلات مزید بڑھ گئی ہیں کیونکہ ان کی آمدنی نہ بڑھنے کی وجہ سے ان کی قوت خرید کم ہو گئی ہے۔

اب آیئے اس سے صرف چند دن قبل ایک ساتھ آنے والی دور پر نظر

[illegible] رپورٹ دن رات محنت کر کے غریبوں اور عوام کی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے جدوجہد کرنے کے دعووں کے برعکس حکومت کے اپنے اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ دو برس کے دوران مہنگائی کے نتیجے میں تقریباً ہر شہری کی زندگی اس سطح سے 50 فیصد زیادہ مہنگی ہو گئی ہے جتنی یہ فروری 2008ء میں ہوا کرتی تھی۔ جب موجودہ حکومت نے اقتدار کی باگ ڈور سنبھالی تھی۔ ایک طرف ملک کی اقتصادی حالت خراب ہوئی ہے تو دوسری طرف کرپشن میں بھی ریکارڈ اضافہ دیکھنے میں آیا ہے جبکہ گورننس بھی خستہ حالت میں ہے۔ جو انتظامی روایت بن چکی ہے۔ روپے اور ڈالر کے درمیان تبادلے کا فرق 1-60 سے بڑھ کر 1-85 تک جا پہنچا ہے۔ ہر شہری کی زندگی پہلے سے بدتر ہو چکی ہے۔ ملک کے تاجر طبقے کے لیے صورتحال کا تجزیہ اس سے ہوتا ہے۔ حکومت کا سینسیٹو پرائس انڈیکس (ایس پی آئی) یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ فروری 2008ء میں 173 تھا جو جنوری 2010ء میں بڑھ کر 254 تک پہنچ چکا ہے۔ روزمرہ کے استعمال کی چند اشیاء کی قیمتوں میں 250 سے 300 فیصد کا بے مثال اضافہ ہوا ہے۔ عوامی حکومت میں عوام کی بہبود کا دعویٰ کرنے والے حکمرانوں نے فروری 2008ء سے حقیقتاً بے مثال مہنگائی دی ہے۔ وفاقی وزارت شماریات کے ایوریج پرائس انڈیکس کے مطابق [illegible] 26 روپے سے بڑھ کر [illegible] قیمت 70 روپے تک پہنچ چکی ہے۔ آٹا ساڑھے 16 روپے سے بڑھ کر 30 روپے [illegible] (250 [illegible] پیک) 65 روپے سے بڑھ کر [illegible] 71 روپے سے بڑھ کر 116 روپے ہو گیا ہے وغیرہ۔

[illegible] چیزیں، سبزیاں اور پھل، بجلی اور قدرتی گیس کے نرخ سے استعمال کی چیزیں [illegible] سے مہنگی ترین ہو گئی ہے۔ سرکاری اعداد و شمار میں صرف ایک ایسی چیز ہے جس کی قیمت میں سی پی آئی کے مطابق 28 سے 16 روپے فی [illegible] ہو گیا ہے۔ غریب سے بجلی کی [illegible] جو ماہانہ 100 یونٹ استعمال کرتے ہیں، میں 50 فیصد اضافہ ہوا ہے اور قیمت فروری 2008ء کے 2.65 روپے فی یونٹ سے بڑھ کر موجودہ نرخ 3.91 روپے فی یونٹ تک پہنچ گئی ہے۔ 100 یونٹ سے زیادہ بجلی استعمال کرنے والے صارفین اور کمرشل اور صنعتی صارفین کے نرخوں میں عام صارف کے مقابلے میں بہت زیادہ اضافہ ہوا ہے۔ وہ گھریلو صارفین جو 101 سے 300 یونٹس کے درمیان بجلی استعمال کرتے ہیں۔ ان کے لیے نرخ 4.69 روپے فی یونٹ (علاوہ ٹیکس) ہے۔ جو 301 سے 700 یونٹ استعمال کرتے ہیں۔ ان کے لیے نرخ 8.03 روپے فی یونٹ ہے جبکہ 700 یونٹس سے زائد استعمال کرنے والوں کے لیے نرخ 10 روپے فی یونٹ (ٹیکس کے بغیر) ہے۔ کمرشل صارفین کے لیے بجلی کے نرخ فروری 2008ء میں 9.53 روپے فی یونٹ (بشمول ٹیکس) ہوا کرتے تھے جبکہ اب یہ قیمت 14.93 روپے فی یونٹ (بشمول ٹیکس) تک جا پہنچی ہے۔ کم سے کم صارفین کے لیے قدرتی گیس کی قیمتوں میں 15 فیصد اضافہ ہوا جبکہ ایل پی جی کی قیمتیں 817 روپے فی سلنڈر سے بڑھ کر 1092 فی سلنڈر ہو گئیں یعنی 270 روپے فی سلنڈر، پیٹرول کی قیمتیں 53.83 روپے فی لیٹر سے بڑھ کر موجودہ 71.11 روپے فی لیٹر تک جا پہنچی ہیں۔ ڈیزل 37.86 سے 69.27 فی لیٹر اور مٹی کا تیل 42 سے 72 روپے فی لیٹر تک پہنچ چکا ہے۔ وہ غریب جو ایل پی جی نہیں خرید سکتے۔ جن کے پاس قدرتی گیس نہیں ہے اور لکڑی استعمال کرتے ہیں۔ ان کے لیے لکڑی کی قیمتیں 230 روپے فی 40 کلوگرام سے بڑھ کر 302 روپے ہو گئی ہے۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق اس عرصے کے دوران کھانے پینے کی اشیاء کی قیمتوں میں بھی زبردست اضافہ ہوا ہے۔ جس کے تحت گندم کی قیمت 18 روپے

اردو فینز کیلئے

30.19 فی کلو ہو گئی۔ باسمتی چاول 36 سے 27 روپے فی کلو ہو گئی۔ آٹے کی قیمت 16.5 سے 19 سے 30.19 فی کلو ہو گئی۔ باسمتی چاول 36 سے 43، دال مونگ دھلی ہوئی 51 سے 123، دال مسور دھلی ہوئی 71 سے 34، دال ماش 26 سے 43، بکرے کا گوشت 174 روپے، بکرے کا گوشت 234 سے 84، دال مونگ 42 سے 84، گائے کا گوشت 122 سے 234، ڈبل روٹی 19 سے 312 فی کلو، انڈے 62 سے 80 روپے فی درجن، درمیانے سائز کی ڈبل روٹی 19 سے 26 روپے، چینی 28 سے 70، نمک 31 سے 73، لال مرچ پاؤڈر 133 سے 167، تازہ دودھ 26 روپے، چینی 26 سے 70، 41، بناسپتی گھی 115 فی کلو، لہسن 44 سے 147 فی کلوگرام، پکانے کے تیل کا ڈھائی 30 سے 41 کلو کا ڈبہ 318 سے 353 روپے، آلو 11 سے 17 روپے فی کلو، پیاز 12 سے 25 روپے فی کلو، کیلے فی درجن 32 سے 38 روپے، چائے کا ایک کپ 7 روپے سے 11 روپے، بڑے گوشت کی ایک پلیٹ (پکی ہوئی) 20 سے 29 روپے ہو گئی ہے جبکہ فارم مرغی کا نرخ 71 روپے سے بڑھ کر 116 روپے فی کلوگرام تک پہنچ گیا ہے۔ 2007-08ء میں اقتصادی ترقی کی شرح 4.1 فیصد تھی جو نیچے گر کر 3.4 فیصد (نظر ثانی شدہ اندازے) ہو گئی ہے۔ پارلیمنٹ میں حال ہی میں جمع کرائی جانے والی "قرضوں کے متعلق پالیسی بیان" رپورٹ میں پہلے ہی حکومت کو متنبہ کیا گیا ہے کہ جی ڈی پی کی شرح کے مقابلے میں قرضوں کی بڑھتی ہوئی شرح (جو اب 58.1 فیصد تک پہنچ گئی ہے) تشویشناک ہے اور یہ سلسلہ جاری نہیں رہنا چاہیے۔ بصورت دیگر یہ 60 فیصد کی حد بھی عبور کر جائے گی۔ جس کا اشارہ ایف آر ڈی ایل ایکٹ 2005ء میں دیا جا چکا ہے۔ قرضوں کے متعلق پالیسی بیان وزارت خزانہ کے ڈیٹ آفس نے تیار کیا۔ جس کے سربراہ [illegible] ہیں۔ اس بیان میں بتایا گیا تھا کہ ملک کے مجموعی غیر ملکی قرضے [illegible] (ای ڈی ایل) میں 6.6 ارب ڈالر یا 14.3 فیصد کا اضافہ ہوا ہے۔ موجودہ مالی [illegible] دوران پاکستان کے مجموعی سرکاری قرضے [illegible] 8100 ارب روپے تک جا پہنچے۔ اس میں 495 ارب

روپے یا 6.5 فیصد کا اضافہ ہوا۔ ملک کے داخلی قرضے 4010 ارب روپے تک پہنچ گئے ہیں۔ رپورٹ کے مطابق 2008-09ء کے دوران داخلی قرضوں میں 1600 ارب روپے (26.6 فیصد) کا اضافہ ہوا۔ جون 2009ء کے آخر تک ملک کے مجموعی قرضے 7605 ارب روپے تک جا پہنچے۔ (حوالہ روزنامہ "عوام" کراچی، 4 فروری 2010ء)

دوسری رپورٹ پی پی پی کے موجودہ دو سال کے دور حکومت میں [illegible] ہزار ارب روپے سے بڑھ کر ڈیڑھ ہزار ارب روپے ہو گیا ہے۔ [illegible] کارخانہ داروں پر ٹیکسوں کا بوجھ کم ہوا۔ ملک کے اندر [illegible] اقدامات نہ ہونے کے برابر ہے۔ صرف پٹرولیم اور اس کی مصنوعات پر صارفین سے [illegible] سو تا ڈھائی سو ارب روپے کا ٹیکس حکومت وصول کر رہی ہے۔ [illegible] سو ارب روپے اور سیلز ٹیکس بھی سو سو ارب کے لگ بھگ اسی طرح وصول ہوگا۔ 2007-08ء میں پاکستان کے عوام پر ٹیکسوں کا بوجھ ایک ہزار آٹھ ارب روپے سے زیادہ ڈالا گیا۔ 2008-09ء میں یہ بوجھ بڑھا کر 1157 ارب روپے ڈالا گیا تھا۔ 2009-10ء میں صرف ایف بی آر کے ٹیکسوں کا بوجھ 15 سو ارب روپے سے تجاوز کر جائے گا۔ ٹیکس ان ڈائریکٹ ہوں، ڈائریکٹ ہوں یا پٹرولیم لیوی ان کا بوجھ بالآخر صارفین کے اوپر ہی منتقل کر دیا جاتا ہے۔ ایک سروے کے مطابق رواں مالی سال کے پہلے سات مہینوں میں 692 ارب روپے سے زیادہ کے ٹیکس پاکستانی عوام ادا کر چکے ہیں۔ گزشتہ مالی سال 2008-09ء میں پٹرولیم لیوی کے علاوہ 440.3 ارب روپے کے ڈائریکٹ ٹیکس، 452.3 ارب روپے کا سیلز ٹیکس، 116 ارب روپے کی فیڈرل ایکسائز اور 148.4 ارب روپے کی کسٹم ڈیوٹی وصول کی گئی۔ اس سے قبل کے مالی سال 2007-08ء میں 387.8 ارب روپے کے ڈائریکٹ ٹیکس، 405.6 ارب روپے کا سیلز ٹیکس، 192.1 ارب روپے کی فیڈرل ایکسائز اور 150.6 ارب روپے کی کسٹم ڈیوٹی وصول کی گئی تھی۔ اس طرح دو سال

میں عوامی حکومت کے دور میں عوام پر پٹرولیم لیوی اور ایف بی آر کے ٹیکسوں کا بوجھ 1008 ارب روپے سے بڑھ کر 15 سو ارب روپے کے لگ بھگ ہو گیا ہے۔ 31 جنوری 2010ء تک سات ماہ میں ایف بی آر نے گزشتہ سال کے پہلے سات ماہ کے مقابلے میں 10 فیصد زیادہ وصولیاں غیر موافق ملکی حالات کے باوجود جمع کیے۔ جولائی 2008ء سے جنوری 2009ء تک ایف بی آر نے 630 ارب 46 کروڑ روپے کے مجموعی ٹیکس جمع کیے جبکہ جولائی 2009ء سے جنوری 2010ء کے دوران 693 ارب روپے سے زیادہ کے ٹیکس جمع کیے۔ ان میں 286.4 ارب روپے کے ڈائریکٹ ٹیکس، 272.2 ارب روپے کا سیلز ٹیکس، 76.7 ارب روپے فیڈرل ایکسائز اور 84 ارب روپے کی کسٹم ڈیوٹی شامل ہے۔ پی پی پی کی حکمرانی کے پہلے دو سالوں میں آئی ایم ایف۔ ورلڈ بینک سے کیے گئے جنرل مشرف حکومت کے وعدے کو نبھاتے ہوئے کسٹم ڈیوٹی زیادہ سے زیادہ عمومی شرح 35 فیصد سے کم کر کے 25 فیصد کر دی گئی لیکن اس کے ساتھ تقریباً چار سو درآمدی آئٹموں پر پی پی پی حکومت نے 15 سے 40 فیصد ریگولیٹری ڈیوٹی عائد کر دی۔ پی پی پی کے برسراقتدار آنے سے پہلے جنرل سیلز ٹیکس کی شرح 2007-08ء کے وفاقی بجٹ میں 15 فیصد تھی مگر پی پی پی حکومت نے 2008-09ء کے وفاقی بجٹ میں جنرل سیلز ٹیکس کی شرح 15 سے بڑھا کر 16 فیصد کر کے صارفین پر بیک جنبش قلم 140 ارب روپے کے ٹیکس کا بوجھ ڈال دیا۔ پی پی پی کے دو سالہ دور حکومت میں چینی پر سیلز ٹیکس کی شرح اگست ستمبر 2009ء سے غریبوں کے نام پر 16 فیصد سے کم کر کے 8 فیصد گزشتہ سال تو کر دی گئی مگر چینی کی قیمت اس حساب سے کم نہیں کی گئی۔ وجہ یہ ہے کہ چینی کے کارخانے کے مالک سیاستدان زیادہ ہیں۔ حزب اقتدار کے [illegible] شامل ہیں۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ چینی صارفین کو آج 65 سے 75 کلو شوگر ملز [illegible] مالکان سے پی پی پی کے حکمران ساٹھ پینسٹھ روپے کلو کے [illegible] آج بھی جنرل سیلز ٹیکس حکام کو 28 روپے

88 پیسے کلو تصور کرنے کا کہا گیا ہے۔ پاکستان کے صارفین سے [illegible] حکومت نے 82 شوگر ملز مالکان کو فائدہ پہنچانے کے لیے بھی کرنے کی جرأت نہیں کی۔ صارفین [illegible] حکومت خود ٹیکس اگا رہی ہے۔ دو اس طرح ان دو سالوں سے ان ڈائریکٹ ٹیکس 60 فیصد بڑھ چکا ہے۔ ودہولڈنگ ٹیکس کہنے کو تو ڈائریکٹ ٹیکس ہے مگر وہ سارا بھی غریب صارفین پر ڈالا جا رہا ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ جب تک موجودہ حکومت خریدار کا این آئی سی (کمپیوٹرائزڈ نیشنل شناختی کارڈ) نمبر یا نیشنل ٹیکس نمبر کا اندراج کرنے کا قانون نہیں بناتی، پورا سیلز ٹیکس جمع ہونا ناممکن ہے۔ وزارت خزانہ کے ذرائع کے مطابق فروری 2008ء میں جب پی پی پی کی حکومت بنی۔ زرمبادلہ کے ذخائر 15 ارب ڈالر کے لگ بھگ تھے جو اس کے بعد کم ہو کر پانچ چھ ارب ڈالر رہ گئے۔ آج پھر پندرہ ارب ڈالر کے لگ بھگ ہیں مگر ان دو سالوں میں غیر ملکی قرضوں میں ریکارڈ اضافہ ہوا۔ فروری 2008ء میں غیر ملکی قرضے تقریباً 38 ارب ڈالر تھے جو آج 58 ارب ڈالر کے لگ بھگ ہو گئے ہیں۔ اس طرح دو سالوں میں قوم پر صرف غیر ملکی قرضوں کے بوجھ میں 18 ارب ڈالر کے قریب اضافہ ہو گیا ہے۔

ان رپورٹوں کی روشنی میں ملک و قوم کی دو سال بعد کی ممکنہ صورتحال کا نقشہ بہت حد تک واضح ہو جاتا ہے جو حکمرانوں کے لیے کچھ وقت فکر بھی مہیا کرتا ہے ایک آدھ لمحہ نہیں بشرطیکہ وہ غیر ملکی دوروں سے یہ وقت نکال سکیں کیونکہ معاملہ اٹھارہ کروڑ عوام کا ہے اب فیصلہ پیپلز پارٹی خود کر سکتی ہے۔

(اپریل 2010ء)

اردو فینز کیلئے

صورتحال میں کہ صرف غریب ہی کی نوٹ رہی ہے۔ مہنگائی پورے ملک میں ہے اور ہر پاکستانی اس کا خاتمہ چاہتا ہے لیکن شمال مغربی سرحدی صوبے کا شہری 1979ء سے 2010ء تک افغانستان کی صورتحال سے بری طرح متاثر رہا ہے۔ صوبہ سرحد سے اشیاء خوردونوش کی بڑی مقدار سرحد پار چلی جاتی ہے۔ جس سے تاجروں، صنعت کاروں اور جاگیرداروں کی آمدنی میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ افغان ٹرانزٹ ٹریڈ کے نام پر سمگلنگ کی شرح میں ہونے والا اضافہ ملکی معیشت کو کھوکھلا جبکہ چند کاروباری خاندانوں کی تجوریاں بھر رہا ہے۔ لاکھوں افغان مہاجرین کی آمد اور پاکستان خصوصاً صوبہ سرحد سے تیار ہونے والی اشیاء کی افغانستان ترسیل سے ہمارے صنعت کاروں کو بڑی منڈیاں مل گئی ہیں لیکن اس سب کے باوجود بھی کارخانے دار اور دکاندار عوام کے خون پسینے کی کمائی سے نئے ہونے والا ٹیکس دہشت گردی کے نام پر حکومت سے پیکیج کی صورت حاصل کر رہا ہے۔ ماہرین اقتصادیات کا موقف ہے کہ حالت جنگ ہو یا امن کبھی، آٹے، چاول، دال، چینی کا استعمال کم نہیں ہوتا۔ لوگ زندہ رہنے کے لئے خوراک حاصل کر رہے ہیں۔ پھر کارخانہ دار کس چیز سے متاثر ہو رہا ہے۔ اگر چند غیر ضروری اشیاء کے استعمال میں کمی آئی بھی ہے تو وہ بہت معمولی ہے۔ صرف حبیب بینک نے گزشتہ 5 سال کے دوران 19 ارب 27 کروڑ روپے کے قرضے معاف کئے ہیں۔ قرضہ معاف کرانے والوں میں وہ ادارے بھی شامل ہیں جو مالی طور پر مستحکم قرار دیئے جا رہے ہیں۔

اس دوران میں سرمایہ دار مزید مستحکم جبکہ غریب غریب تر ہوتا جا رہا ہے۔ جس کے لئے زندگی [illegible] رکھنا بھی ممکن نہیں رہا۔ حکومت کے انتظامی سیٹ اپ میں مقامی مارکیٹ کنٹرول [illegible] مینجمنٹ کا نام ہے۔ انگریز سرکار نے اپنے ریونیو کلکٹر یعنی ڈپٹی کمشنر کو بے انتہا [illegible] دے رکھے تھے۔ جن میں ایک مارکیٹ کنٹرول بھی تھا۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ قیمتوں کو [illegible] طلب اور رسد سے متعلق معاملات کا بھی نگران ہوتا ہے۔

سابق صدر جنرل پرویز مشرف نے متعارف کرایا [illegible] اختیارات چھین لئے گئے اور [illegible] منتخب [illegible] دوران تین برسوں میں ہماری مارکیٹ [illegible] سے آزاد ہو گئی۔ اس وقت صوبہ سرحد کے دوسرے حصوں کی طرح پشاور میں مرغی مہنگائی نے [illegible] ریکارڈ توڑ دیئے ہیں۔ دودھ والوں کے ریٹ کسی [illegible] سے طے [illegible] لیکن [illegible] وزن روز بروز [illegible] جا رہا ہے۔ دودھ 40 سے 50 روپے لیٹر فروخت ہو رہا ہے۔ چینی 46 روپے کلو مل رہا ہے [illegible] گوشت اور قیمے کے نرخ ہر دکاندار اپنی مرضی سے مقرر کر رہے ہیں۔

ملاوٹ کا عالم یہ ہے کہ دودھ میں پانی صرف [illegible] پانی سے [illegible] انتہائی مضر کیمیکل ملائے جا رہے ہیں جو دودھ کو گاڑھا کر دیتے ہیں۔ گوشت کا معیار چیک کرنے کے لئے ذبح خانے میں ڈاکٹر کی مہریں ہر جانور پر لگی ہوتی ہیں جبکہ عام مشاہدہ یہ ہے کہ لاغر اور بیمار جانور روزانہ ذبح کر کے مارکیٹ میں لائے جا رہے ہیں۔ مچھلی فروٹ عام آدمی کی پہنچ سے دور ہے۔ سبزیوں کے نرخ ہر دکاندار من مانے وصول کر رہا ہے۔ ہماری بیوروکریسی کا اب تک یہی کہنا تھا کہ پورا انتظام منتخب لوگوں کے ہاتھ میں ہے لیکن اب سب کچھ بیوروکریسی کے ہاتھ میں ہے دیکھنا یہ ہے کہ کیا ایڈمنسٹریٹرز مہنگائی کے جن کو قابو کر پائیں گے یا منتخب لوگوں کی طرح مصلحت کا شکار ہو کر خاموش تماشائی بنے رہیں گے۔ سیاسی قیادت سے متعلق تو یہ بات عام رہی ہے کہ کسی منتخب بندے کے لئے امن وامان قائم رکھنے کے لئے سخت قدم اٹھانا ممکن نہیں ہوتا کیونکہ اسے اپنا ووٹر عزیز ہوتا ہے لیکن اب تحصیل اور ڈسٹرکٹ لیول پر سرکاری افسران کی کارکردگی کا امتحان ہے تاہم اس کے لئے ضروری ہوگا کہ ان افسروں پر سیاسی دباؤ کم سے کم پڑے۔

(اپریل 2010ء)

وی۔اے۔ٹی کا عذاب

اخبارات کے مطابق آئی ایم ایف نے شرط لگائی ہے کہ قرضے کی اگلی قسط اس وقت پاکستان کو دی جائے گی جب حکومت عوام پر ایک نیا ٹیکس لگائے جس کو انگریزی میں ویلیو ایڈڈ ٹیکس۔ (VAT Value Added Tax) کہتے ہیں۔ معلوم نہیں اردو میں اس کا کیا نام ہوگا۔ جب آئی ایم ایف اس کے نفاذ میں اتنی دلچسپی لے رہا ہے تو ضرور یہ کوئی مصیبت ہوگی کیونکہ آئی ایم ایف کو پاکستان کے عوام سے کوئی محبت نہیں ہے۔ عجیب قرضہ ہے کہ 7.5 یا شاید 11.3 ارب ڈالر کا قرضہ معلوم نہیں کتنی قسطوں میں دیا جا رہا ہے اور ہر قسط سے قبل نئی نئی شرائط لگائی جاتی ہیں۔ [illegible] جنرل سیلز ٹیکس [illegible] اور اب VAT یہ نام ہی کوئی خطرناک قسم کا ہے خدا خیر کرے۔ حکومت پاکستان کے حکم کے مطابق تمام صوبوں نے اس ٹیکس کو نافذ کرنے کے لئے [illegible] پیش کر رہے ہیں۔ عام طریقہ کار کے مطابق تو قرض لیتے وقت تمام شرائط پہلے طے ہو جاتی ہیں۔ یہ عجیب قرضہ ہے کہ ہر قسط کے ساتھ نئی نئی شرائط طے کی جاتی ہیں۔ کیا [illegible] مزید بوجھ ڈالا جا رہا ہے۔

[illegible] (ایف بی آر) [illegible] کا کہنا ہے کہ "VAT" کوئی نیا

ٹیکس نہیں بلکہ جنرل سیلز ٹیکس (جی ایس ٹی) کا متبادل ہے۔ VAT کی مجوزہ شرح 15 فیصد ہے [illegible] کوئی نیا بوجھ نہیں آئے گا۔ 3 سے 5 سال میں 800 ارب سے اضافی ٹیکس وصول ہوں گے۔ [illegible] ایف بی آر [illegible] 8 [illegible] ہے۔ VAT کے حوالے سے [illegible] جنرل سیلز ٹیکس کی شرح 16 فیصد ہے۔ VAT اس کی جگہ لے گا اور اس کی شرح 15 فیصد ہوگی۔ [illegible] ہیں (اب ٹیکس بھی ترقی پسند ہو گئے ہیں) [illegible] نے اس ٹیکس کی مخالفت کر دی تو یہ ٹیکس نہیں لگے گا"۔ [illegible] ہیں۔ ایک طرف تو وہ کہتے ہیں کہ VAT کوئی نیا ٹیکس نہیں ہے۔ پرانے جنرل سیلز ٹیکس کا متبادل ہے۔ پرانے ٹیکس کی شرح 16 فیصد ہے اور نئے VAT کی شرح اس سے کم 15 فیصد ہوگی۔ اس کے باوجود ان کا کہنا ہے کہ اس ٹیکس کے نفاذ کے بعد 800 ارب کے اضافی ٹیکس وصول ہوں گے۔ ان سے سوال کیا جا سکتا ہے کہ جناب آپ اس نئے ٹیکس کی شرح بھی کم رکھ رہے ہیں [illegible] والا بھی پرانا ہے۔ تاجر اور صنعتکار بھی نئے نہیں ہیں تو اضافی آمدنی کیسے ہوگی۔ کیا سرمایہ دار ایماندار ہو جائیں گے یا ایف بی آر والے فرشتے بن جائیں گے۔ ٹیکسوں کی کم وصولی کے ذمہ دار عوام نہیں بلکہ آپ کے محکمے کا عملہ ہے جو سرمایہ داروں سے مل کر ٹیکس چوری میں ملوث ہوتا ہے۔ آپ نیا ٹیکس جمع کرنے کے لئے فرشتے کہاں سے لائیں گے۔ عوام سے جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں۔ ان کو صاف کہہ دیں کہ چونکہ آئی ایم ایف کا حکم ہے اس لئے عوام کو مزید قربانی دینی ہوگی۔ ساتھ یہ بھی بتا دیں کہ یہ قرضہ اور یہ ٹیکس عوام کی فلاح و بہبود کے لئے نہیں بلکہ حکمرانوں کی عیاشیوں کے لئے ہے۔

"اگر حکومت نے VAT نافذ کیا تو خوراک کی تمام اشیاء کی قیمتیں 100 فیصد بڑھ جائیں گی۔ اس ٹیکس کے نفاذ کے بعد امکان یہ ہے کہ مرغی کے گوشت کی قیمت 200 روپے فی کلو اور

گوشت کی قیمت 500 روپے فی کلو ہو جائے گی۔ اشیائے خوراک عام آدمی کی قوت خرید سے باہر نکل چکی ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ حکومت خوراک کی اشیاء پر VAT نافذ کر کے عوام کے ہاتھوں سے روٹی کا نوالہ بھی چھیننا چاہتی ہے۔ آج کل مرغی کا گوشت 190 روپے فی کلو گرام، بڑا گوشت 200-220 روپے فی کلو گرام اور چھوٹا 350-400 روپے فی کلو گرام ہے۔ یہ قیمتیں اب بھی عام آدمی کی قوت خرید سے باہر ہیں۔ دنیا کے دوسرے ممالک میں خوراک کی اشیاء کو لازمی اشیاء قرار دے کر ٹیکسوں میں چھوٹ دی جاتی ہے۔ پاکستان میں عجیب رسم ہے کہ ٹیکس سب سے پہلے خوراک کی اشیاء کو متاثر کرتا ہے۔ اگر ٹیکس کاروباری طبقے پر لگایا جائے تو وہ فوراً اس بوجھ کو قیمتیں بڑھا کر عام آدمی کی طرف منتقل کر دیتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ عام آدمی کہاں جائے۔ اگر VAT نافذ کیا گیا تو ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ پورے ملک بھر کے 28 ہزار پولٹری فارم بند کر دیئے جائیں گے۔ مارکیٹ کے عام دکانداروں کا بھی کہنا ہے کہ اس ٹیکس کے نفاذ کے بعد مجبوراً ان سب کو اپنا کاروبار بند کرنا پڑے گا۔ حکومت قیمتیں بڑھا کر خود ہی افراط زر میں اضافہ کر رہی ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ غریبوں پر ٹیکس لگانے کی بجائے اپنے فضول اخراجات کو کم کرے۔ ان کا مطالبہ ہے کہ چونکہ عوام کی کھال اتارنے کی دوڑ میں پاکستان دنیا میں اول نمبر پر ہے اس لئے پاکستان کا نام گینز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں لکھا جانا چاہیے۔ پاکستان کی اکثریت بہت غربت میں وقت گزار رہی ہے۔ ان کی کمر پہلے سے ٹیکسوں کے بوجھ تلے دبی ہوئی ہے۔ حکومت روزانہ تیل اور دوسری اشیاء کی قیمتیں بڑھا دیتی ہے۔ کیا حکومت کو عوام پر رحم نہیں آتا؟

دنیا بھر میں حکومتوں کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ ٹیکسوں کی وصولی کے بدلے میں عوام کو بنیادی وسائل مہیا کریں۔ تعلیم، صحت، اور جان و مال کا تحفظ جیسی سہولتیں ان میں سرفہرست ہوتی ہیں۔ لیکن ہماری حکومت نے ان تمام ذمہ داریوں سے ہاتھ اٹھا لیا ہے۔ اب وہ بچہ اچھی تعلیم حاصل

کر سکتا ہے جس کا باپ بنگلوں، پلازوں اور اراضی کے اخراجات برداشت کر سکتا ہو۔ غریب آدمی علاج کے لئے جائے تو ڈاکٹر ہسپتال لاہور یا ایم آر کی ہسپتال پشاور سے علاج کروانے کے اخراجات نہیں کر سکتا ہو۔ جان و مال کا تحفظ اس شہری کو حاصل ہو گا جس کے پاس زیادہ اسلحہ ہو اور جس کی اپنی فوج ہو۔ اپنے فرائض ادا کرنے میں ناکام حکومت دنیا کا کوئی بھی قانون عوام سے ٹیکس لینے کا حق نہیں دیتا۔ پاکستان کے عوام کی بدقسمتی ہے کہ حکومت ان کا خون نچوڑ کر اپنی عیاشیوں اور سامراجی بینکوں کو بھرنے کے لئے استعمال کرتی ہے۔ اخباری اطلاعات کے مطابق حکومت پاکستان نے آئی ایم ایف کو یقین دلایا ہے کہ پارلیمنٹ اور چاروں صوبائی اسمبلیاں اس مہینے میں VAT بل کی منظوری دے دیں گی۔ یہ ٹیکس یکم جولائی 2010ء سے لاگو ہو جائے گا۔ آئی ایم ایف کے مشرق وسطی اور سنٹرل ایشیا کے لئے ڈائریکٹر مسعود احمد ان دنوں پاکستان کے دورے پر ہیں۔ ان کے دورے کا مقصد آئی ایم ایف سے 11.3 ارب ڈالر امداد کی پانچویں قسط جو 1.2 ارب ڈالر بنتی ہے کی ادائیگی سے قبل ان شرائط کے مسائل کو حل کرانا ہے۔ انہوں نے اپنی ٹیم کے ساتھ خزانہ کے مشیر حفیظ اے شیخ اور سٹیٹ بینک کے گورنر سید سلیم رضا سے بھی ملاقات کی ہے۔ ان خبروں کے مطابق آئی ایم ایف کو اس بات کا بھی غصہ ہے کہ پاکستان کی حکومت بجلی کے نرخ بڑھانے میں پس و پیش کر رہی ہے۔ صوبائی اسمبلی میں اس ٹیکس کا بل پیش کیا جا چکا ہے۔ کیا اپنے لئے اسلام آباد میں پلاٹ اور اپنے والدین کے لئے مفت علاج کی سہولت طلب کرنے والے ممبران صوبائی اسمبلی میں اتنی ہمت ہے کہ وہ اپنے غریب ووٹروں کو اس مصیبت سے چھٹکارا دلا سکیں۔

آئی ایم ایف نے حکومت پاکستان کے ساتھ ویلیو ایڈڈ ٹیکس کے نفاذ، بجلی کی قیمتوں میں اضافے اور بجٹ خسارہ مقررہ حد کے اندر رکھنے کے معاملات طے ہونے کے بعد ایک ارب 20 کروڑ ڈالر قرضے کی قسط مئی میں جاری کرنے کی یقین دہانی کروادی ہے۔ وزارت خزانہ کی طرف

اردو فینز کیلئے

اردو فورم

... مالی سال سے قبل بجلی کی قیمتوں میں یکم اپریل سے اضافہ ...
سے ایڈوانس ٹیکس ... 25 ... روزانہ ... کی ... سے زیادہ رقم ...
... ہونے والی ... رپورٹوں کے مطابق یکم جولائی سے ایڈوانس
رقم سے پورا کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ ... میڈیا رپورٹوں کے مطابق یکم جولائی سے ایڈوانس
ٹیکس ... کا فیصلہ کر لیا گیا ہے۔

پاکستان کی حالت اب یہ ہو گئی ہے کہ عوام کے ووٹوں سے برسراقتدار آنے والی عوامی حقوق اور جمہوریت کی دعویدار حکومتیں ہر معاملے میں امریکہ، آئی ایم ایف اور عالمی بینک کی طرف دیکھ کر کوئی اقدام یا فیصلہ کرتی ہیں۔ ان تینوں کے اشارۂ ابرو پر جو بھی ہو سکتا ہے۔ ... عوام کو راحت دینے کے بجائے ان کی زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ اس لئے ایسے کسی بھی فیصلے یا اقدام سے قبل نہ پہلے نہ بعد میں ان سے رائے لی جاتی ہے اور نہ انہیں اس کے لائق سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ جب اور جس چیز کی قیمت میں اضافہ کرنے کا ارادہ ہو یا اوپر سے حکم نازل ہو، جمہوری حکومت نہایت تابعداری سے اسے بجا لاتی ہے۔ عوام بلکتی رعایا چیختی رہ جاتی ہے۔ جب سے موجودہ جمہوری منتخب حکومت برسراقتدار آئی ہے۔ بس یہی تماشا ہو رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے پاکستان میں آئی ایم ایف کی حکومت قائم ہو چکی ہے۔

بجٹ کے نفاذ اس مسلسل ... کی تازہ قسط کے سوا کچھ اور نہیں۔ اس بابت یہ پوچھنا بھی فضول ہے کہ عوام رعایا جو 32 کھرب روپے کا ٹیکس دیتے ہی بھرتی ہے وہ کہاں جاتا ہے جو ان مالی اداروں سے مزید قرضے وصول کئے جا رہے ہیں اور اس کے لئے ان کا ہر حکم تسلیم کر لیا جاتا ہے یہ بھی کوئی نہیں بتا رہا کہ یہ قرضے واپس کس طرح کئے جائیں گے اور اس کے لئے بجٹ کا نفاذ ... ملک ... والا بھی نکال ہی دیتا ہے تو فائدہ کس فریق کا ہو رہا ہے۔ کیا اس لئے ... ہے ... یہ بجٹ ... اصل ٹیکس ادا کی جاتی ہیں اور یا پھر حکومت کو اپنے گھر واپس ... کی ... ضرورت محسوس ہوتی ہے؟

(مئی 2010ء)

معاشی ترقی کی حقیقت؟

اسٹیٹ بینک کے مرکزی بورڈ آف ڈائریکٹرز کے اجلاس کے بعد فیصلہ کیا گیا ہے کہ ... 12.5 فیصد برقرار رہے گی جبکہ ... 12 فیصد رہے گی۔ ... کم ہو کر 2.6 ارب ڈالر رہ گیا ہے جبکہ اسٹیٹ بینک کے زرمبادلہ کے ذخائر 11 ارب ڈالر ہے۔ رپورٹوں کے مطابق مہنگائی کے خاتمے کے تخمینوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔ رپورٹ میں مزید بتایا گیا ہے کہ حکومت نے رواں مالی سال کی پہلی ششماہی میں 110 ارب روپے کے بیرونی قرضے لئے جس میں آئی ایم ایف کے 93 ارب روپے بھی شامل ہیں۔ 25 مارچ 2010ء تک 1240 ارب روپے کے حکومتی قرضے لئے گئے ہیں ... مد سے 110 ارب روپے زائد ہیں۔ اس کے بالکل ساتھ آنے والی ... رپورٹ کے مطابق ... فی یونٹ قیمت میں ... روپے پیسے کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ نیپرا نے نوٹیفکیشن جاری کر دیا ہے جبکہ ایک اور رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ وفاقی حکومت نے رواں مالی سال کے لئے ٹیکس وصولیوں میں گزشتہ شارٹ فال پورا کرنے کے لئے مہنگائی کا نیا طوفان برپا کرنے کی حکمت عملی طے کر لی ہے جس کے تحت 31 ارب روپے کی اضافی وصولیوں کا ہدف مقرر کیا گیا ہے۔ بجلی کی قیمتوں میں اضافے سے ٹیکس کی مد ...

[illegible] حکمران پیپلز پارٹی کی رہنما فوزیہ وہاب نے پچھلے دنوں صاف صاف کہا ہے کہ بجلی وافر [illegible] ہونے والا نہیں۔ جبکہ ایران سے کم قیمت سستی بجلی کی درآمد کے بارے میں معاہدہ [illegible] کو بالکل ختم ہی کر دیا گیا ہے کہ ایران سے بجلی درآمد کرنے میں پانچ سال لگیں گے۔

[illegible] مصنوعات کی قیمتوں میں اضافے کا سلسلہ تو خیر تم ہوتا نظر نہیں آ رہا جبکہ یہ [illegible] معیشت کو زندہ اور رواں رکھنے میں تازہ خون کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان [illegible] [illegible] یا گراں سے گراں تر کرتے چلے جانے کے معنی اس کے [illegible] نہیں [illegible] صنعت و حرفت بھی ختم ہو جائے کیونکہ اس بارے میں ایک صنعت کار نے [illegible] فوائد و مزدور تک جانتا ہے کہ اگر ان اشیاء کی قیمتیں بڑھ جائیں تو ان سے حاصل ہونے والی [illegible] خود بخود مہنگی ہو جائے گی۔ صنعت کار یہ بوجھ صارف کی طرف منتقل کر سکتا ہے لیکن ایک حد سے زائد نہیں اس کے بعد صارفین کی قوت خرید ختم ہو جائے گی اور وہ غیر ملکی [illegible] پر جو سستا [illegible] قیمت ہوں گے، انحصار کریں گے جس سے مقامی صنعت کا بھٹہ بیٹھ جائے گا۔ یوں صنعت و حرفت جو ملک کا بیشتر روزگار فراہم کرنے والا شعبہ ہے، تباہی کے دہانے پر پہنچ چکا ہے اور [illegible] میں جب حکومت خود اضافہ کر رہی ہو تو دوسروں کو کون روک سکتا ہے؟ مزید یہ کہ جب سستی بجلی مل رہی ہے تو اسے حاصل کرنے میں کیا امر مانع ہے۔

کئی گنا مہنگے رینٹل پاور پراجیکٹ پر اصرار کے کیا معنی ہیں اور کیا حکومت قوم کو بتائے گی کہ ان پراجیکٹس سے اب تک کیا کچھ حاصل ہوا ہے اور یہ خرچ کہاں سے پورا کیا گیا ہے؟ اور ان پر کیا خرچ آ چکا ہے کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ یا تو ہمارے حکمران کسی بھی چیز کو سنبھالنے کے اہل ہی نہیں اور وہ عوام کے مسائل اور مشکلات سے بالکل بے خبر ہیں یا پھر ان کو ٹال بتانے کے سوا کچھ نہیں [illegible] وزیراعظم نے ابھی پچھلے دنوں کہا کہ بجلی گیس وغیرہ کے ضمن میں عوام کو درپیش مشکلات اور [illegible] حوالے سے روز افزوں گرانی کا احساس ہے، عوام کو جلد ریلیف دیں گے۔ اس ریلیف کی تازہ

میں 3 ارب روپے کا مزید [illegible] حاصل ہوگا۔ اس سلسلے میں ایف بی آر نے سمری [illegible] ہے جبکہ وزیر پانی و بجلی نے کہا ہے کہ بجلی کا بحران [illegible] اور سبب ہوا جلد ختم کر دیا جائے گا۔

پاکستان پر قرضوں کا مجموعی بوجھ 8 ہزار ارب روپے تک جا پہنچا ہے اور قوم پر [illegible] ہونے کے لئے یکم اپریل سے ممکنہ طور پر پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں مزید 7 فیصد اضافہ [illegible] گیا۔ دریں اثناء ملک بھر میں بجلی کی بدترین لوڈ شیڈنگ ہو رہی ہے۔ مظاہرے جاری ہیں۔ ادھر [illegible] اپریل سے گھڑیاں ایک گھنٹہ آگے کرنے کا نوٹیفکیشن واپس لے لیا گیا ہے۔ جبکہ ساتھ ہی ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان سمیت دنیا بھر میں ایک گھنٹے کے لئے بتیاں بجھا کر ساعت ارض (آرتھ آور) منائی گئی اور یہ خبر اس ملک (پاکستان) سے بھی آئی ہے جہاں پچھلے دنوں تک آنے والی رپورٹوں کے مطابق لوڈ شیڈنگ کا دورانیہ شہروں میں 16 سے 18 گھنٹے اور دیہات میں 20 سے 22 گھنٹے تک جا پہنچا تھا اور بجلی بحران نے صرف ایک سال میں 4 لاکھ اور ایک اندازے کے مطابق دس لاکھ کے لگ بھگ افراد کو بے روزگار کر دیا ہے۔ صنعتوں کو سالانہ 220 ارب کا نقصان ہو رہا ہے۔ پٹرولیم کی قیمتوں میں اضافے کا امکان ہے۔ مارچ میں پٹرول کی قیمتیں 4 ڈالر 49 سینٹ بڑھ کر 5 ڈالر 52 سینٹس ہو گئیں۔ ماہرین کے مطابق عالمی منڈی میں قیمتیں بڑھنے سے مقامی سطح پر بھی قیمتوں میں اضافہ ہو سکتا ہے۔

یہ ملکی معیشت کا محض چند پہلوؤں سے اور صرف ایک سرسری جائزہ ہے۔ اس حوالے سے مزید جائزہ لیا جائے تو تاجروں کے مطابق پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافے سے پہلے ہی سسکتی [illegible] صنعت و حرفت اور تجارت کی موت واقع ہو جائے گی۔ اس موقف کی تصدیق اس رپورٹ سے بھی ہوتی ہے کہ صرف گزشتہ ایک سال میں 4 لاکھ ہم وطن بے روزگار ہو گئے۔ گزشتہ دو سال [illegible] یہ تعداد [illegible] 8 لاکھ شمار کی جا سکتی ہے۔ اس صورت حال کے فوری طور [illegible] نئے محصولات عائد کرتی چلی جا رہی ہے

[illegible] کی قیمتوں میں تازہ ترین اضافے کی صورت میں [illegible]
[illegible] ہیں اور [illegible]
[illegible] سال [illegible] اچھی طرح [illegible] بتاتا ہے۔ صنعت [illegible]
[illegible] آخری اسٹیج پر پہنچ چکا ہے [illegible]
46 فیصد زرمبادلہ فراہم کرتا ہے۔ اس شعبے کی تباہی سے [illegible] اور مختصر ترین [illegible]
[illegible] زرمبادلہ کی آمدنی میں یہ صنعت 46 فیصد کی [illegible]
غیر ملکی قرضوں کا حجم 55 ارب ڈالر سے تجاوز کر چکا ہے اور زرمبادلہ کے ذخائر 16 سے 17
ارب ڈالر تک [illegible] وفاقی وزیر تجارت بتا رہے ہیں گے۔ زراعت سے
[illegible] جن دریاؤں پر بھارت اندھا دھند ڈیم بنا کر ان کی
[illegible] اس کے نتیجے میں ہمارے دریاؤں میں کتنا پانی باقی رہ گیا ہے۔

[illegible] 70 فیصد آبادی زراعت پیشہ ہے اور صنعت سے بعد زرعی
[illegible] موجودہ حکومت کے 3 سال باقی
[illegible] بے روزگاری [illegible] تو ایسے حالات میں [illegible]
[illegible] 18 سے 20 [illegible] بے روزگار ہو چکے ہیں گے۔ ساتھ ہی وزیراعظم [illegible]
[illegible] اس وقت تک [illegible] بے روزگار طبقہ [illegible]
[illegible] وزیراعظم [illegible] اور وفاقی وزیر صنعت و پیداوار [illegible]
[illegible] اور کتنے [illegible]
[illegible] وفاقی وزیر
[illegible] پانی [illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] اس صورت میں نہیں [illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] تمام ملکی [illegible]

اردو فنز کیلئے

ہو گئی ہوتا اور بات ہے اور اب تک یہی ہوتا بھی آیا ہے) پیپلز پارٹی اپنے اتحادیوں کے ساتھ روٹی کپڑا اور مکان کا نعرہ لگا کر اقتدار میں آئی تھی۔ اس نے دو برسوں میں قوم کو جو کچھ دیا ہے وہ ان چند جملوں میں واضح ہے اور مستقبل کا نقشہ بھی ان ہی میں عیاں ہے۔ اب پیپلز پارٹی کو خود ہی فیصلہ کر لینا چاہیے کہ اسے عوام کے مسائل حل کرنے کے لئے سنجیدگی سے اقدامات کرنا ہیں یا پھر وہ اپنے ہی خلاف ایک اور ہنگامہ خیز تحریک کا مقابلہ کرے گی؟

(مئی 2010ء)

لوڈشیڈنگ، مہنگائی، ہنگامہ آرائی

پاکستان شاید دنیا کا واحد ایسا ملک ہے جہاں کوئی بھی کام بغیر کمیشن نہیں، رشوت، سفارش، اقربا پروری، اختیارات کا ناجائز استعمال، میرٹ کی خلاف ورزی، غرض یہ کہ جو جس شخص کو جتنا اختیار جتنا اور طاقت ساتھ دیتی ہے وہ اتنا ہی اس ملک اور اس کے مظلوم عوام کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہا ہے۔ پالیسیاں، منصوبے، پانچ اور دس سالہ پروگراموں کے اعلانات صرف اخبارات اور کاغذوں تک محدود ہوتے ہیں جبکہ زمینی حقائق اس کے برعکس ہیں۔ پاکستان کے حالات دیکھ کر اللہ تعالیٰ پر ایمان مزید پختہ اور مضبوط ہو جاتا ہے کہ واقعی کوئی طاقت ایسی ہے جو اس مملکت خداداد کو چلا رہی ہے، کیونکہ اس کا قیام ایک معجزے سے کم نہیں اور اس کا 63 سال تک چلنا ایک کرشمہ ہی ہے۔ امن و امان، لوڈشیڈنگ، صنعتوں کی بندش، بیروزگاری، مہنگائی، تعلیمی حالت کی ابتری، پیٹرولیم مصنوعات کے نرخوں میں آئے روز اضافہ، من مانے کرایوں کی وصولی، جعلی ہاؤسنگ سوسائٹیاں، اشیائے خوردونوش کی چیزوں میں ملاوٹ، جعلی ادویات کی دھڑلے سے فروخت، ڈاکٹروں، افسروں، ٹھیکیداروں کی کمیشن کے چرچے کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ مہنگائی روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ جس کے نتیجے میں صرف اور صرف غریبوں کی مشکلات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ مہنگائی میں کمی

[illegible] سے متعلق [illegible] کی [illegible] جاری ہیں لیکن ان پر عملدرآمد صرف [illegible]
[illegible] کی جانب سے جاری کردہ [illegible] کے مطابق
[illegible] نے [illegible] کی قیمتوں میں گزشتہ [illegible]
8 برس 2010 [illegible]
[illegible] 4.18 [illegible] کی نسبت 79 فیصد اضافہ ہوا ہے۔ ایک [illegible]
[illegible] کی 53 [illegible] 25 کی قیمتوں میں اضافہ 8 میں کی اور 20 میں [illegible]
گزشتہ [illegible] کی قیمتوں میں اضافہ ہوا [illegible]
[illegible] بجلی کی لوڈشیڈنگ [illegible]
[illegible] لیکن [illegible]
[illegible] کے مطابق [illegible] حکومتوں کو ہی قرار [illegible] ہیں [illegible]
[illegible] 2 [illegible] ہو گئے ہیں لیکن اس نے بھی بحران کے حل پر سنجیدگی سے توجہ نہیں
[illegible] کی بندش سے لاکھوں مزدور بے روزگار اور [illegible]
[illegible] ہیں [illegible] پریشانیوں کا شکار ہے۔ حکمرانوں کی غفلت
[illegible] بجلی کا شارٹ فال 5000 میگاواٹ تک پہنچ گیا ہے۔
[illegible] کے مطابق [illegible] کی حالت نافذ کر دی گئی ہے۔ [illegible]
[illegible] بجلی کی طلب 15000 میگاواٹ جبکہ پیداوار 1000 میگاواٹ ہے [illegible]
[illegible] بجلی کی صورتحال قدرے بہتر [illegible]
[illegible] ترقی اور خوشحالی کے لئے بجلی، تیل اور ایندھن کے [illegible]
[illegible] آمد و رفت کے ذرائع بڑھانے کے
[illegible] بجلی، تیل [illegible] ایندھن سستے [illegible]
[illegible] پیداوار [illegible]

[illegible] اور [illegible]
[illegible] میں [illegible] قدرتی [illegible]
[illegible] کی اقدامات [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] قیمتوں میں اضافہ کا بوجھ عوام پر [illegible]
[illegible] گیس کے نرخوں میں 20 فیصد اضافہ [illegible]
[illegible] کارپوریشن کی جانب سے [illegible]
[illegible] انکار کے باعث چینی کے نرخوں میں 15 روپے فی [illegible]
[illegible] کے تحت پہلے مرحلے میں 10 روپے فی کلو قیمت [illegible] 5
روپے مزید اضافہ کیا جائے گا عوام کو ریلیف دینے کی [illegible]
کرنے والے تجربے باخوف و خطر جاری ہیں۔ دوسری جانب [illegible]
ملازمین کو صرف پے اینڈ پنشن کمیشن کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا ہے جس کی رپورٹ [illegible]
[illegible] 200 فیصد سے بھی بڑھ گئی ہے اطلاعات کے مطابق پے اینڈ پنشن کمیشن نے حکومت [illegible]
رپورٹ پیش کر دی ہے جس میں سرکاری ملازمین کی تنخواہوں میں 50 فیصد اضافے کی [illegible]
گئی ہے یہاں بھی سرکاری ملازمین کے ساتھ [illegible]
[illegible] ہوئے یہ اضافہ 3 برسوں میں کرنے کا منصوبہ بنایا گیا ہے جس کے بعد یہ حقیقت [illegible]
ہو گئی ہے کہ 50 فیصد اضافے کا مطلب سالانہ 15 فیصد اضافہ ہے۔ 3 سال بعد مہنگائی [illegible] تک
پہنچی ہو گی حکمرانوں کو اس سے کیا غرض؟ دوسری جانب اگر صرافہ [illegible] پر نظر ڈالتے
ہیں تو وہاں پر بھی پریشانی اور جمود کا عالم ہے۔ [illegible]

[illegible] مقابل شدید ردعمل [illegible]

[illegible] میں [illegible] قدرتی گیس [illegible]

[illegible] کی اقدامات [illegible] اضافے [illegible]

[illegible] اضافی [illegible]

[illegible] تمام [illegible] آئل اینڈ گیس ریگولیٹری اتھارٹی [illegible]

قیمتوں میں اضافے [illegible] عوام پر [illegible]

[illegible] مترادف۔ گیس کے نرخوں میں 20 فیصد اضافے [illegible]

[illegible] یوٹیلٹی سٹورز کارپوریشن کی جانب سے [illegible]

[illegible] سے انکار کے باعث چینی کے نرخوں میں 15 روپے فی کلو [illegible] جس کے تحت پہلے مرحلے میں 10 روپے فی کلو قیمت بڑھائی [illegible] میں 5 روپے مزید اضافہ کیا جائے گا عوام کو ریلیف دینے کی بجائے انہیں مشکلات و مصائب میں مبتلا کرنے والے تجربے بلاخوف و خطر جاری ہیں۔ دوسری جانب سب سے زیادہ متاثرہ سرکاری ملازمین کو صرف پے اینڈ پنشن کمیشن کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا ہے جس کی رپورٹ کے انتظار میں مہنگائی 200 فیصد سے بھی بڑھ گئی ہے اطلاعات کے مطابق پے اینڈ پنشن کمیشن نے حکومت کو اپنی رپورٹ پیش کر دی ہے جس میں سرکاری ملازمین کی تنخواہوں میں 50 فیصد اضافے کی سفارش کی گئی ہے یہاں بھی سرکاری ملازمین کے ساتھ الفاظ کی جادوگری اور اعداد و شمار کے ہیر پھیر کا گورکھ دھندہ کھیلتے ہوئے یہ اضافہ 3 برسوں میں کرنے کا منصوبہ بنایا گیا ہے جس کے بعد یہ حقیقت آشکارہ ہو گئی ہے کہ 50 فیصد اضافے کا مطلب سالانہ 15 فیصد اضافہ ہے۔ 3 سال بعد مہنگائی کہاں تک پہنچی ہو گی حکمرانوں کو اس سے کیا غرض؟ دوسری جانب اگر صرافہ مارکیٹوں کی صورتحال پر نظر ڈالتے ہیں تو وہاں پر بھی پریشانی اور جمود کا عالم ہے عالمی منڈی کے باعث صرافہ مارکیٹ عدم استحکام

[illegible] ہیں لیکن ان پر عملدرآمد صرف زبانی جمع [illegible]

[illegible] مہنگائی [illegible] مطابق

[illegible] کی جانب سے جاری [illegible]

18 اپریل 2010ء [illegible] فیصد [illegible] ایک [illegible]

[illegible] 18.4 [illegible] 79 [illegible] 8 [illegible] 20 [illegible]

[illegible] 53 [illegible] 25 کی قیمتوں میں اضافہ [illegible] کی قیمتوں میں اضافہ [illegible]

گزشتہ [illegible] لوڈشیڈنگ نے ملک [illegible]

[illegible] ہیں لیکن [illegible] حکمران

[illegible] قرار [illegible] موجودہ عوامی

[illegible] بحران کے حل پر سنجیدگی سے توجہ نہیں

حکومت [illegible] 2 سال ہو گئے ہیں لیکن اس نے بھی [illegible]

[illegible] کی بندش سے لاکھوں مزدور بے روزگار اور ہزاروں

[illegible] پریشانیوں کا شکار ہے۔ حکمرانوں کی غفلت

[illegible] 5000 میگاواٹ تک پہنچ گیا ہے۔

[illegible] ہنگامی حالت نافذ کر دی گئی ہے۔ موجودہ

[illegible] 15000 میگاواٹ [illegible] پیداوار 1000 میگاواٹ ہے تاہم

[illegible] بجلی کی صورتحال قدرے بہتر ہو

[illegible] ترقی اور خوشحالی کے لئے بجلی، تیل اور ایندھن کے دوسرے وسائل کا

[illegible] آمد و رفت کے ذرائع بڑھانے کے

[illegible] بجلی، تیل اور [illegible] ایندھن [illegible]

[illegible] روزگار

[illegible]

... پاکستان میں ... گندم کی خریداری ...

اس وقت پنجاب میں گزشتہ سال کی نسبت ... گندم اضافی موجود ہے ...

سال کی گندم کی خریداری بھی عمل نہیں ہو سکی ہے۔ حکومت ... [illegible]

ہے جس کے باعث بیس لاکھ ٹن گندم برآمد کرنے کا فیصلہ ... [illegible]

... ان حالات میں کیا یہ ممکن نہیں کہ حکومت فاضل گندم برآمد کرنے ... [illegible]

... غریب خاص کر صوبہ خیبر پختونخوا کے غریب عوام ... [illegible]

گئے ہیں۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ جب گندم کا اتنا بڑا ذخیرہ ... ہے اور

کل گندم سٹاک کرنے کا انتظار بھی کرتا ہے اس صورت میں موجودہ ... عوام ... تک

منتقل کیا جائے۔ آٹے کے نرخوں میں فوری طور پر کمی کی جائے۔ جو ریٹ اس وقت افغانستان میں

ہے اسی ریٹ پر پاکستانی عوام کو آٹا فراہم کیا جائے۔ اس سے گندم کے خراب ہونے کا بھی امکان

نہیں رہے گا اور غریب عوام بھی حکومتی ریلیف سے مستفید ہو سکیں گے۔

(مئی 2010ء)

[illegible] 1000 ... [illegible]

... 40000 ... 37000 ... [illegible]

... [illegible]

اس وقت پاکستان کو ... مہنگائی کے سخت ترین دور کا سامنا ہے۔ اشیائے خورد و نوش کے نرخ

... بالخصوص صوبہ خیبر پختونخوا میں تو آٹے کے نرخ صارفین کی قوت خرید سے

... پنجاب کی نسبت مہنگا آٹا دستیاب ہے۔ لیکن غربت اور امن و امان کی

مخدوش صورتحال سے ... بندش کے باعث بے روزگاری میں اس قدر اضافہ ہوا

... پریشان ہے اور آٹے کا توڑا خریدنے کی سکت نہیں رکھتا۔

... روپے تک پہنچ گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مارکیٹ میں آٹے کی بہتات

... افغانستان کو آٹے کی سمگلنگ بھی ختم ہو گئی ہے۔ گزشتہ

... صورت ... کے پاس فاضل گندم موجود ہے۔ وفاقی

توانائی کا بحران

صدیوں سے دنیا کی قومیں بحرانوں کا شکار ہیں۔ کسی ملک میں سیاسی بحران ہے تو کہیں معاشی بحران ہے۔ کئی ممالک معاشی بحران میں مبتلا ہیں مگر محنت میں عظمت ہے۔ جاپانیوں، چینیوں اور دوسری قوموں نے بے پناہ محنت سے وہ مقام حاصل کر لیا ہے کہ سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ ان ممالک کا ہر شہری ملک کے لئے سوچتا ہے۔ اپنی ذات سے بالاتر ہو کر ملک کے لئے کام کرتا ہے اور ہم ذات کو پہلے ترجیح دیتے ہیں اس کے بعد ملک کی سوچتے ہیں۔ جب تک اجتماعی سوچ پیدا نہیں ہو گی ملک بحرانوں کا شکار رہے گا۔ پاکستان کو قدرت نے بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے۔ ملک کی پوشیدہ خزانوں سے ... سب بحران و تلاش کرنے کے لئے محنت کی ضرورت ہے۔ دنیا کی بہترین زرعی زمین ہمارے پاس ہے۔ دنیا کا سب سے بڑا اور موثر نہری نظام ہمارے ملک میں ہے۔ زرعی ملک ہونے کے باوجود آج بھی درآمد کرتے ہیں۔ ان میں سرفہرست زرعی اجناس ... ہیں۔ چینی کے پیداواری کارخانے ملک میں ہیں مگر ہم چینی درآمد کرتے ہیں۔ ... کی کوشش نہیں کرتے۔ بیماری اور غربت کے مسائل ہمارے ساتھ ہیں۔ پالیسیوں پر ... دیتے ہیں ... سے کام نہیں لیتے۔

اس وقت ملک زرعی و توانائی کے بحران کا شکار ہے۔ ہم ان دریاؤں میں پانی کی قلت دیکھتے ہیں کہ ڈیموں میں پانی کی سطح بھی کم ہوتی جا رہی ہے۔ ... پہلے سے ذہن میں ... ہوتی تھی ... پالیسی ... توانائی کی ... طرف ... توانائی کے بحران سے زرعی نقصان ... صنعتی نقصان ... ہوا ہے ... حکمرانوں نے اس چیز کو اس طرح نظر انداز کیا۔

پاکستان توانائی کے وسائل سے بھی مالا مال ہے۔ ... توانائی سے ... بجلی کی ضرورت ہے۔ قدرتی گیس سے وافر مقدار ... ہیں جو ہماری توانائی کی ضرورت کا کافی حصہ پوری کرتے ہیں۔ تیل بھی موجود ہے مگر اس قدر نہیں ہے۔ تیل کی ملکی ضرورت پوری کر سکے۔ کوئلہ میں اب ثابت ہو چکا ہے کہ ہم بہت بڑے ذخائر کے مالک ہیں مگر وہ موجود ... نہیں ہے۔ ہمارے ملک میں آبی ذخائر بھی موجود ہیں اور آبی توانائی بھی موجود ہے۔ اس کے ... سے توانائی پیدا کی جا سکتی ہے۔ اگر قدرتی گیس ملک میں نہ ہوتی تو توانائی کی صورتحال بدترین ہوتی۔ اس وقت توانائی کا بحران ڈیموں کی وجہ سے ہے۔ تربیلا ڈیم کے بعد دوسرا ڈیم تعمیر نہیں ہوا صرف منصوبہ بندی ہوتی رہی۔ اگرچہ کئی امکانات ہیں کہ آبی توانائی حاصل ہو سکتی۔ ... درست ... ہمیں پر اب بھی موقع ہے کہ آبی ذرائع سے فائدہ اٹھایا جائے۔ ... متبادل ذرائع بھی ہونے چاہئیں۔ بجلی، گیس، تیل اور کوئلہ سے بجلی پیدا کرنے کے کارخانے لگائے جائیں تاکہ بنیادی ضرورت بجلی وافر مقدار میں دستیاب رہے اور اس طرح ملک زرعی اور صنعتی ترقی کر سکے۔ ڈیموں کے ذریعے بجلی پیدا کرنے کو ترجیح دی جائے اس کے چار پانچ فوائد ہیں اور ان کی تعمیری مدت پانچ سال سے بھی کم عرصہ میں حاصل ہو جاتی ہے بجلی پیدا کرنا ان کا اولین فائدہ ہے اس کے بعد زرعی ترقی ہے۔ پانی کی حسب ضرورت کھیتوں کو فراہمی اور جہاں نہری زمینیں نہیں ہیں وہاں پر ٹیوب ویلوں کے ذریعے پانی کی فراہمی وغیرہ۔ واضح رہے کہ ٹیوب ویل بجلی سے چلتے

حامد
اردو فینز
کیلئے

ہیں۔ ان ڈیموں کی بدولت صنعتی ترقی بھی ہوئی اور کارخانے بجلی کی مسلسل فراہمی کی وجہ سے [illegible] پیداوار دینے لگے۔ آج کل [illegible] بجلی کی [illegible] کی وجہ سے [illegible] برآمد ہوتی ہیں اور [illegible] روزگار ملتا ہے۔ کئی ایک [illegible] ڈیموں سے [illegible] کر کے بھی تجدیدی توانائی کے زمرے میں آتا ہے کہ قدرت پانی مسلسل نظام سے [illegible] فراہم کرتی رہتی ہے۔ ان میں کوئی خام مال استعمال نہیں ہوتا۔ صرف پانی اور پانی [illegible] برف کی شکل میں پانی محفوظ کرتے ہیں۔ اس طرح سے بجلی پیدا کرنے سے ماحول آلودہ نہیں ہوتا ہے۔ ان ذرائع میں پن بجلی سب سے اچھوت توانائی ہے۔ ان ذرائع کو کئی ممالک میں بہت مؤثر طریقے سے چلا کر بہت زیادہ مقدار میں بجلی حاصل کی جا رہی ہے۔ پن بجلی کے ڈیموں سے زراعت حسب ضرورت پانی ڈیموں اور نہروں میں رواں کیا جاتا ہے۔ پانی بلاوجہ ضائع نہیں ہوتا ہے۔ اس سے ذریعے پانی کی سطح ڈیموں اور ان کے اردگرد میں پھیلنے سے روکا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ڈیموں سے سیلاب کو بھی قابو کیا جاتا ہے۔ سیلابوں سے ہر سال کروڑوں روپے کا نقصان ہوتا ہے۔ ڈیموں سے ماحولیاتی آلودگی نہیں ہوتی۔ پن بجلی پیدا کرنے کے لئے صرف پانی کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ استعمال کے بعد بھی کام آتا ہے۔ یعنی پن بجلی پیدا کرنے کے کئی فوائد ہیں۔ لہٰذا وقت ضائع کئے بغیر پن بجلی کے منصوبوں پر عملی کام شروع کیا جائے۔ اس پر خرچ کیا ہوا پیسہ بہت کم مدت (یعنی پانچ سال سے بھی کم) میں وصول ہو جائے گا۔ مزید فصل زیادہ اور مسلسل صنعتی پیداوار ملک میں خوشحالی لائے گی اور آلودگی سے بھی نجات مل جائے گی۔ سیلابوں کو روکا جا سکے گا۔ زرعی زمینوں کی بیماری بھی ختم ہو جائے گی۔ پانی ضائع ہونے سے بچ جائے گا۔ پن بجلی سے روزگار اور واٹرلاگنگ سے بھی نجات مل جائے گی۔ اگر یہ ڈیم پہلے ہی تعمیر کر لئے جاتے تو یہ بھی [illegible] اور آج ہم توانائی کا بحران پیدا ہی نہیں ہونے دیتے اور اربوں روپے [illegible] پاور پلانٹس [illegible]۔ پن بجلی سے قدرتی گیس اور تیل کی بھی بچت ہوتی۔

[illegible] مقصد کے لئے استعمال کرتے تھے۔ [illegible] سب سے [illegible] میں [illegible] ہوئی جب [illegible] اہمیت [illegible] کرتے تھے۔ [illegible] بھی [illegible] تیار کرتے تھے۔ [illegible] طرف [illegible] صنعتی ترقی سے محروم ہوتے چلے گئے۔ [illegible] کرتے ہیں۔ آج بھی [illegible] ہے۔ ہم پن بجلی سے [illegible] پر ایسے ڈیمز بھی پن بجلی پیدا ہوتی ہے تو [illegible] بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

ابھی تو ہم مستقبل پر نظر رکھتے ہیں اور آج منصوبہ بندی کرتے ہیں۔ امریکہ میں چھوٹے سے چھوٹے شہر کی سڑکیں بڑے بڑے شہروں کی سڑکوں کے برابر ہوتی ہیں تاکہ چند پچاس سال کے بعد ان سڑکوں کو چوڑا کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔ اس طرح پانی کی لائنیں بھی اسی حساب سے بچھائی جاتی ہیں کہ پچاس ساٹھ سال بعد بھی کارآمد ہوں اور موسمی اثرات سے محفوظ رہیں۔ چھوٹے چھوٹے قصبوں میں بڑے بڑے ریلوے اسٹیشن بس کے اڈے اور ایئرپورٹ ہوتے ہیں کئی سالوں تک مزید توسیع کی ضرورت نہ پڑے۔ ہماری منصوبہ بندی کا یہ حال ہے کہ دس بارہ سال میں ہی مزید توسیع کی ضرورت ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات تو تعمیری کام سے بھی دوبارہ تعمیر و مرمت کی ضرورت درکار ہوتی ہے۔

پاکستان کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار اور بیش قیمت نعمتوں سے نوازا ہے۔ قدرتی گیس سوئی کے مقام پر 1952ء میں دریافت ہوئی تھی جو کہ صوبہ بلوچستان میں واقع ہے اور سب سے پہلا گیس کا چولہا کراچی میں 1955ء میں روشن ہوا تھا۔ اس وقت اندازہ تھا کہ یہ ذخائر سو سال تک کارآمد رہیں گے مگر استعمال کی رفتار سے اب اندازہ ہے کہ صرف 63 سال تک کے لئے کافی ہیں۔ لیکن اب قدرتی گیس کا استعمال بہت زیادہ ہو گیا ہے۔ قدرتی گیس سے کھاد تیار ہوتی ہے اور

اردو ف[…] کیلئے

بجلی بھی پیدا کی جاتی ہے۔ اس لئے ہم پر شکر ضرور ہے مگر ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرتے۔ اگر
قدرتی گیس نہ ہوتی تو توانائی کی صورت حال بہت زیادہ خراب ہوتی۔ توانائی کی […]
پیدا ہوتی ہے۔ اس وقت توانائی کے اخراجات کے لحاظ سے امریکہ سرفہرست ہے جبکہ […]
ریاست ہائے متحدہ امریکہ دنیا کا بے حد ترقی یافتہ ملک ہے۔ امریکہ میں بجلی کے تسلسل […]
کے بارے میں کوئی شخص سوچ بھی نہیں سکتا۔ اگر کبھی یہ خلل واقع ہو بھی گیا تو وہاں بڑے […]
ہو جاتے ہیں کیونکہ کثیر المنزلہ عمارتوں میں لفٹیں رک جائیں گی ہوائی اڈے بند ہو جائیں گے۔
زیر زمین ریلوے کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ ہزاروں آدمی دم گھٹنے سے موت کے منہ میں پہنچ
جاتے ہیں۔ […] والا بجلی کا نظام بھی تو انسان ہی نے ترتیب دیا ہے۔ ہمارے ملک میں
یہ […] ممکن نہیں ہے۔ قدرتی گیس کے بعد اللہ تعالیٰ نے وافر مقدار میں پتھر کا کوئلہ، سنگ مرمر،
تیل، […] وغیرہ جیسی بیش بہا اور بیش قیمت معدنیات سے ہمارے ملک کو نوازا ہے۔
کوئلہ کافی مقدار میں […] میں پایا جاتا ہے۔ مگر اس کا استعمال سب سے کم ہے۔ اس کی کئی
وجوہات ہیں […] میں روایتی سستی اور کاہلی کا بھی دخل ہے۔ کوئلے پر جس قدر تحقیق اور ترقی ہونا
چاہیے تھی نہیں ہوئی۔ اب بھی موقع ہے کہ کوئلہ جیسے انعام خداوندی پر توجہ دی جائے۔ کوئلے سے
مختلف […] اور […] کیمیکلز تیار ہو سکتے ہیں۔ کوئلے کو گیس میں تبدیل کیا جا سکتا
ہے۔ […] ذخائر 12.5 ملین ٹن ہیں جن میں سے 197.5 ملین ٹن کی پیمائش کی
جا چکی ہے۔ 188 ملین ٹن کی نشاندہی کی جا چکی ہے اور 663 ملین ٹن کا صحیح اندازہ ہے۔
[…] "جی ایس پی" کے مطابق سندھ میں نئی دریافت کے ذخائر
[…] ملین […] ہے جو […] توانائی کی پانچ سو سال کی ضروریات کے لئے کافی
[…] میں […] معدنی تیل نکالا جا رہا ہے۔ جس قدر تیل
[…] ہے […] ملک کی تیل کی ضروریات بڑھ چکی ہوتی ہیں۔ تیل

کی ضروریات میں سات سے دس فیصد سالانہ اضافہ ہو رہا ہے اس طرح پچھلے کئی سالوں سے تیل
کی ضروریات کا چالیس فیصد حصہ تیل کی […] ذرائع سے پورا ہوتا ہے۔ تیل کی […]
بقیہ بیرون ممالک سے تیل اور ڈیزل وغیرہ کی صورت میں درآمد ہوتا ہے اور […]
کی صورت میں درآمد ہوتا ہے جو ملک کی […] صاف […] میں […] ہوتا ہے
جو گاڑیوں اور دیگر کاموں میں استعمال ہوتا ہے۔ پچھلے […] سالوں سے ملک میں […]
ریفائنری نہیں لگائی گئی ہے اس لئے ہمیں لازمی صاف تیل درآمد کرنا ہوتا ہے جس پر بھاری
زرمبادلہ خرچ ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا حقائق سے صاف ظاہر ہے کہ جب تک توانائی کے […] ذرائع کو ترقی نہیں دی
جائے گی ملک توانائی کے بحران سے نہیں نکل سکے گا […] مسائل […] رہے گا اس کے
نتیجے میں زرعی، صنعتی اور دیگر ترقی متاثر ہوتی رہے گی۔ توانائی ملک کے لئے […] حیثیت رکھتی
ہے۔ لہٰذا اس طرف بہت زیادہ توجہ کی ضرورت ہے سب سے پہلے ان ذرائع پر توجہ دی جائے جو
توانائی کا سب سے آسان اور سستا ذریعہ ہیں اور اس کی ضرورت ملک میں […] ہے۔ اس
کے بعد توانائی کا سب سے بڑا منبع کوئلہ ہے اس کے استعمال پر توجہ دی جائے۔ ہمارے مسائل
ہمیں ہی حل کرنا ہیں۔ ہمارے کوئلہ کے لئے […] ماہرین وہ مشینیں ترتیب دیں گے جو […] ایک
[…] کر سکتا ہے۔ کیونکہ پاکستانی کوئلہ کے مسائل پاکستانی ماہرین ہی بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں۔
اس وقت ملک میں توانائی کا سب سے بڑا ذریعہ کوئلہ ہے اس پر مزید تحقیق اور ترقی کی ضرورت
ہے۔

اس کے علاوہ غیر روایتی ذرائع سے بھی توانائی پیدا کی جا سکتی ہے۔ جس میں شمسی توانائی،
ہوائی توانائی، جنگلات کی ترقی، بائیو گیس، موجی توانائی اور آبی توانائی وغیرہ شامل ہیں۔
ہائیڈروجن بھی ایک بہت عمدہ صفائی آلودگی سے پاک سستی اور سہل ترین توانائی ہے۔ […]

[illegible] 21ویں صدی [illegible]

[illegible]

(2010ء)

اس آئینے میں اپنا چہرہ دیکھ لیجیے

گزشتہ دو سالوں کے دوران تقریباً 25 سے زائد اشیائے خورونوش جن میں چینی، آٹا، چاول، دالیں، گھی، بیف، مرغی، سبزیاں مختلف قسم کی دالوں کی قیمتوں میں 100 سے 120 فیصد تک اضافہ کیا گیا۔ آٹا اور چینی کا بحران ملک بھر میں جاری رہا۔ اس ساری صورتحال سے متعلق وزرا، مشیر بے گانہ و لاتعلق نظر آتے رہے۔ وفاقی ادارہ شماریات کی جون تا جولائی 2009ء کی رپورٹ کے مطابق اشیائے خورونوش سمیت 53 چیزوں کی قیمتوں میں اضافہ ہوا ہے۔ پارلیمنٹ میں خود حکومت نے تسلیم کیا ہے کہ 18 فروری 2008ء تا یکم فروری 2010ء تک گندم کی قیمت خرید میں 61 83 فیصد، چینی 168.55 فیصد، بناسپتی گھی 12.06 فیصد جبکہ چاول کی قیمت میں 10.52 فیصد اضافہ ہوا۔

پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں گزشتہ 2 سال کے دوران متعدد بار اضافہ کیا گیا اور مہنگائی کے دلدل میں پھنسی اور دہشت گردی کے گرداب میں گھری ہوئی عوام پر وقفے وقفے سے حکومت کی طرف سے پٹرول اور ڈیزل بم گرائے جاتے رہے۔ اس صورتحال کو دیکھتے ہوئے سپریم کورٹ نے جوڈیشل کمیشن تشکیل دیا جس نے انتہائی جانفشانی اور تیز رفتاری کے ساتھ اپنی رپورٹ تیار کر

کے پیش کی۔ مذکورہ رپورٹ میں عوام سے ٹیکسز کی آڑ میں عائد ناجائز وصولیوں کی [illegible]
نشاندہی کی گئی اور اسے غیر منصفانہ اور غیر ضروری قرار دیکر حکومت سے پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں
میں خاطر خواہ کمی کرنے کی سفارشات پر مبنی رپورٹ پیش کی۔ تاہم حکومت نے پٹرولیم پروڈکٹس
لیوی کی مد میں [illegible] بند کر دیا اور اعداد و شمار کی شعبدہ بازیوں اور الفاظ کے ہیر پھیر سے
ذریعے بدستور عوام کا خون نچوڑا جاتا رہا۔ ملک میں بدترین مہنگائی کی ایک وجہ جہاں تاریخ کی بلند
ہے وہاں حکومتی اہلکاروں، وزراء اور مشیروں کی عیاشیوں پر مبنی بیرونی دورے اور اس کے نتیجے میں
ہونے والے بھاری بھرکم اخراجات بھی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سال 2008 اور 2009 میں
مہنگائی عروج پر رہی اور آئے روز کی مہنگائی، بنیادی اشیائے ضروریہ کی قلت نے عوام کا جینا دوبھر
کیے رکھا ہے۔ جبکہ وزراء، مشیران اور انتظامی افسران نے اپنے اخراجات میں کوئی کمی نہیں کی۔

گزشتہ دو سالوں کے دوران موجودہ حکومت نے تعلیم اور صحت کی مد میں مختص کی گئی رقوم میں
تخفیف کی ہے۔ 30 جون 2009 کو ختم ہونے والے مالی سال میں یہ بالترتیب 1.1 اور 0.3
فیصد ہیں۔ گزشتہ کئی دہائیوں سے تعلیم اور صحت کے میدان میں اس تناسب سے رقوم خرچ نہیں کی
گئی تھیں۔ معاشی تجزیہ نگاروں کے مطابق 1990 کی دہائی کو فوجی ڈکٹیٹر پرویز مشرف کے دور
میں سیاستدانوں نے بھی معیشت کے لحاظ سے ناکام دہائی قرار دی تھی۔ مگر اس دہائی میں بھی تعلیم
کی مد میں 2.3 فیصد اور صحت کی مد میں 0.7 فیصد رقوم خرچ کی گئی تھیں۔ مالی سال 2009 میں
مجموعی قومی پیداوار کے تناسب سے تعلیم اور صحت کی مد میں خرچ کی جانے والی یہ رقوم افریقہ کے
بہت سے انتہائی غریب ممالک کے مقابلے میں بھی انتہائی کم ہیں۔ جبکہ حکمران کے سرکاری خرچ اور
ٹھاٹھ باٹھ ترقی یافتہ ممالک کے حکمرانوں سے بھی زیادہ ہیں۔ وفاقی حکومت کی طرف سے تعلیمی
[illegible] بھی کم [illegible] ہے۔ اساتذہ کے مسائل، پاکستان کے
[illegible] بڑے شہروں میں یونیورسٹیز اور کالجز

میں رہائش کی کمی، نامساعد حالات سے لے کر [illegible] ایک عذاب سے کم نہیں
ہے۔ یونیورسٹیز اور کالجز بھاری فیس [illegible] وصول [illegible] تعلیمی
اداروں میں رہائش کی سہولت نہیں دی جاتی [illegible]
[illegible] ٹرانسپورٹ اور رہائشی مسائل کی وجہ سے تعلیمی [illegible]
حکومت نے ان دو سالوں کے دوران [illegible] وفاقی اداروں میں بھی
ملازمت اور ملازمت پیشہ خواتین کے لئے [illegible] ٹرانسپورٹ اور [illegible] نہیں ہے۔
سرکاری اور نجی یونیورسٹیز اور کالجز [illegible]
حکومت کی ذمہ داری ہے۔ اسی طرح صحت [illegible] نہیں [illegible]
کہ این جی اوز کی طرف سے [illegible] ایجنڈے کے مطابق [illegible] جاری ہے۔
وزارت صحت میں حکومتی عہدیداروں کی ساری کوشش [illegible] ہے جس [illegible]
[illegible] کی جانب راغب کرنے پر لگی ہوئی ہے جبکہ پاکستان میں [illegible]
کثرت سے جاری ہے وہاں ادویات کی قیمتیں بغیر کسی حد و قیود کے مقرر کی جاتی ہیں۔ [illegible]
پرائس کنٹرول کمیٹی نہیں ہے جو ان ڈرگ کمپنیوں کو قیمتیں بڑھانے سے روک سکے۔

گزشتہ 2 سال کے دوران کرپشن کے سابقہ ریکارڈ توڑ دیے گئے۔ کرپشن کی اجتماعی اور
انفرادی ہر سطح پر حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔ قومی اداروں کو ذاتی جاگیر سمجھ کر لوٹا جا رہا ہے۔ نجی [illegible]
[illegible] سرمایہ کاری عدم تحفظ کا شکار رہی۔ وزارتوں اور دیگر سرکاری اداروں میں قواعد سے ہٹ کر
بھرتیاں کی گئیں اور من پسند افراد کو نوازنے کا سلسلہ جاری رہا۔ سرکاری اداروں میں بھرتیوں کے
حوالے سے اشتہارات تو دیئے گئے اور اس کے نتیجے میں ملک بھر سے لاکھوں کی تعداد میں تعلیم
یافتہ نوجوانوں نے اپنی خدمات پیش کرنے کے لئے درخواستیں بھی جمع کرائیں [illegible]
ہے۔ لیکن پہلے سے طے شدہ "فارمولے" کے تحت [illegible]

[illegible] 1997ء [illegible] 2009ء [illegible]

[illegible] 12 [illegible] 17 [illegible] 19 [illegible]

[illegible] 2 سال [illegible] 3 [illegible]

[illegible] 2010-11ء [illegible] 745 [illegible]

[illegible] 11,000 [illegible] 2010-11ء [illegible]

[illegible] 719 ارب روپے [illegible] 745 ارب روپے [illegible]

[illegible]

پاکستان کی [illegible] معاشی صورتوں کی ذمہ داری جہاں اداروں سے [illegible] پر عائد ہوتی ہے وہاں موجودہ حکومت [illegible] اور وزراء [illegible] میں برابر کی شریک ہے۔ [illegible] معاف کرانے والے [illegible] اداروں سے اگر مذکورہ رقم بازیاب کرائی جائے تو پاکستان آئی ایم ایف جیسے [illegible] سے قرض کی بھیک مانگنے کی بجائے قرضہ دینے کی پوزیشن میں آجائے گا۔ موجودہ حکومت نے [illegible] آئی ایم ایف کے جال میں پھنسا دیا ہے اور اس کی ساری شرائط قبول کر کے [illegible]

[illegible] 54 [illegible] 13 [illegible]

[illegible] سال 2009ء [illegible]

"Pakistan Climbs 5 places to 42nd most [illegible] corrupt country in 2009" [illegible]

"Pakistani needs immediate enforcement good governance and a transparent administration to counter the acute problems, the billion of rupees corruption scams reported in the Pakistan Steel, TDAP, EOBI, PIA, rentel power plants, KESC, NIC, NHA, OGDC, PSO, PEPCO, CDA, DP Division, DHAs, the NBP, many other orga[illegible]

بری طرح متاثر کیا گیا ہے۔ اسٹیٹ بینک کا ڈسکاؤنٹ ریٹ 15 فیصد ہے جس کی وجہ سے [illegible]
کاری ختم ہو کر رہ گئی ہے۔ 20 سے 24 فیصد سود پر قرضے لے کر کون کاروبار کر سکتا ہے؟ تیل کی قیمتیں
عالمی منڈیوں میں 148 ڈالر فی بیرل سے کم ہو کر 40 اور 36 ڈالر فی بیرل تک گر گئیں لیکن حکومت
نے تیل کی قیمتوں میں کمی کر کے عوام کو ریلیف فراہم نہیں کیا۔ ایک اندازے کے مطابق حکومت عوام
سے پٹرولیم مصنوعات پر ٹیکسوں کے ذریعے 80 ارب روپے سے زائد کما رہی ہے۔

موجودہ حکومت نے اپنے قیام سے ہی عدلیہ کی آزادی کو کبھی تسلیم نہیں کیا۔ عوام کو دھوکہ دینے
کے لیے تو متعدد بار عدلیہ کی آزادی کا اعتراف کیا گیا لیکن عملاً جس طریقہ سے 16 اکتوبر 2008ء
کو عوام نے خود عدلیہ کو بحال کرایا (اس سے پہلے صدر صاحب نے خود کہا کہ عوام نے عدلیہ کی
آزادی کے لئے ووٹ نہیں دیئے بلکہ روٹی، کپڑا اور مکان کے لئے ووٹ دیئے ہیں)۔ پٹرولیم
مصنوعات اور چینی کی قیمتوں میں ناجائز اضافہ اور بحران کے خلاف سپریم کورٹ کے فیصلہ پر
عملدرآمد کرنے کی بجائے پٹرولیم مصنوعات پر پٹرولیم ڈویلپمنٹ لیوی لگائی گئی اور چینی مافیا کے
خلاف کسی قسم کی کارروائی عمل میں نہیں لائی گئی۔ بلکہ سپریم کورٹ کے واضح حکم میں چینی کی متعین
کردہ قیمت سے موجودہ حکومت اور بالخصوص وفاقی حکومت کی طرف سے چینی مافیا کو اپنی صفوں سے
نکالنے کی بجائے ان کی حمایت کی گئی اور اس طرح اس فیصلہ پر بھی عملدرآمد
نہ ہو سکا جس کے نتیجے میں آج چینی کی فی کلو قیمت 80 روپے تک پہنچ گئی ہے اور ملک بھر میں
چینی کی شدید قلت ہے جس سے شدید بحران کا سامنا ہے۔ این آر او جیسا کالا قانون جو پرویز
مشرف نے اپنے اقتدار [illegible] کو چپ کرنے کے لئے نافذ کیا تھا، اس کا دفاع کیا گیا اور
[illegible] تاہم شدید عوامی دباؤ کے باعث حکومت کو اپنی اس
[illegible] اور پارلیمنٹ نے اسے منظور کرنے سے صاف انکار
[illegible]

(جون 2010ء)

لوٹ مار، دھونس دھاندلی کب تک؟

دو سال سے زائد عرصہ سے برسراقتدار حکومت نے مثبت تنقید، اپنی جماعت [illegible] ہر وہ شخص
ان کے نزدیک معتوب ہے جو حکومتی غلطیوں کی نشاندہی کرے۔ سیاست کے حوالے سے جو گل
کھلائے جا رہے ہیں اس سے تو پاکستانی بخوبی آگاہ ہیں کیونکہ ہمارے معاشرہ کا یہ مرغوب موضوع
ہے لیکن معیشت کے حوالے سے پاکستان کو تحت الثریٰ کی جن گہرائیوں میں دھکیلا جا رہا ہے
اس کا تصور بھی لرزا دینے والا ہے۔

عالمی بینک نے حال ہی میں جاری کی جانے والی اپنی رپورٹ میں پاکستان کو بدحال معیشت
والے ملکوں کی فہرست میں شامل کیا گیا ہے۔ اس سے قبل افغانستان اور نیپال اس فہرست میں
موجود تھے۔ ورلڈ بینک کی رپورٹ کے مطابق پاکستان میں دہشت گردی اور امن و امان کے
مسائل گزشتہ چند سالوں سے کافی حد تک بڑھ چکے ہیں جس کی وجہ سے یہاں کی معیشت بالکل تباہ
ہو کر رہ گئی ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ اگرچہ پاکستان میں ہونے والے دہشت گردی کے
واقعات اب تک افغانستان کی نہج تک نہیں پہنچے ہیں مگر اس کے باوجود حالات اتنے خراب ہیں کہ
آئندہ چند سالوں میں معیشت کی بحالی کے امکانات نظر نہیں آتے۔

عالمی بینک کی اس رپورٹ نے جہاں معاشی ترقی کے حکومتی دعووں کی قلعی کھول دی ہے وہیں دنیا بھر کے ترقی یافتہ ملکوں کو ایک خاموش پیغام بھی دیا ہے کہ وہ پاکستان میں سرمایہ کاری سے بچتے ہوئے بھارت اور سری لنکا جیسے ملک میں سرمایہ کاری کو ترجیح دیں۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ بھارت کی معاشی ترقی کی رفتار ترقی کی طرف گامزن ہے جبکہ سری لنکا کی معیشت بھی تامل ٹائیگرز سے چھٹکارا پانے کے بعد ترقی کے زینے چڑھ رہی ہے۔ عالمی بینک کی یہ رپورٹ ایسے وقت میں جاری کی گئی ہے جب پاکستان کی حکومت اپنی کئی بڑی کمپنیوں کے بانڈز عالمی مارکیٹ میں متعارف کرانے کا اعلان کر چکی ہے اور کئی روڈ شو بھی ان بانڈز کی مارکیٹنگ کے لئے متعارف کرائے گئے ہیں جبکہ حکومتی سطح پر یہ بھی اعلان کیا گیا ہے کہ ملک میں سرکاری اداروں کی نجکاری کا عمل دوبارہ شروع کیا جائے گا جس کے تحت پہلے مرحلے میں بڑی انرجی کمپنیوں جس میں او جی ڈی سی ایل اور پاکستان اسٹیٹ آئل شامل ہیں، کے بانڈز جاری کیے جائیں گے جس سے حکومت کو خاطر خواہ آمدنی ہوگی۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ حکومتی سطح پر اب تک اس رپورٹ میں پاکستان کے خلاف جو زہر اگلا گیا ہے اس پر کوئی شور نہیں مچایا گیا اور نہ ہی حزب اختلاف کے نمائندوں نے اس پر کوئی آواز اٹھائی ہے۔ عالمی بینک نے اپنی رپورٹ میں پاکستان میں امن وامان کا جو منظر نامہ پیش کیا ہے، زمینی حقائق اس کے برعکس ہیں۔ عالمی بینک نے اپنی رپورٹ میں پاکستان میں دہشت گردی کے واقعات میں اضافے کی نشاندہی کی ہے مگر عالمی بینک کو یہ بات بھی مدنظر رکھنی چاہیے کہ پاکستان کے یہ مسائل اس کے اپنے پیدا کردہ نہیں ہیں بلکہ یہ مسائل تو ہمیں امریکہ اور برطانیہ جیسے ترقی یافتہ ممالک سے طفیل ملے ہیں اور تلخ حقائق تو یہ ہیں کہ پاکستان نے اپنے مستقبل کو داؤ پر لگا کر عالمی دہشت گردی کے خلاف جنگ میں دنیا کے ترقی یافتہ ممالک کی مدد کی ہے مگر اس کے بدلے [illegible] جو وعدے کیے گئے تھے وہ ایک سال گزر جانے کے

باوجود پورے نہیں ہوئے۔ پاکستان میں دہشت گردی کے بڑھتے ہوئے واقعات کی روک تھام اور پاکستان کی معاشی ترقی میں حائل رکاوٹوں سے نمٹنے کے لئے [illegible] پاکستان فورم بھی ہوا تھا جس میں پاکستان کے پڑوسی ممالک سمیت کئی ترقی یافتہ ممالک بھی شامل تھے مگر اس فورم نے آج تک زبانی جمع خرچ سے کام لیا ہے اور پاکستان کی عملی مدد نہیں کی اور [illegible] امداد بھی کی ہے وہ [illegible] میں [illegible]۔

عالمی بینک کی اس رپورٹ سے سازش کی بو آرہی ہے اور لگتا ہے کہ اس پر ہمارے پڑوسی ممالک کی لابی حاوی ہے۔ پاکستان میں دہشت گردی کے واقعات میں گزشتہ چند سالوں میں اضافہ ضرور ہوا ہے مگر یہ دہشت گردی پاکستان کے چند علاقوں تک محدود ہے جس میں اس وقت سرفہرست سرحد اور بلوچستان ہیں جبکہ پنجاب کے بعض علاقے بھی اس سے جزوی متاثر ہوئے ہیں اور پاکستان کی معیشت میں اہم ترین کردار ادا کرنے والے شہر کراچی میں اگر واقعات ہوئے بھی ہیں تو وہ بہت کم ہیں مگر عالمی بینک کی رپورٹ میں اس امر کی کوئی نشاندہی نہیں کی گئی ہے کہ وہ کون سے علاقے ہیں جو دہشت گردی سے زیادہ متاثر ہیں۔

عالمی بینک کی اس رپورٹ پر معاشی ماہرین بھی کچھ زیادہ خوش نظر نہیں آتے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہمیں مشکلات ضرور ہیں لیکن اس کے باوجود ہماری معیشت کی شرح نمو اضافے کی طرف گامزن ہے اور رواں مالی سال میں بھی ملک میں جی ڈی پی کی ترقی کی شرح ڈھائی سے تین فیصد رہنے کا امکان ہے جبکہ آئندہ سال اس ترقی کی شرح چار فیصد تک متوقع ہے۔ پاکستان کو معاشی طور پر جن مسائل کا سامنا ہے۔ وہ بھی ہمارے نام نہاد دوست ممالک کے ہی پیدا کردہ ہیں۔ اس وقت پاکستان کو سب سے بڑا مسئلہ توانائی کا ہے۔ جس کو حل کرنے کے لئے ہمارے وہ دوست ممالک جن کی خاطر ہم نے ایک نہ ختم ہونے والی جنگ شروع کر رکھی ہے۔ وہ بھی اس میں ہماری مدد کے صرف اعلانات ہی کر رہے ہیں جبکہ عملی طور پر کوئی قدم نہیں اٹھایا جا رہا۔ معاشی ماہرین کے

اردو فینز کیلئے

بقول پاکستان کو چاہیے کہ وہ اس رپورٹ پر عالمی بینک کے پاس اپنا احتجاج ریکارڈ کرائے اور اس رپورٹ پر خاموش نہ بیٹھے بلکہ اس کو مجبور کرے کہ وہ اس رپورٹ میں سے پاکستان کا نام نکالے کیونکہ پاکستان اور افغانستان کے حالات میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ پاکستان میں امن و امان کے حالات کو افغانستان سے نہ ملایا جائے۔ پاکستان کی معیشت نامساعد حالات کے باوجود تنزلی کی طرف نہیں ہے اور اب تک اس کی ترقی کی شرح مثبت رہی ہے۔ پاکستان میں نئی انویسٹرز اب بھی آ رہی ہیں اور کئی غیر ملکی گروپس پاکستان میں بدستور نئی سرمایہ کاری کے منصوبے شروع کر رہے ہیں۔ عالمی مالیاتی ادارے آئی ایم ایف سمیت کئی ممالک پاکستان کی معاشی ترقی کا اعتراف کر چکے ہیں اور آئی ایم ایف نے حال ہی میں ایک بیان بھی جاری کیا ہے جس میں پاکستان کی معاشی صورتحال پر اطمینان کا اظہار کیا گیا ہے اور اس بات کا انکشاف کیا گیا ہے کہ پاکستان معاشی بحران کے گرداب سے باہر نکل آیا ہے۔ عالمی بینک نے اپنی اس رپورٹ کی تیاری میں آئی ایم ایف کی ان رپورٹس کو بھی نظر انداز کر دیا ہے۔ عالمی بینک کا شمار دنیا کے چند بڑے مالیاتی اداروں میں ہوتا ہے جس کی رپورٹس کو دنیا بھر کے سرمایہ کار اہم نظروں سے دیکھتے ہیں لہٰذا اس کی جانب سے پاکستان کو معاشی بدحال ممالک کی فہرست میں شامل کرنا افسوسناک ہے جس کے خلاف بھرپور احتجاج کرنا چاہیے۔ معاشی ماہرین کے نزدیک اگر ایسی کوئی رپورٹ بھارت کے خلاف جاری کی گئی ہوتی تو بھارت نہ صرف اس کو اپنی انا کا مسئلہ بنا لیتا بلکہ اس پر اتنا احتجاج کرتا کہ عالمی بینک کو اپنی رپورٹ پر نظر ثانی اور معافی مانگنا پڑتی مگر چونکہ ہمارے حکمران اپنے مفادات اور ذاتی فائدے میں لگے ہوئے ہیں اس لئے اس رپورٹ پر کوئی آواز اب [illegible] خراب کارکردگی اور ناکام سفارتکاری کا منہ بولتا ثبوت

[illegible] اور [illegible] پیدا کر دیتی ہیں۔ ظاہر ہے ہمارا

ہے۔ بھارت پاکستان کو ناکام ریاست قرار دلوانے کے لئے ہر ممکن سازش کرے گا۔ یہ روشن پہلو ایک حقیقت ہے جو ہم نے خود اپنے آپ کو دکھایا اور جس نے ملکی معیشت و اندرونی امن و سکون برباد کر کے رکھ دیا ہے۔

ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل پاکستان نے کہا ہے کہ ایک سال میں پاکستان میں کرپشن کی شرح 100 فیصد بڑھ گئی ہے۔ آڈیٹر جنرل آف پاکستان کی رپورٹ کے مطابق سال 2008-09 کے دوران 323 ارب روپے خورد برد کر دیئے گئے ہیں جبکہ صرف رینٹل پاور پراجیکٹس میں 2 ارب ڈالر کی کرپشن ہوئی ہے۔ اسٹیل ملز میں 29 ارب اور این ٹی پی میں 9 ارب کی کرپشن سامنے آئی ہے۔ ڈھائی ارب روپے کی بے ضابطگیاں محکمہ دفاع میں کی گئی ہیں جبکہ کمپنیوں کا 63.0 فیصد بنتی ہیں۔ آڈیٹر جنرل آف پاکستان کی اس رپورٹ میں اور بھی دل ہلا دینے والے اور دماغ کو چکرا دینے والے انکشافات ہیں۔ اس رپورٹ میں سب سے زیادہ حیران کن انکشاف یہ کیا گیا ہے کہ سب سے زیادہ بے ضابطگیاں بورڈ آف ریونیو میں 116 ارب روپے کی کی گئی ہیں جبکہ وزارت پانی و بجلی کو "رنراپ" ہونے کا "اعزاز" حاصل ہے۔ اس میں ایک سو تیرہ ارب روپے کی بے ضابطگیاں پائی گئیں۔ وزارت پٹرولیم و قدرتی وسائل کے حسابات میں 17 ارب پاکستان ریلوے کے کھاتوں میں 16 ارب کی گڑبڑ پائی گئی۔ پاکستان اسٹیل ملز کی انتظامیہ بھی آڈیٹرز کو 16 ارب روپے کا حساب کتاب پیش نہیں کر سکی۔ پاکستان بیت المال میں 94 کروڑ پورٹ قاسم میں 76 کروڑ اور پاکستان اسٹیٹ آئل کے پاس 66 کروڑ روپے کا کوئی حساب کتاب نہیں۔ باقی شعبوں کا حال بھی "تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم" والا ہے۔

آڈیٹر جنرل آف پاکستان کی یہ رپورٹ خود اپنے اوپر مکمل تبصرہ بھی ہے اور اپنی وضاحت آپ بھی! یہ حزب اختلاف کے کسی رہنما کا بیان نہیں بلکہ اس سرکاری ادارے کے سربراہ کی رپورٹ ہے جس کا وظیفہ ہی سرکاری اداروں میں کام کی شفافیت سے متعلق مستند حقائق پیش کرنا ہے۔ گویا

کہ یہ سرکاری محکموں اور وزارتوں میں ہونے والی بدعنوانیوں سے متعلق خود سرکار کا بیان ہے جس کو سرکاری ترجمان غلط قرار نہیں دے سکتے۔ اس رپورٹ نے سیاسی حلقوں اور ذرائع ابلاغ کی ان رپورٹوں کی تصدیق کر دی ہے جن میں بتایا جا رہا تھا کہ ملک میں کرپشن اپنے عروج پر پہنچ چکی ہے۔ کچھ عرصہ قبل پہلے عدالت عظمیٰ کے ایک معزز جج نے موجودہ صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ پاکستان میں کرپشن صرف وہ نہیں کر رہا ہے۔ جس کو موقع نہیں مل رہا۔ اس بیان کی سچائی آج بھی نہ صرف پوری طرح قائم ہے بلکہ حالیہ رپورٹ کو سامنے رکھا جائے تو یہ سچائی مزید کھل کر بلکہ مزید وسعت اور گہرائی کے ساتھ سامنے آجاتی ہے۔ اس رپورٹ میں چند بڑے اور نمایاں شعبوں اور ان میں کی جانے والی بدعنوانیوں کا جس طرح تذکرہ کیا گیا ہے۔ وہ چشم کشا ہے۔ اس کے ساتھ ڈاکٹر محبوب الحق کی رپورٹ بھی یاد آجاتی ہے۔ ضیاء الحق کے دور میں ڈاکٹر محبوب الحق اہم منصب پر فائز رہے۔ انہوں نے اسی دور میں بتایا تھا کہ پاکستان میں سالانہ 600 ارب روپے کی کرپشن ہوتی ہے۔ آج عشروں بعد جب پاکستان کا بجٹ ضیاء الحق کے زمانے کے بجٹ سے چار گنا بڑھ کر 23 کھرب ہو چکا ہے۔ اس رپورٹ کے حوالے سے دیکھا جائے تو کم سے کم یہ اندازہ ہوتا ہے کہ بجٹ کی رقم میں اضافے کے ساتھ کرپشن میں بھی اسی نسبت سے اضافہ ہوا ہے۔ اس کے نتیجے میں اگر قوم کے صرف 20 فیصد مسائل ہی حل ہو گئے ہوتے، باقی 80 فیصد بے شک بیوروکریسی سمیت حکمران مل کر کھا جاتے تو عوام بلکہ رعایا صبر بھی کر لیتے لیکن صورت حال یہ ہے کہ ایک طرف اتنی رقوم قوم کسی طرح حکومت کو کاروبار مملکت چلانے کے لیے دے رہی ہے۔ اس کے بدلے اسے 25 فیصد بھی نہیں مل رہا۔ اس رپورٹ میں جن وزارتوں کے نام ذکر کیے گئے ہیں ان سے یہ بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ شعبے کس قسم کے لوگوں کے حوالے کیے گئے ہیں اور وہ ان کا انتظام کس طرح چلا رہے ہیں کیونکہ اتنے بڑے پیمانے پر گڑبڑ بغیر ملی بھگت کے ممکن نہیں ہے۔ اس سے بڑھ کر حیرتناک اور افسوسناک امر یہ ہے

کہ ان شعبوں میں وزارت دفاع بھی شامل ہے۔ دوسرے شعبوں کو تو پھر بھی نظر انداز کیا جا سکتا ہے لیکن ملک کا دفاع کرنے والے ادارے کے حوالے سے ایسی خبر اس پر قوم کو خوشی نہیں ہو گی۔ اور سب سے دلچسپ امر یہ کہ ایف بی آر کے نام سے ہزاروں قوم سے چند ہزار آمدنی پر بھی ٹیکس وصول کرتا ہے اور ماچس کی ڈبیا تک اس کی "نظر کرم" سے محروم نہیں۔ "[illegible]" وہ زوال ابھی سے شروع ہو چکا ہے۔ خود اس ادارے کے اندر اتنے بڑے پیمانے پر کرپشن ہے کہ اس نے دوسرے تمام کے تمام اداروں کو گویا ہرا دیا ہے۔ یہاں صرف یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ اتنے بڑے پیمانے پر گھپلوں کے بعد ایف بی آر کو قوم سے کس منہ سے ٹیکس وصول کرنے کا کیا اور کتنا حق ہے اور حکومت کو بھی بتانا چاہیے کہ اس رپورٹ پر اس کا کیا تبصرہ ہے اور اس لوٹے ہوئے قومی خزانے کو واپس کرنے کے لیے اس کے پاس کیا پروگرام ہے۔

اس وقت ملک میں بجلی کا بحران ہر روز بد سے بدتر ہوتا جا رہا ہے۔ مذکورہ بالا رپورٹ کے تناظر میں دیکھا جائے تو اس بحران کی اصل وجہ بھی بدعنوانی ہی قرار پاتی ہے۔ رپورٹ کے مطابق رینٹل پاور پروجیکٹ کے نام پر 2 ارب ڈالر کی کرپشن ہوئی ہے۔ اس سے ان لوگوں کا موقف درست معلوم ہونے لگتا ہے جن کا خیال ہے کہ ملک میں بجلی کا بحران مصنوعی طور پر پیدا کیا گیا ہے۔ اب یہ سوال لاحاصل ہے کہ بجلی ہی نہیں ہو گی تو صنعت و حرفت کا پہیہ کس طرح رواں ہو گا اور معیشت کس طرح ترقی کرے گی۔

یہ سارے اللے تللے ایسے وقت میں جاری ہیں جب ملک پر بیرونی قرضوں کا بوجھ حد سے تجاوز ہوتا جا رہا ہے۔ ایک اطلاع کے مطابق آئی ایم ایف سے مزید ایک ارب 20 کروڑ ڈالر قرض لیا جا رہا ہے جبکہ عالمی بینک کے حوالے سے معلوم ہوا ہے کہ پاکستان کو بجلی کی فراہمی کے لیے 90 کروڑ ڈالر یعنی تقریباً ایک ارب ڈالر قرض دے گا۔ گویا ان دونوں مدات میں پاکستان پر سوا دو ارب ڈالر کا مزید قرضہ چڑھ جائے گا۔ جبکہ ماہرین معیشت ہی خبردار کر چکے ہیں کہ یہ

صورتحال جاری رہی تو آئندہ چند برسوں میں پاکستان پر غیر ملکی قرضوں کا بار 60 ارب ڈالر تک جا پہنچے گا۔ واضح رہے کہ اس وقت بھی پاکستان پر صرف غیر ملکی قرضوں کا بار 50 ارب ڈالر سے تجاوز کر چکا ہے جبکہ حکمران اس بارے میں بالکل چپ سادھے بیٹھے ہیں۔

ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارے حکمرانوں کے لئے ہوش کے ناخن لینے اور سنبھلنے کا وقت ہے۔ اگر ملک میں ہر سطح پر کرپشن اور بدعنوانی کا یہ سلسلہ جاری رہا اور عوام کی مشکلات میں اضافہ ہوتا رہا تو نہیں کہا جا سکتا کہ حکمرانوں کو کس قسم کے ردعمل کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ بدقسمتی کی بات تو یہ ہے کہ حکومت کی طرف سے کسی ایسے الزام کا جواب ہی نہیں دیا جاتا اور ضد کی سی کیفیت طاری کی جا رہی ہے جو ملک کو مزید تباہی کی طرف لے جانے کے اور کوئی کارنامہ انجام نہیں دے رہی۔

(جون 2010ء)

جھوٹ کا دھندہ کب تک؟

دودھ میں ملاوٹ، کھانے پینے کی چیزوں اور مسالوں میں ملاوٹ حتیٰ کہ دوائیوں میں ملاوٹ پہلے بھی تھی لیکن موجودہ حکومت کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس نے اعداد و شمار میں ملاوٹ کے ذریعے معاشی ترقی کا ایک نادر کارنامہ انجام دیا ہے۔ معاشیات کے ممتاز ماہرین اور تجزیہ نگاروں کے تجربات کی گواہی کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ 2009-2010ء پاکستان کی معاشی تاریخ میں بہت ہی مشکل سال رہا ہے۔ معیشت جن مشکلات سے دوچار رہی ان میں بجلی اور گیس کا بحران، صنعتی پیداوار اور برآمدات میں کمی، سرمایہ کاری کی سست روی، مہنگائی کا طوفان، بے روزگاری میں اضافہ، روپے کی مالی قیمت میں کمی قابل ذکر ہیں۔ اور ان سب عوامل کی وجہ سے خود اسٹیٹ بینک کی مارچ 2010ء تک کی تمام ہی رپورٹوں میں معیشت میں شرح نمو (Growth rate) کے بارے میں اندازہ تھا کہ وہ 2.5 اور 3 فی صد کے درمیان ہوگی اور بہت زور لگایا تو شاید 3.5 فی صد ہو جائے۔ لیکن کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ بجٹ سے ایک دو ماہ پہلے مئی 2010ء میں حکومت یہ انکشاف کرے گی کہ سال رواں میں جی ڈی پی میں شرح نمو 4.1 فیصد ہوگا۔ نیشنل اکاؤنٹس کمیٹی نے یہ اعلان کر کے سب کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا

لیکن جب اس غیر متوقع تبدیلی کا سبب دریافت کیا گیا تو یہ حیران کن بات سامنے آئی کہ اس سال شرح نمو میں اضافہ دکھانے کے لیے گزشتہ دو سالوں کی شرح نمو پر نظر ثانی کی گئی ہے تاکہ اس کی بنیاد (base) کو نیچے لے جا کر سال رواں میں ترقی کی رفتار کو زیادہ دکھایا جا سکے۔
پہلے دعویٰ کیا گیا 2007-08 میں 4.1 فی صد ترقی کا جو دعویٰ کیا گیا تھا وہ صحیح نہیں تھا، بلکہ اصل اضافہ 3.7 فی صد تھا۔ پھر نیا دعویٰ کیا گیا کہ یہ 3.7 فیصد نہیں 3.3 فیصد تھا اور اسی طرح 2008-09 میں اضافہ 2 فیصد نہیں تھا بلکہ صرف 1.2 فیصد تھا۔ اعداد و شمار میں اس رد و بدل کے نتیجے میں 2009-10 کے بارے میں دعویٰ کیا گیا کہ متوقع اضافہ 3 فیصد نہیں، بلکہ 4.1 فیصد ہے۔ گویا 2008-09 کے مقابلے میں ساڑھے تین گنا اضافہ ہوا ہے جسے ایک عظیم کرشمہ کہا جا سکتا ہے۔

جب پوچھا گیا کہ معیشت کے تمام بڑے بڑے مراکز تو کوئی اچھی صورت حال ظاہر نہیں کر رہے اور خصوصیت سے توانائی کے بحران کی وجہ سے پیداوار میں یہ اضافہ قابل فہم نہیں ہے۔ اس کے جواب میں بتایا گیا کہ اصل اضافہ تعمیرات کے شعبے (contruction industry) کی وجہ سے ہوا ہے، جس نے سال رواں میں 15 فیصد کے حساب سے ترقی کی ہے حالانکہ اسٹیل اور سیمنٹ دونوں جو اس صنعت کے اہم ترین بنیادی اجزاء ہیں، وہ تو مشکلات کا شکار رہے ہیں، پھر اس کے باوجود اس صنعت میں 15 فیصد اضافہ کیسے ہو گیا؟ اس سوال کا کوئی معقول جواب پیش نہ کیا جا سکا۔ اسی طرح لائیو اسٹاک میں بھی دگنا اضافے کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ یوں اعداد و شمار کے ہیر پھیر سے معاشی ترقی کی رفتار میں اضافے کا شعبدہ دکھا دیا گیا۔ پاکستان کے کئی معروف ماہرین معاشیات مثلاً ڈاکٹر ایس اکبر زیدی (ڈان، 24 مئی 2010ء) اور ڈاکٹر اشفاق حسین (دی نیوز 18 مئی 2010ء) اور ڈاکٹر شاہد حسن صدیقی (جنگ 25 مئی 2010ء) نے اس [illegible]۔ ڈاکٹر زیدی نے بڑی دردمندی سے ملکی معیشت کے ذمہ

داروں کو بڑا مفید مشورہ دیا ہے کہ [illegible] کرتے ہوئے ہم بھی حکومت کی [illegible] ان اس طرح زاویہ کار سے پرواہ اور پیچھے نہیں رہ سکتے۔

ان تمام عوام کو دیکھتے ہوئے جنہوں نے گزشتہ [illegible] پاکستانی معیشت [illegible] ہے۔ ان میں سے صرف چند کو بیان کیا ہے۔ کوئی ایسا راستہ نظر نہیں آتا [illegible] پاکستانی معیشت میں کوئی معجزانہ بہتری رونما ہو سکے۔ اگر ایسا ہوا ہے جیسا کہ پاکستانی معیشت [illegible] کیا ہوا ہے، تو ہمیں ان کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ انہوں نے معاشی [illegible] کو غلط ثابت کر دیا ہے۔ ضروری ہے کہ وہ اپنے کارناموں کے ثبوت مہیا کریں تاکہ [illegible] بھی سیکھ سکیں۔ (روز نامہ ڈان، 24 مئی 2010ء)

حکومت نے آئندہ مالی سال 2010-11 کے وفاقی بجٹ کا اعلان کرتے وقت کہا ہے کہ ملک کی آمدنی دو اعشاریہ تین ٹریلین یعنی تین ہزار دو سو اکسٹھ روپے ہوگی جبکہ بجٹ میں دیئے گئے اخراجات کا تخمینہ تین ٹریلین لگایا گیا ہے۔ گویا یہ [illegible] ارب روپے کے خسارے کا بجٹ ہے، یعنی آمدنی اٹھنی خرچ روپیہ، لیکن آمدن اور خرچ کے فرق کو کون پورا کرے گا؟ بجٹ میں تقریباً سات سو بلین روپے، حکومت ایک ہی سانس میں اس کا حل بھی بتا رہی ہے کہ اس فرق کو قرض کی رقم سے پورا کر لیا جائے گا لیکن یاد رکھو جو قرض لیتا ہے اپنی آزادی کھو بیٹھتا ہے۔

آئیے پہلے اس بات کا تجزیہ کرتے ہیں کہ حکومت کو آمدن کیسے ہوتی ہے، وزارت خزانہ کے ذرائع کے مطابق براہ راست ٹیکسوں سے 35 فیصد اور بالواسطہ ٹیکسوں سے 65 فیصد، اس کا مطلب یہ ہوا کہ 65 فیصد ٹیکس عوام پر لگایا جاتا ہے۔

عوام ٹیکس دینے کی سکت رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں یہ ٹیکس مختلف اشیائے صرف کی قیمتوں میں شامل کر کے زبردستی وصول کر لیا جاتا ہے، یا مختلف قسم کی سروسز کے ساتھ ملا کر وصول کر لیا جاتا ہے، یعنی غریب آدمی کی آمدنی کا زیادہ تر حصہ اشیائے خورد و نوش اور مختلف قسم کے یوٹیلٹی بلز ادا

کرنے پر صرف ہوتا ہے اس لئے غریب آدمی کو اپنی آمدنی کے حساب سے زیادہ ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے، شاید یہی وجہ ہے کہ اس بجٹ کو غریب عوام کا بجٹ (Pro- Poor budget) کہا جا رہا ہے۔ واہ کیا کہنے، لگتا ہے حکومت غریبوں کو مار کر غربت مٹاؤ پروگرام پر عملدرآمد کر رہی ہے۔ دوسرے الفاظ میں غریبوں کی اصل دشمن تو ان کی غربت ہے نہ کہ حکومت۔

اب ذرا حکومت کے اپنے اخراجات کی بات ہو جائے۔

ایوان صدر کے سٹاف کا خرچہ، الاؤنسز اور گھریلو اخراجات روزانہ کا کل خرچ دس لاکھ روپے یعنی سالانہ 36 کروڑ پچاس لاکھ روپے۔

وزیر اعظم سیکرٹریٹ روزانہ خرچ بارہ لاکھ روپے، سالانہ خرچ 43 کروڑ روپے تقریباً۔

قومی اسمبلی روزانہ خرچ چالیس لاکھ روپے۔

سینیٹ آف پاکستان روزانہ ستر ارب دو بیس کروڑ روپے، کیبنٹ سیکرٹریٹ سالانہ ستر ارب یا بیس کروڑ روپے روزانہ خرچ۔ حکومت کے خرچ دیکھ کر یہی کہا جا سکتا ہے کہ غریبوں کی جیبوں سے ٹیکسوں کے ذریعے جس قدر روپیہ نکال سکتے ہو نکال لو اور بدلے میں صرف طفل تسلیاں دلاسے اور امیدیں دو کیونکہ غریب انہی چیزوں کے سہارے زندہ ہیں۔ اور تیار ہو جاؤ کہ ویٹ یعنی ویلیو ایڈڈ ٹیکس یا بالواسطہ بھی کرنا ہے۔ ایک اور بالواسطہ ٹیکس حکومت کا خیال ہے کہ اس ٹیکس سے ستر ارب روپے اکٹھے ہوں گے، لیکن ایسا کبھی نہیں ہوگا کیونکہ امیدیں اور توقعات صرف بیوقوفوں کے من کا چور ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ملک کی آمدنی اور اخراجات میں بہت بڑا فرق ہے اور [illegible] باقی ہے [illegible] رقم ہے جو ہمارے صدر سے لے کر نچلی سطح تک حکومت [illegible] خرچ کرتے ہیں لیکن چنداں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ [illegible] کا طریقہ ہمیں آتا ہے، کشکول لے کر بھیک مانگیں گے اور پھر [illegible] ہمارے بچے اور ہماری آنے والی نسلیں بھی ہمارا ہاتھ

بٹائیں گی، قرض اتاریں گی ملک سنواریں گی۔

اکثر راتوں کو اکیلے میں خوف کے مارے چلاتے ہوئے بیدار ہو جاتا ہوں [illegible] آدمی کا دکھ درد جانا ہے جو اکیلا ہے اور کوئی اس کا پرسان حال نہیں، ہاں ایک اچھی خبر بھی آئی ہے، وہ یہ کہ پاکستان میں پہلی بار حصص کے کاروبار پر بھی ٹیکس عائد کر دیا گیا ہے لیکن بڑے بڑے زمینداروں اور کمرشل پراپرٹی کا کاروبار کرنے والوں کو معاف چھوڑ دیا گیا ہے، ان پر ٹیکس کیوں نہیں لگایا جا سکتا۔ کرنے کے کام تو اور بھی بہت سارے ہوسکتے ہیں مثلاً ہمارے صدر جناب آصف علی زرداری اور وزیر اعظم محترم سید یوسف رضا گیلانی ایک جیسے اپنے ملک میں کیوں نہیں رہ سکتے، یہ دونوں شخصیات کیوں ہوائی دوروں پر رہتی ہیں اور ہمارے وزیر اعظم برطانیہ کے وزیر اعظم ڈیوڈ کیمرون کی طرح بس میں سفر کیوں نہیں کرتے کیوں اکیلے طیارے میں اڑتے پھرتے ہیں۔

ہمارا اصل مسئلہ کیا ہے؟ نہ امریکہ نہ اسرائیل نہ بھارت بلکہ ہماری حکومت کی [illegible] جو اپنی من پر قناعت نہیں کر سکتی۔

پچھلے تریسٹھ سالوں سے ہم بڑے بڑے ڈھول پیٹ رہے ہیں، ہم پاکستان میں بربادی کے پیچھے سی آئی اے، اسرائیلی خفیہ ایجنسی موساد اور بھارتی انٹیلی جنس ایجنسی "را" کو موٹ کر دیتے ہیں، یاد رکھیں کہ بے وقوف کی مثال بڑے ڈھول کی سی ہے جو بجتا تو خوب ہے لیکن اندر سے کھوکھلا ہوتا ہے۔

اس بجٹ کے ذریعے سترہ کروڑ عوام میں سے صرف اسلام آباد میں بیٹھے ہوئے وزراء یا صوبوں میں بیٹھے ہوئے دوسو وزیروں کو فائدہ ہوا جبکہ بقیہ سولہ کروڑ ننانوے لاکھ کے قریب عوام بدستور سخت بھوک، طیش اور غربت میں مبتلا ہیں۔

میرے ہم وطنو! غصہ مت کرو کیونکہ پاک وطن میں اب غصے میں آنا بھی عیاشی سے کم نہیں،

کیونکہ بھی بھی نصف بہت مہنگا پڑتا ہے۔ حکومت کے وعدوں میں کوئی وعدہ سچا ہے تو وہ ٹیکس لگانے کا وعدہ، سڑکوں پر مرنے والی موت کا وعدہ۔ مجھے پیسوں کی جب بھی ضرورت پڑی تو مجھے بتایا گیا کہ قرض دینا آسان ہے لیکن چکانا مشکل ہے قرض لینے کے لئے وہ شخص تیار رہتا ہے جو جھوٹ بولنے کے لئے تیار رہتا ہے۔ پس ہمارا نیا مالی سال بھی خیرات اور قرض مانگ کر شروع ہو رہا ہے اللہ خیر کرے جیسا شرمناک آغاز ویسا شرمناک انجام۔

ہمارے وزیراعظم سید یوسف رضا گیلانی کا وفد برسلز میں ہوٹل کا خرچ 60 یورو، لیموزین گاڑیوں کا خرچ ایک لاکھ بارہ ہزار یورو، وزیر کا خرچ ڈھائی ہزار یورو۔

قرض کی رقم سے دو کروڑ خرچ ہو گئے۔

اللہ اللہ خیر صلا!

(جولائی 2010ء)

آپ کے دعوے اور زمینی سچائیاں

بجٹ آنے سے پہلے اور اس کے بعد بھی حکومت کی طرف سے اس حوالے سے جتنے دعوے کیے گئے تھے جتنی بڑھکیں ماری گئی تھیں وہ سب حسب روایت محبوب کے وعدوں کی طرح ہوا میں بکھر کر رہ گئے ہیں اور زمینی سچائی یہ ہے کہ تمام تر حکومتی دعووں اور بلند آہنگ اعلانات کے باوجود مہنگائی کی شرح میں اضافے کا تسلسل جاری ہے۔ مئی 2010ء کے دوران افراط زر کی شرح 13 فیصد رہی۔ سرکاری ادارے وفاقی ادارہ شماریات کے جاری کردہ اعداد و شمار کے مطابق جولائی 2009ء تا مئی 2010ء کے دوران افراط زر کی شرح 11.4 فیصد ریکارڈ کی گئی تھی جو گزشتہ برس سے تقریباً نصف ہے۔ گزشتہ ماہ اشیاء ضروریہ کی قیمتوں میں 14.8 فیصد اضافہ دیکھا گیا ہے۔ ان سرکاری اعداد و شمار کے مطابق اشیاء خورد و نوش کی قیمتوں میں 26.2 فیصد اضافہ ہوا۔ جبکہ وفاقی سیکرٹری تجارت نے اعتراف کیا ہے کہ ملکی معیشت مشکل ترین حالات سے دوچار ہے۔ یورپی یونین اور امریکہ عالمی مالیاتی بحران کے باعث پاکستان کو تجارت میں رعایت دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ سیکرٹری تجارت نے انتہائی حیران کن انکشاف بھی کیا کہ وزارت تجارت کا فنڈ دہشت گردی کے خلاف جنگ میں استعمال ہو رہا ہے جبکہ 3 سالہ تجارتی پالیسی کا فریم ورک ابھی تک

منظور نہیں ہو گا۔

آڈیٹر جنرل کو اب بھی شبہ ہے کہ حکومت کی معاشی و اقتصادی پالیسیوں کے بابت میڈیا جو کچھ بیان کر رہا ہے وہ محض حکومت کی مخالفت میں ہے اور اس کا مقصد کسی بھی نوع کی اصلاح نہیں تو اسے صرف ان دو سرکاری رپورٹوں کو توجہ سے پڑھ لینا چاہیے۔ وفاقی ادارہ برائے شماریات خالص سرکاری ادارہ اور وفاقی سیکرٹری تجارت سو فیصد سرکاری ملازم ہیں۔ وہ اپنے "باس" یا "باسوں" کے خلاف بیان دے ہی نہیں سکتے۔ اس کے باوجود انہوں نے کمال جرات سے کام لے کر یہ بیان دیا ہے تو اس سے حکومت کی پوری کی پوری اقتصادی پالیسی بے نقاب ہو جاتی ہے۔ جس حکومت نے ڈھائی برسوں میں تجارتی پالیسی کا فریم ورک تک منظور نہیں کیا اور اس وزارت کا فنڈ تک اغیار کی جنگ میں جھونک رہی ہے اور اگر خود وفاقی سیکرٹری تجارت یہ انکشاف نہیں کرتے تو قوم کو شاید مدتوں اس زبردست دھاندلی کا علم نہیں ہو پاتا۔ وہ حکومت قومی معیشت و اقتصادیات کی بحالی اور بہتری کے لیے کیا خاک کرے گی اور کب؟ جبکہ بجلی کا بحران اور اس کے نتیجے میں صنعتوں کی بندش کا سلسلہ بھی رکنے میں نہیں آ رہا۔ اس کے باوجود ہمارے وزیر خارجہ سے لے کر وزیر اعظم اور صدر صاحب تک سب یہی چیخ رہے ہیں کہ اس جنگ میں پاکستان کا 40 ارب ڈالر کا نقصان ہو گیا ہے۔ ہماری معیشت تباہ و برباد ہو گئی ہے۔ عالمی برادری یہ خدارا کرے! جب ہمارے اپنے حکمرانوں کا یہ حال ہے تو پھر یورپی یونین یا کسی دوسرے ادارے یا ملک کو سر میں درد ہوا ہے جو ہمارے معاشی معاملات درست کرنے کے لئے آگے آئے۔

ملک کے صنعتی و تجارتی مرکز کراچی کے اسٹاک ایکسچینج کی تازہ ترین صورت حال بھی اپنی جگہ مسلسل ... پر ... تجارتی ... پر مکمل توجہ دینی ہے۔ اس پر مزید اضافے کی فی الحال ضرورت نہیں ... نے پاکستانیوں کی معاشی حالت کی جو تصویر پیش کی ہے،

... ...

عالمی ادارہ خوراک نے پاکستان کے حوالے سے بتایا ہے کہ پاکستان میں خوراک کی قیمتوں میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے اور گزشتہ ایک سال کے دوران اشیائے خورونوش کی قیمتوں میں 100 فیصد اضافہ ہوا ہے جس کے سبب اشیائے خورونوش عام شہری کی دسترس سے دور ہوتی جا رہی ہیں۔ عالمی ادارہ خوراک کے مطابق 2009ء سے 2010ء کے دوران چینی کی قیمت 30 روپے فی کلو سے بڑھ کر 70 روپے فی کلو ہو گئی جبکہ گھی اور تیل کی قیمتوں میں 100 روپے تک اضافہ ہوا۔ 500 گرام کے پیکٹ کی قیمت میں 50 روپے اضافہ ہوا ہے جبکہ آٹا 25 روپے سے 35 روپے فی کلو تک کھلے بازار میں فروخت ہو رہا ہے۔ عالمی ادارہ خوراک کے مطابق گوشت کی قیمتوں میں حالیہ ہفتوں کے دوران 50 فیصد سے زائد اضافہ ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے پاکستان کے لوگوں کی قوت خرید 80 فیصد تک کم ہو گئی ہے۔ عالمی ادارہ خوراک نے مزید بتایا ہے کہ ملک کی کل آبادی کے 62 فیصد عوام غریب ہو گئے ہیں اس تعداد میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ اس سبب عام آدمی صرف کھانے پینے کی اشیاء کی خریداری تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ یوٹیلٹی سٹورز میں چینی سمیت دیگر اشیاء کی قیمتوں میں پانچ سے دس فیصد اضافہ ہوا ہے جبکہ تازہ ترین اطلاع کے مطابق عام مارکیٹ میں بھی چینی کی قیمت میں 5 روپے فی کلو کا اضافہ ہو گیا ہے۔

یوٹیلٹی سٹورز پر ملنے والی اشیاء پر جیسی تیسی رعایت یا زرتلافی (سبسڈی وغیرہ) تھے۔ وہ تو موجودہ بجٹ میں ختم کر دیئے گئے ہیں، اب ان میں اور عام دکانوں میں کوئی بھی فرق باقی نہیں رہا اور ایک طرح سے یہ سٹورز کسی سہولت کی فراہمی کی بجائے آٹا چینی جیسی بنیادی ضروریات کے لئے بھی پبلک کو پریشان کرنے اور تکلیف دینے کے مراکز بن کر رہ گئے ہیں۔ ان سٹورز سے قوم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا، لہٰذا ان کے حوالے سے اب کسی بھی سرکاری موقف میں کوئی جان یا وزن نہیں ... واضح رہے کہ گیلپ سروے نے بھی سامنے آ کر بتایا ہے کہ روزافزوں مہنگائی کا مقابلہ کرنے کے لئے 51 فیصد پاکستانیوں نے اپنے اخراجات میں کمی کر دی ہے۔ دونوں رپورٹوں

سے صرف یہی بات ہوتی ہے کہ حکومت کے دعووں کے برعکس قوم کا کم از کم اوسطاً پچاس فیصد سے
بھی [illegible] زندگی سے بھی نیچے جا چکا ہے۔ یہاں تک کہ یہ بھی اطلاع ہے کہ
لوگوں نے بینکوں سے قرض لینا چھوڑ دیا ہے۔ زیادہ شرح سود کے باعث 3 ماہ میں کمرشل بینکوں
سے قرض لینے والوں کی تعداد 10.7 فیصد کم ہو گئی۔ اسٹیٹ بینک نے بھی کہا ہے کہ امن و امان کی
خراب صورت حال اور بڑھتا ہوا کریڈٹ رسک بینکاری نظام کے لئے چیلنج ہے۔ اب اس مسئلے
سے کس طرح نمٹا جائے گا۔ یہ اسٹیٹ بینک حکام ہی قوم کو بہتر بتا سکتے ہیں۔

حکومت کی جانب سے جنرل سیلز ٹیکس میں ایک فیصد اضافے کے نتائج بھی سامنے آنا شروع
ہو گئے ہیں۔ میڈیا رپورٹوں کے مطابق مارکیٹوں میں (حسب روایت) ضروری اشیاء کی قلت
پیدا کر دی گئی ہے۔ (یہ بھی عین روایت اور بالکل معمول کے مطابق ہے) اور قیمتیں بھی بڑھ گئی
ہیں۔ اس میں بھی کوئی نئی بات نہیں ہے سوائے قیمتوں میں اضافے کے۔ بتایا گیا ہے کہ ذخیرہ
اندوزوں نے نئے ریٹ کے سبب مارکیٹوں میں مال دینا بند کر دیا ہے۔ دکانداروں نے من مانے دام
وصول کرنے لگے ہیں۔ چائے کی پتی، گھی، تیل، مشروبات، صابن، پرفیوم اور ادویہ سمیت کئی
اشیاء کی قلت پیدا ہو گئی ہے (یا پیدا کر دی گئی ہے) مزید بتایا جا رہا ہے کہ کھانے پینے کی پیک کردہ
اشیاء کی قلت سے اب شہری کم [illegible] اشیاء خورد و نوش خریدنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔

حکومت نے جو [illegible] اور جنرل سیلز ٹیکس میں ایک فیصد اضافے کے حوالے سے ہی نہیں،
ویسے بھی کسی شے کی قیمت میں اضافے کے حوالے سے قوم کا بہت پرانا تجربہ ہے کہ کوئی بھی
[illegible] میں [illegible] بڑھتی چلی جاتی ہے [illegible] درمیان میں کئی ''مستحقین'' بھی دامن
[illegible] ہیں [illegible] شہری یعنی صارف تک پہنچتے پہنچتے اس شے کی قیمت کہاں سے
[illegible] اقتصادیات کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ صرف اس
[illegible] حکومت [illegible] لوگوں کو رفتہ رفتہ معلوم ہو گا

کرنا ہے دراصل کتنا بھاری ہے۔ [illegible]
ہے کہ [illegible] سے نافذ ہو جائے گا اور [illegible]
بعد سے 30 فیصد بڑھ جائے گی اور [illegible] 20
تعلیم اور صحت کے شعبوں کے لئے مختص [illegible]
[illegible] ہے۔ حکومت [illegible] فیصد [illegible]
[illegible]
ہے یا کم ہو جانے کی بہت جلدی ہے!

(جون 2010ء)

ٹرانزٹ ٹریڈ اور بھارتی راہداری

18 جولائی کی شام جب ہیلری کلنٹن چک لالہ ایئر پورٹ پر لینڈ کر رہی تھیں تو ان کے استقبال کے لئے موجود لوگوں میں نئے وزیر تجارت انوار الحق نمایاں تھے جنہوں نے ہیلری کلنٹن کو جہاز سے اترتے ہی یہ خوشخبری سنا دی کہ ان کے تجارتی مذاکرات کامیاب رہے ہیں جس کے بعد یہ تقریب بڑے دستخط منعقد ہوئی تو تالیاں بجانے والوں میں صدر زرداری، ہالبروک اور ہیلری کلنٹن بھی شامل تھے۔ یہ بات شاید قارئین کے لئے باعث حیرت ہو کہ مارچ میں امریکہ میں ہونے والے سٹریٹجک ڈائیلاگ (جن میں اپنے مخدوم شاہ محمود قریشی صاحب ہیلری کلنٹن کا ہاتھ خصوصی گرمجوشی سے دبا رہے تھے) میں دیگر مسائل کے علاوہ جو اہم ترین مسئلہ زیر بحث تھا وہ بھارت کو پاکستان سے افغانستان تک راہداری دینے کا تھا اور امریکی وائسراؤں نے ان ملاقات میں تحمل سے مطالبہ کیا تھا کہ جلدی اس قضیے کا خاتمہ کیا جائے جس پر اب تک عمل نہیں ہو رہا تھا۔ اسی دوران میں مخدوم امین فہیم (وزیر اعظم فیم) نے اچانک پاکستانیوں کو یہ کہہ کر حیرت زدہ کر دیا کہ افغانستان کو ہم نے تجارتی سہولت بہم پہنچانے کا عزم کر رکھا تھا اس لئے وہ اب واہگہ بارڈر تک پہنچ سکتے ہیں۔ زمینی راستے کے ذریعے افغانستانی ٹرک میوہ

جات اور مقویات لے کر واہگہ تک جایا کریں گے اور واپسی راستے کے ذریعے بھارتی باربردار ... بردار ہوائی جہاز پاکستانی تباہی کا سامان لے کر کابل آیا کریں گے۔ امریکہ بھی خوش۔ عوام بھی راضی کہ چلو بھارت کو تو اپنے ٹرک بذریعہ واہگہ کابل لے جانے کی اجازت نہیں دی گئی۔

مخدوم امین فہیم کبھی کبھی بڑی سادگی سے ایسی بات کہہ جاتے ہیں جو "ڈپلومیسی" کہلاتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں موصوف فرماتے ہیں کہ ہم نے جواب میں افغانستان کے راستے سنٹرل ایشیا تک رسائی کا پروانہ حاصل کر لیا ہے شاید انہیں یاد نہیں (بادشاہ آدمی ہیں) کہ 2001ء میں افغانستان، پاکستان، قازکستان اور چین کے درمیان یہ معاہدہ پہلے سے موجود ہے لیکن ایک بھی ٹرک آج تک افغانستان کے راستے سنٹرل ایشیا اس لئے نہیں پہنچ سکا کہ کابل سرکار کی عملداری صدارتی محل کے دس پندرہ کلومیٹر آگے پیچھے تک ہی محدود ہے اس کے لئے نہ تو محفوظ راستہ ہے اور نہ سڑکیں۔ اگر طالبان سے معافی بھی مل جائے تو وادی پنج شیر پر بیٹھے شمالی اتحاد کے احمد مسعود گروپ والے بھارت نواز ایک ٹرک تو کیا ایک پاکستانی باربردار گدھا بھی وہاں سے گزرنے نہیں دیں گے۔ اس لئے مخدوم امین فہیم کی یہ "کامیابی" تو مشکوک ہی رہے گی۔ البتہ ان کی مہربانی سے بھارت کا دیرینہ خواب پورا ہو گیا اسے افغانستان کے راستے بندر عباس تک رسائی میسر آ گئی۔ جبکہ پہلے ہی ممبئی اور چنائی سے بحری جہازوں کے قافلے ایرانی بندرگاہ چاہ بہار کی طرف رواں دواں رہتے ہیں جس کے ذریعے بھارتیوں کو شمالی افغانستان تک رسائی میسر رہتی ہے۔

پیپلز پارٹی کا کمال یہ ہے کہ وہ خود کو ہمیشہ "عقل کل" سمجھتے ہیں اور اپنے ہر اقدام کو "عوامی مینڈیٹ" بنا کر پیش کرتے ہیں۔ اگر جناب بابر اعوان ٹی وی پر چڑھ کر سارے پاکستان کی بار کونسلوں کو نقد عطیات سے نوازنے لگیں تو وہ عین جمہوریت اور بمطابق آئین پاکستان ہے۔ سپریم کورٹ کے احکامات کے باوجود سوئس عدالت کو خط نہ لکھنا بھی آئین کے عین مطابق وغیرہ

وغیرہ کی طرح امید ہے۔ بھارت کو پاکستانی فضاؤں سے دندناتے ہوئے کابل تک پہنچنا بھی عوامی حیثیت سے منسوب ہو جائے گا کیونکہ عوام بھارت سے اچھے تعلقات کے خواہاں ہیں۔ بھارت کیسے تعلقات چاہتا ہے اس پر چند روز پہلے بھارتی وفد کی نشستند، گفتند، برخاستند کی مثال کافی ہے جس پر ہمارے وزیر خارجہ نے فرمایا ہے کہ وہ صرف چہل قدمی کرنے یا ہوا خوری کے لئے بھارت نہیں جاتے کیونکہ بھارتی مذاکرات کو سیریس نہیں لے رہے۔

زبیر موتی والا کراچی کے معروف تاجر اور اس مذاکراتی ٹیم کے رکن ہیں جو افغان ٹرانزٹ ٹریڈ مذاکرات میں حصہ لے رہی تھی ان کا کہنا ہے کہ ان کے ساتھیوں نے وزیر تجارت مخدوم امین فہیم کو بھارتی راہداری کے حوالے سے اپنے خدشات اور اس معاشی تباہی سے مکمل آگاہی دے دی تھی جس سے پاکستان دوچار ہوگا لیکن ان کی باتوں کو بڑے غور سے سننے کے بعد بھی مخدوم صاحب نے اچانک جو سرپرائز دیا ہے وہ واقعی حیران اور پریشان کن ہے۔ زیادہ دیر نہیں گزری کہ ایران نے بین الاقوامی پرواز کو جو دوبئی جا رہی تھی بزور ایران میں اتار کر اپنے ایک مطلوب ملزم عبدالمالک ریگی کو گرفتار کر کے اسے پھانسی چڑھا دیا ہے۔ بھارتی نیوی نے پاکستان آنے والے ایک بحری جہاز کو بین الاقوامی سمندروں میں روک کر قبضے میں کر لیا تھا اور یہ دعویٰ بھی کیا تھا کہ یہ پاکستانی شپ ہے جو ممبئی جا رہا تھا۔ کیا مخدوم صاحب کی ''عوامی حکومت'' اس امر سے کہ دہلی سے بھارتی ہوائی جہازوں میں سوار ہونے والے تاجر کن اسلحے سے بھرے کسی بھی ہوائی جہاز کو پاکستان میں [illegible] روک سکتے؟ ظاہر ہے اس کا جواب نفی میں ہے حکومتی بڑھکیں ایک طرف۔ سوال یہ ہے کہ [illegible] امریکی خوشنودی میں ہم کہاں تک جانے کا ارادہ رکھتے ہیں؟ کیا یہ ملک برائے فروخت ہے [illegible] جیسے چاہے اور جب چاہے اس کے اداروں اور سلامتی کو کوڑیوں [illegible]

قومے فروختند و چہ ارزاں فروختند

[illegible] بیانات ایک طرف اور حقائق ایک طرف۔ [illegible] داری اپنے تاریخی وقت کی ملاقات کے لئے امریکہ میں [illegible] واہگہ کے راستے کابل تک رسائی دی ہے اب [illegible] بھارت [illegible] مرضی۔

افغان ٹرانزٹ معاہدے کی گونج ابھی فضاؤں میں تھی [illegible] لئے میں ان کے دورے سے پہلے [illegible] معمول [illegible] پاکستان میں [illegible] چکے تھے۔ ہیلری کلنٹن صاحبہ نے پاکستان کے لئے جن [illegible] دینے کے مترادف ہیں۔ اپنی روایتی بلیک میلنگ پالیسی کا تسلسل قائم رکھتے ہوئے آپ نے کہہ دیا ہے کہ اسامہ بن لادن اور ملا عمر پاکستان میں چھپے ہوئے ہیں اور [illegible] معلوم بھی ہے۔ ظاہر ہے اس نوعیت کی باتیں جن کی کوئی حقیقت نہیں [illegible] جا رہی ہیں۔ لیکن تابکے۔

افغان ٹرانزٹ معاہدہ اور ہیلری کلنٹن کا تازہ دورہ ہمیں یہ سمجھانے کے لئے کافی ہے کہ ہم اپنے مخصوص مفادات کے تحفظ کے لئے جس حد تک بھی چلے جائیں امریکن ہم سے خوش نہیں ہوں گے وہ ہر مرتبہ ایک نیا بہانہ تلاش کر کے ہم پر پریشر بڑھائیں گے اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ امریکہ افغانستان میں انڈیا کو اپنا قائم مقام نہ بنا دے جب امریکہ اس گھناؤنے منصوبے میں کامیاب ہو گیا تو وہ حسب روایت اپنا گھوڑا بھی تبدیل کر لے گا۔

(اگست 2010ء)

معاشی گورکھ دھندہ

آج چند نمونے آپ کی خدمت میں پیش ہیں، پہلے ایک نیم معاشی معمہ ملاحظہ ہو۔ اس کے راوی صحافی برادری کے ایک محترم متوازن، معتدل اور سنجیدہ لکھنے والے ہیں جو ایک ایک لفظ تول کر استعمال کرتے ہیں اور تہذیب کے دامن کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ ایک طرف بابائے اردو سے لے کر مقتدرہ قومی زبان تک نے اس کوشش میں سر دھڑ کی بازی لگا رکھی ہے کہ اردو کو پاکستان کی سرکاری زبان قرار دیا جائے کیونکہ اس میں جدید طریقوں کی ادائیگی کے ذرائع موجود ہیں۔ برصغیر کی قدیم تاریخ میں یہ کبھی عدالتوں کی زبان رہ چکی ہے، جو بعد میں تعصب کی بناء پر خارج کر دی گئی۔ ریاست بہاولپور، حیدرآباد اور بعض دوسری ریاستوں میں یہ ہائیکورٹ تک استعمال ہوتی تھی۔ بہاولپور ہائیکورٹ کا یہ مشہور تاریخی واقعہ ہے کہ ایک مقدمے میں قائداعظم وکیل تھے، فریق ثانی کے وکیل مشہور ہندو تھے، ان کو پتہ تھا کہ ریاست کی عدالتی زبان اردو ہے اور قائداعظم اردو نہیں بولتے۔ انہوں نے مقدمے میں پہلا سوال انگریزی میں ہی کیا کہ "آنریبل یور آنر کس زبان میں بحث کریں گے" قائد نے بڑا مختصر جواب دے کر ان کا منہ بند کر دیا۔ "It depends upon the ..." (تفصیل کے لئے دیکھئے اخبار اردو، مقتدرہ قومی زبان

جنوری 08ء)۔ دوسری طرف خود اہل زبان میں بعض حضرات ایسے بزرگ وارد ہوئے جو اردو درخواست گزاروں، فدویوں، ماتحتوں سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ حسب منشاء ایسی بعض خادموں اور تابعدار قسم کے لوگوں کی زبان ہے (یعنی جب وہ اردو میں لکھتے ہیں تو وہ درخواستوں، عرضیوں، معافیوں اور التجاؤں سے سوا کچھ نہیں ہوتا)۔ بعض کے مطابق اردو زبان میں ضرور کچھ بھی ہے، یہ الگ بات ہے کہ اس میں اقتصادی نوٹ بھی نہیں لکھا جا سکتا۔ موصوف صحافی برادری ہیں اور ایک مرتبہ وزارت کا منصب بھی حاصل رہا ہے۔ پھر بھی بزرگی کا احترام کرتے ہوئے ایک چھوٹا سا سوال پوچھا جا سکتا ہے کہ جناب محمد شعیب کی پہلی کابینہ کے پہلے وفاقی بجٹ کی تقریر سمیت ملک کے اقتصادی مسائل پر جس نے اردو میں تنقید کی بنیاد رکھی، کو کس خانے میں رکھا جائے؟

میرا پچھلا کالم جو وفاقی اور صوبائی بجٹوں پر مشتمل تھا اس پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ صرف ایک صوبے کا بجٹ متوازن رہا اور تین صوبوں میں خسارہ بہت نمایاں رہا۔ وفاقی فنڈ سے فارمولے کی بناء پر ان کو پہلے کے مقابلے میں وفاق سے زیادہ رقم مل رہی ہے۔ کسی غیر معمولی پروجیکٹ کا بھی ذکر نہیں پھر بھاری خسارہ کیوں؟ اور یہ کس طرح پورا ہوگا۔ وفاق سے تو کچھ ملنے کی امید نہیں، سندھ کو تھر پارکر کے کوئلے کے لئے، خیبر پختونخوا کو ڈیم کے لئے پنجاب کو دیہی ترقی کے لئے بعض بین الاقوامی اداروں سے کچھ قرض ملنے کی امید ہے مگر یہ قرض بھی کن شرائط پر ملے گا اور کیا صوبے مجوزہ شرائط پوری کر سکیں گے۔

ایک اور کمال یہ سامنے آیا کہ ڈگری اصلی ہو یا جعلی ڈگری ہی رہتی ہے۔ ایک جب جعلی ڈگری والے ارکان میں کھلبلی مچ گئی ہے دوسری طرف ڈگریاں بانٹنے والوں کے ہاں کمی کی چاندنی مل رہی ہیں ان کے ہاں ڈگری تو تقسیم ہو رہی ہے مگر کمی نہیں ہے۔ طالب علموں کے دل باغ باغ ہو گئے اب ان کو موٹی موٹی کتابوں میں سر کھپانے، راتوں کو جاگنے کی ضرورت نہیں رہی۔ رہے

[illegible] یا کوئی کاٹن خریدا جا سکتا ہے اسی طرح [illegible]
کا ماہر پر بس طرح [illegible] ڈگری بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔ ڈگری [illegible]
میں [illegible] بی ایچ ڈی کی ڈگری [illegible] ان کی طرف سے ایسی ترغیبوں کی اطلاعات ملیں گی کہ [illegible]
میں مسابقت شروع ہو جائے گی۔ [illegible] فراہم کردہ ڈگریوں سے 70 فیصد امیدوار [illegible]
رابطہ پر [illegible] فیصد [illegible]
[illegible] متوقعات بھی [illegible] ہو گئے۔

ایک باپ نے بیٹے کو کالج سے [illegible] پر ٹوکا اور پوچھا تم کئی روز سے کالج نہیں جا
رہے، بیٹا کہتا ہے کہ ابو جان اب کالج جانے کی ضرورت نہیں، آپ 40 ہزار کا بندوبست کر دیں،
میں [illegible] آپ کے قدموں میں ڈال دوں گا، سرکاری سطح پر جعلی ڈگریوں کا اثر
دوسرے [illegible] پر بھی پڑے گا۔ امراض قلب کے لئے جوتے کی ٹکیاں، اصلی گھی کی بجائے نقلی
گھی، دودھ میں پانی کی [illegible] کے بجائے پانی میں دودھ کی ملاوٹ ہوا کرے گی اور جب کوئی
[illegible] چیکنگ کے لئے آئے گا کہ گھی اور دودھ میں ملاوٹ ہے اور یہ جعلی اشیاء ہیں تو
جواب [illegible] سہی مگر چیزیں تو موجود ہیں۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ وہ اصلی یا مصنوعی اور
جعلی۔ [illegible] کئی مرتبہ اشارہ دے چکے ہیں کہ وہ اپنی کابینہ میں کمی کرنے والے ہیں پہلے یہ
[illegible] کہ [illegible] وزراء [illegible] تخفیف ہوگی، پھر یہ اطلاع آئی کہ بجٹ سے پہلے یا اس
[illegible] کمی کے بجائے تین مزید مشیروں کا اضافہ کر لیا گیا، وہ
[illegible] کابینہ میں تخفیف سے روک رہا ہے۔

[illegible] تنخواہ [illegible] کو جو بھاری مشاہرے اور مراعات ملتی ہیں وہ
[illegible] اجلاسوں میں باقاعدگی سے شرکت کیا کریں گے اور ان کو دوران
[illegible] یہاں میں جھپکی لینے کی عام اجازت ہوگی۔ نیز
[illegible] نے اس کی توجیہہ یوں فرمائی کہ طویل اجلاسوں میں مدہم

[illegible] کی حکومت کہ ایک اجلاس [illegible]
[illegible] اجلاس [illegible]
[illegible] پاس [illegible]
[illegible] ایک [illegible] قریب [illegible]
بھی [illegible] اسلام آباد میں سرکاری رہائش [illegible]
[illegible] ایک خاص حد تک بجلی اور [illegible]
[illegible] مقررہ حد تک پٹرول کی فراہمی، جہاز [illegible]
[illegible] کے لئے [illegible] دفتر اور گھر کی دیکھ بھال [illegible]
[illegible] الاؤنس الگ ملتا ہے پھر بھی زیر باری کا معمہ سمجھ میں نہیں آتا۔

حکومت کے تازہ اعلان کے مطابق ایک روپے سے کم قیمت والے تمام سکے بازار سے [illegible]
لے لئے جائیں گے گویا اعلان اب ہوا مگر عملی طور پر تو حالیہ تین سال سے چھوٹے سکے بازار سے
غائب ہیں۔ یہ صرف پٹرول کی مصنوعات یا سگریٹ کی قیمتوں میں نظر آتے ہیں اس میں صارف
ہمیشہ نقصان میں رہتا ہے اور پمپ والے یا دکاندار فائدے میں رہتے ہیں مثلاً اس وقت ٹمی
[illegible] ایک لیٹر کی قیمت 65.38 روپے ہے، دکان دار تو 38 پیسے چھوڑنے سے رہا، خریدار ہی
62 پیسے زائد دیتا ہوں گے کیوں نہ ان کی قیمتوں کو مکمل روپے میں تبدیل کر دیا جائے۔ سگریٹ
کی مختلف اقسام کے درمیان بھی ردوبدل کا امکان ہے تاکہ صارف کو زیر باری سے بچایا جا سکے
اس معمہ کو حل کرنا ضروری ہے۔

(اگست 2010ء)

حامد
اردو فینز
کیلئے

اقتصادیات کا جنازہ

مہنگائی اس وقت پوری دنیا کا مسئلہ ہے لیکن دنیا کے دیگر ممالک اپنی اقتصادی پالیسیاں اتنی
غور سے مرتب کرتے ہیں کہ مہنگائی کے اثرات عام صارف کو زیادہ متاثر نہ کر سکیں جبکہ پاکستان میں
[illegible] اقدامات [illegible] صرف [illegible] ہی متاثر ہو رہا ہے۔ فیڈرل بورڈ آف ریونیو کا ریکارڈ شاہد ہے کہ مجموعی
ٹیکس ریونیو میں 60 فیصد بالواسطہ ٹیکس عام شہری ادا کرتا ہے جس میں کسٹم ڈیوٹی، سیلز ٹیکس،
فیڈرل ایکسائز ڈیوٹی [illegible] جبکہ صوبائی سطح پر بھی حکومت کے ہر ٹیکس کا بوجھ عام شہری پر ہی پڑ رہا
ہے۔ [illegible] 40 فیصد براہ راست ٹیکس بھی کارخانہ دار اور دکاندار اپنے خریداروں کو منتقل
[illegible] صورتحال میں ہر صرف غریب ہی کی لوٹ رہی ہے۔ دراصل امر واقعہ تو
[illegible] سکتا ہے۔ سیاسی، معاشی اور صنعتی بحران سب اصطلاحیں اس قدر
[illegible] بھی [illegible] روانی بھی جانے لگی ہیں۔ پٹرولیم مصنوعات، بجلی، گیس
[illegible] میں اضافہ روز مرہ کی بات ہے ان عوامل کی وجہ چاہے جو کچھ بھی
[illegible] ضروری سمجھا جاتا ہے۔ زرعی مصنوعات، سبزیاں،
[illegible] قیمتیں بڑھا دیا جاتا ہے لیکن جب عالمی منڈی

میں تیل کی قیمتیں کم ہوتی ہیں تب اس شرح کا [illegible] تیل کی قیمتوں میں کمی نہیں
آتی۔ چینی کے نرخوں میں اضافہ معمول کی بات ہے [illegible] صنعت [illegible]
پیداوار کی بتائی جاتی ہے۔ دراصل مہنگائی کا عذاب [illegible]
اپنے شکنجے میں جکڑ رکھا ہے۔ اور عوام جسمانی، ذہنی اور روحانی طور پر مفلوج [illegible]
طبقہ اشرافیہ ہر طرح کے عیش و آرام سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔ [illegible]
کاپ اٹھتی ہے۔ وطن عزیز میں بسنے والوں کو کبھی [illegible] طبقوں میں تقسیم [illegible]
تو لیکن اب پاکستان صرف دو طبقوں والا ملک بنتا جا رہا ہے [illegible]
غریب۔ مڈل کلاس طبقہ ختم ہوتی لوئر مڈل کلاس [illegible] غریب [illegible]
وقت کی روٹی کے چکر میں ہے۔ عوام کی قوت خرید اس قدر کم ہو گئی ہے کہ لوگ اب بازار جاتے ہیں
لیکن خریداری کے لئے نہیں بلکہ ونڈو شاپنگ کیلئے۔ [illegible] اور اشیاء صرف کی بڑھتی ہوئی
قیمتوں نے عوام سے بازار یا مارکیٹ کا رخ کرنے کی سہولت چھین لی ہے۔ وطن عزیز اپنے قیام
سے لے کر آج تک دنیا میں رائج تین معاشی نظام مختلف ادوار میں مختلف حیثیتوں سے دیکھ چکا
ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کے خدوخال کو ذوالفقار علی بھٹو نے سوشلسٹ نظریے کے ساتھ تبدیل
کرنے کی کوشش کی اور بہت سارے ادارے حکومتی عملداری میں آ گئے جس کے نتیجے میں [illegible]
کا کنٹرول بھی سرکار کے ہاتھ آ گیا۔ کیپٹل ازم اور سوشلسٹ نظریے کے ساتھ [illegible]
اکانومی بھی چلتی رہی لیکن اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ ہم ہر دور میں تجربات سے گزرتے
رہے ہم نے ایک وقت میں اداروں کو قومی تحویل میں لیا تو دوسرے مرحلے میں مزید اداروں کو
حکومتی کنٹرول میں لینے کی بجائے انہیں کھلی بولی کے ذریعے نیلام کیا۔ ہم نے گھی کارپوریشن آف
پاکستان بنا کر خوردنی تیل اور گھی کی صنعت سرکاری کنٹرول میں لے لی تو دوسری جانب گھی کے
کارخانوں کو اتنا آزاد چھوڑا کہ چند سرمایہ دار ایک بزنس پیج پر اکٹھے ہو کر گھی مہنگا اور سستا کرنے

منافع ادارہ وقت شاکی ہی بنا رہا۔ اسی طرح سرمایہ دار اپنی مرضی سے
کاروباری زخوں سے حکومت کا زخوں سے
مصنوعات کے نرخ بڑھا دیتے ہیں۔ ذوالفقار بھٹو نے چینی کے زخوں میں برائے نام اضافے کو
بنیاد بنا کر فیلڈ مارشل ایوب خان کے خلاف پوری قوم کو اکٹھا کر لیا اور اقتدار سنبھالتے ہی شوگر مز
مالکان کو نکیل ڈالی لیکن آج پارلیمنٹ کے اندر بیٹھے ہوئے چند شوگر مز مالکان غریب اور متوسط طبقے
کو معاشی طور پر بری طرح متاثر کر رہے ہیں حکومتی مشینری ان کو کسی قاعدے قانون کا پابند بنانے
میں بری طرح ناکام ہو رہی ہے۔ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ مہنگائی ایک عالمگیر مسئلہ ہے
پٹرولیم مصنوعات، خوردنی تیل کی قیمتیں اور کرنسی کے ریٹ عالمی منڈی میں طے ہوتے ہیں۔
حکومت صرف ان اشیاء کی طلب اور رسد میں توازن ممکن بنا کر مارکیٹ میں بروقت اور عالمی
منڈی کے زخوں کے ساتھ مطابقت قائم رکھتے ہوئے فراہمی کی ذمہ دار ہے، تاہم مقامی پیداوار کی
رسد اور فراہمی کے ساتھ ان کے زخوں پر کنٹرول انتظامیہ ہی کا کام ہے جو وفاقی، صوبائی اور ضلعی
سطح پر ایک منظم سیٹ اپ میں طے شدہ طریقہ کار کے تحت ہی سرانجام دیا جا سکتا ہے۔ سابق وفاقی
وزیر خزانہ شوکت ترین کرپشن کو ملکی معیشت کے لئے سب سے بڑا خطرہ قرار دے چکے ہیں ملک
میں کرپشن کا حجم 103 کھرب روپے تک پہنچ چکا ہے یہی وجہ ہے کہ ملک کا پورا انتظامی سیٹ اپ
مہنگائی پر قابو پانے میں ناکام رہا ہے۔ وفاقی ادارہ شماریات اس امر کی تصدیق کر
رہا ہے کہ گزشتہ ہفتے مہنگائی کی شرح میں 18.82 فیصد اضافہ ریکارڈ کیا گیا۔ سرکاری رپورٹ کے
مطابق 21 اشیاء کی قیمتیں بڑھی ہیں جن سے 7 ماہ کے دوران 163 ارب روپے سیلز ٹیکس ادا
کیا گیا ۔۔۔ متاثر ہوئے ہیں مہنگائی پورے ملک میں ہے اور ہر پاکستانی اس کا
۔۔۔ 1979ء سے 2010ء تک افغانستان کی
۔۔۔ اشیاء خورد و نوش کی بڑی مقدار سرحد پار چلی
۔۔۔ اور جاگیرداروں کی آمدنی میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

نقد ان فرانزٹ ٹریڈ کے نام پر سمگلنگ کی شکل میں ہونے والا ... ملکی معیشت کو کھوکھلا ...
کاروباری خاندانوں کی تجوریاں بھر رہا ہے اسی طرح ... پاکستان
پختونخوا میں تیار ہونے والی اشیاء کی افغانستان ترسیل سے ... صنعت ... تباہ
ہو گئی ہیں لیکن اس سب کے باوجود ... کارخانہ ... سے
ہونے والا ٹیکس دہشت گردی کے نام پر حکومت سے ... صورت میں ... رہا ہے۔ ...
میں مہنگائی کے ساتھ یوٹیلٹی بلوں نے غریب اور متوسط طبقے ... متوثر ... ہے۔ ...
ڈالر قرض دینے والے ممالک اور ادارے بجلی گیس اور ... یوٹیلٹی بلوں میں عوام ...
کسی اور صورت ریلیف دینے کی مخالفت کر رہے ہیں اور زخوں میں ... اضافے ... رہے
ہیں۔ سٹیٹ بنک کی ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان کا ہر فرد اوسطاً 24 ہزار 412 روپے
کا مقروض ہے جو بھارت کے مقابلے میں 75 فیصد زائد ہے۔ بینک کے اعداد و شمار کے مطابق
اس وقت مجموعی غیر ملکی قرضوں کی مالیت 50 ارب ڈالر ہے جبکہ آبادی 17 کروڑ ہے۔ اس کے
مقابلے میں بھارت کا جائزہ لیا جائے تو اس کے مجموعی قرضوں کی مالیت 222 ارب ڈالر جبکہ
آبادی تقریباً ایک ارب 25 کروڑ ہے۔ اس طرح بھارت کا ہر شہری اپنی آبادی کے اعتبار سے 8
ہزار 880 روپے کا مقروض ہے جو پاکستان کے مقابلے میں 75 فیصد کم ہے۔ دوسری جانب آئی ایم
ایف نے پاکستان کو شرح سود میں کسی قسم کی کمی نہ کرنے کا عندیہ دیا ہے۔ ملک میں مہنگائی کا
طوفان مزید بڑھنے والا ہے۔ آنے والے دنوں میں تیل کی قیمتیں بڑھنے پر پاکستان کی معیشت
میں ... کا رجحان مزید بڑھ جائے گا۔ بیرونی قرضوں سے عوام کو براہ راست کوئی فائدہ نہیں۔
ترقیاتی پراجیکٹس اور دیگر منصوبے ابتداء ہی میں ناکام ہو جاتے ہیں۔ پروجیکٹس کے سربراہ سیاسی
سفارشوں کی بنیاد پر نااہل افراد کا تقرر کیا جاتا ہے جو پراجیکٹ کو عوام کے مفاد میں چلانے اور جس
مقصد کے لئے یہ پراجیکٹ قائم کیا گیا ہے اس کے ثمرات سے عوام کو مستفید کرنے کی بجائے نئے

ماڈل کی گاڑیوں کی خریداری، دفاتر میں غیر ضروری تزئین و آرائش اور ٹی اے ڈی اے پر ساری رقوم خرچ کر دیتا ہے جس کا خمیازہ عوام کو بھگتنا پڑتا ہے اور اس طرح عوام ایک ایسے قرضے تلے دبتے چلے جا رہے ہیں جو ان پر سرے سے خرچ ہی نہیں ہوا۔ ماہرین اقتصادیات کا موقف ہے کہ حالت جنگ ہو یا امن کبھی آٹے، چاول، دال، چینی کا استعمال کم نہیں ہوتا لوگ زندہ رہنے کے لئے خوراک حاصل کرتے ہیں پھر کارخانہ دار کس چیز سے متاثر ہو رہا ہے اگر چند غیر ضروری اشیاء کے استعمال میں کمی آئی بھی ہے تو وہ بہت معمولی ہے۔ صرف ایک بینک نے گزشتہ 5 سال کے دوران 19 ارب روپے کے قرضے معاف کیے ہیں۔ قرضے معاف کرانے والوں میں وہ ادارے بھی شامل ہیں جو مالی طور پر مستحکم قرار دیئے جا رہے ہیں اس لوٹ مار میں سرمایہ دار مزید مستحکم جبکہ غریب غریب تر ہوتا جا رہا ہے جس کے لئے زندگی کی گاڑی کو رواں رکھنا بھی ممکن نہیں رہا۔ حکومت کے انتظامی سیٹ اپ میں مقامی مارکیٹ کنٹرول کرنا ڈسٹرکٹ سطح کی مینجمنٹ کا کام ہے۔ انگریز سرکار نے اپنے ریونیو کلکٹر یعنی ڈپٹی کمشنر کو بے انتہا اختیارات دے رکھے تھے جن میں ایک مارکیٹ کنٹرول بھی تھا۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ قیمتوں کو مستحکم رکھنے کے ساتھ اشیاء ضروریہ کی طلب اور رسد سے متعلق معاملات کا بھی نگران ہوتا تھا لیکن سابق صدر پرویز مشرف کے متعارف کروائے گئے ضلعی نظام حکومت میں ضلعی اختیارات ناظمین کو سونپے گئے اور ڈسٹرکٹ مینجمنٹ کا ذمہ دار افسر منتخب ناظم کے زیر سایہ کام کرنے لگا اس دوران مارکیٹ چیک اینڈ بیلنس سے آزاد ہو گئی تاہم اس نظام کے خاتمے کے باوجود مہنگائی کا جن قابو میں نہیں آ رہا۔ تمام تر حکومتی دعوؤں اور اقدامات کے باوجود گزشتہ دو برسوں کے دوران اشیائے خورد و نوش سمیت یوٹیلیٹی بلز کی قیمتوں میں 100 سے 120 فیصد اضافہ ریکارڈ کیا گیا ہے۔ معاشی ماہرین کے مطابق افراط زر کی شرح میں اضافے کی وجہ سے اسٹیٹ بینک آف پاکستان نے رواں مالی سال کے پانچویں مانیٹری پالیسی میں شرح سود میں کمی کرنے سے انکار کرتے ہوئے اس ماہ کے آخر تک برقرار رکھنے کا اعلان کیا

ہے۔ اسٹیٹ بینک آف پاکستان کی رپورٹ کے مطابق تمام اشیائے خورد و نوش، بجلی، گیس، فرنس، ڈیزل اور استعمال کی دیگر اشیاء کی قیمتوں میں ریکارڈ اضافہ ہوا ہے۔ دو سال کے دوران صرف ڈیزل کے نرخوں میں تقریباً 100 فیصد اضافہ ہوا، ڈیزل 37.9 روپے فی لٹر سے بڑھ کر 73.62 روپے اور پٹرول 53.8 روپے فی لٹر سے 69.84 روپے ہو گیا ہے۔ ماہرین کے مطابق پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافے کی وجہ سے پیداواری لاگت بڑھتی ہے اور زندگی کے ہر شعبہ اس کی بنیاد پر تمام مقامی سطح پر تیار ہونے والی اشیاء کی قیمتیں بڑھ جاتی ہیں۔ بجلی کی قیمتوں میں دو سال کے دوران اوسطاً 120 فیصد اضافہ ریکارڈ ہوا ہے اور گھریلو فی یونٹ 7 روپے تک جبکہ کمرشل یونٹ 19 روپے تک پہنچ گیا ہے۔ جو قبل ازیں 3 روپے اور 9 روپے تھا۔ سوئی گیس فی یونٹ 115.4 روپے سے بڑھ کر 286.3 روپے فی ایم ایم بی ٹی یو، ایل پی جی کا 11.8 کلو گرام سلنڈر 792 روپے سے بڑھ کر 1061 روپے، گندم 17 روپے فی کلوگرام سے بڑھ کر 27 روپے فی کلوگرام، آٹا 18 روپے سے بڑھ کر 36 روپے فی کلوگرام، باسمتی ٹوٹا چاول 25 روپے سے بڑھ کر 54 روپے فی کلوگرام، بڑا گوشت 100 روپے سے بڑھ کر 200 روپے فی کلوگرام، چھوٹا گوشت 250 روپے سے 380 روپے فی کلوگرام، مرغی کا گوشت 125 سے بڑھ کر 150 روپے فی کلوگرام، انڈے 37 روپے سے بڑھ کر 60 روپے فی درجن، چینی 30 سے بڑھ کر 65 روپے فی کلوگرام، گڑ 31 روپے سے بڑھ کر 73 روپے فی کلوگرام، تازہ دودھ 30 روپے سے بڑھ کر 50 روپے فی لٹر، کوکنگ آئل کی قیمتوں میں 31 روپے فی لٹر اور گھی کی قیمت میں 30 روپے فی کلوگرام، اضافہ ہوا ہے۔ چائے کی پتی 276 روپے فی کلوگرام سے بڑھ کر 516 روپے فی کلوگرام، آلو 10 روپے سے بڑھ کر 30 روپے فی کلوگرام، پیاز 12 روپے سے بڑھ کر 30 روپے فی کلوگرام، ادرک 43 روپے سے بڑھ کر 180 روپے فی کلوگرام، دال ماش ثابت 50 روپے سے 160 روپے فی کلوگرام، دال ماش دھلی ہوئی 71 روپے سے 134 روپے

[illegible] مونگ کی دال 52 روپے سے 85 روپے فی کلوگرام، دال چنا 42 روپے سے
57 روپے فی [illegible] مرچ 137 روپے سے 165 روپے فی کلوگرام ہو گئی ہے۔ اسی
[illegible] میں ایک [illegible] قیمتوں میں 30 سے 60 فیصد اضافہ ہوا ہے جنہیں [illegible]
[illegible] اور روزمرہ استعمال کی تمام چیزوں کی قیمتوں میں 50 فیصد سے
[illegible] سبزیوں کو ملیوا یذ نیلس میں تبدیل کرنے کے بعد
روزمرہ استعمال [illegible] میں [illegible] کا اندیشہ ہے۔ [illegible] کا عالم یہ ہے کہ [illegible]
[illegible] ہے لیکن آج کل پانی کے ساتھ انتہائی مضر کیمیکل ملائے جا رہے
ہیں [illegible]۔ گوشت کا معیار چیک کرنے کے لئے ذبح خانوں میں [illegible]
[illegible] کہ انتہائی لاغر اور بیمار جانور روزانہ ذبح کرکے
[illegible] ہیں۔ [illegible] عام آدمی کی پہنچ سے دور ہیں سبزیوں کے نرخ [illegible]
[illegible] کا اب تک یہ کہنا تھا کہ پورا انتظام منتخب لوگوں کے
[illegible] کے ہاتھ میں ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ یا [illegible]
[illegible] مصلحت کا شکار ہو کر خاموش تماشائی بنے
[illegible] کسی منتخب بندے کے لئے امن وامان قائم
[illegible] ہوتا ہے لیکن اب تحصیل اور
[illegible] ہے۔ تاہم اس کے لئے ضروری ہو گا کہ ان
[illegible] 6 [illegible] مشتمل خاندان [illegible] کے لئے ماہانہ کم از
[illegible] اخراجات کی مد میں 8 ہزار سے 10
[illegible] 1500 روپے [illegible] 500 روپے [illegible] 125
[illegible] ماہانہ فی بچہ کا فیس [illegible] اور دیگر [illegible]

[illegible] اخراجات [illegible] 15 ہزار روپے [illegible]
اخراجات [illegible] ماہانہ [illegible] سے اخراجات [illegible]
رمضان المبارک، عید الفطر، عید الاضحی [illegible] اخراجات [illegible]
[illegible] چار ماہ تک [illegible]
[illegible] 17 سے ایک ملازم [illegible]
[illegible] نہیں سکتا ہے جبکہ ایک بڑا طبقہ [illegible]
[illegible] اوقات میں رشتہ اور [illegible]
[illegible] کو چولہا جلانے کے لئے [illegible]
[illegible] سے بھی بہت کم ہیں [illegible]
[illegible] نہیں دیتے اور تنخواہ [illegible]
[illegible] ہیں۔ جس کے [illegible]
[illegible] بحران کے [illegible] اجزاء [illegible] پوری کرنے کے [illegible]
[illegible] بے راہ روی کا شکار ہو رہی ہیں۔ [illegible] کے بعد [illegible]
[illegible] ضروریات زندگی میں شامل ہیں۔ [illegible] میں صرف ایک [illegible]
[illegible] بتاتے ہیں تو ایک خاندان میں 18 جوڑے کپڑوں کے بنتے ہیں جبکہ [illegible]
[illegible] کے نرخ آسمان سے باتیں کر رہے ہیں ان میں سے [illegible]
[illegible] 450 روپے سے 500 روپے اور [illegible] 700 روپے فی [illegible] ہے۔ [illegible] ایک
خاندان میں 10 سے 15 [illegible] کے بنتے ہیں جن پر اوسطاً 9 ہزار سے 17 ہزار روپے
ماہانہ خرچ آتا ہے اس طرح مردانہ [illegible] کم از کم 600 روپے فی [illegible] 800
روپے [illegible] اینڈ [illegible] 500 روپے اور [illegible] 3 ہزار روپے [illegible] ہے۔ [illegible] ایک [illegible]

خاندان سالانہ 28 سے 35 ہزار روپے کپڑوں کی مد میں خرچ کرتا ہے البتہ ان میں بچوں کے سکول یونیفارم شامل نہیں۔ عوامی حلقوں کا کہنا ہے کہ انہوں نے پیپلز پارٹی کو مینڈیٹ اس لئے دیا تھا کہ وہ شہید جمہوریت ذوالفقار علی بھٹو کے نعرے روٹی، کپڑا، مکان کو عملی جامہ پہنائے گی تاہم گزشتہ ڈھائی سال سے اس نعرے کے برعکس اقدامات اٹھائے جا رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ نئے مالی سال 2010-11 کے بجٹ سے کافی امیدیں وابستہ تھیں لیکن انہیں مایوسی ہوئی۔ چیمبر بلدیات کے سامنے دیہاڑی کے انتظار میں بیٹھے مزدوروں کا کہنا تھا کہ انہیں 250 روپے سے 350 روپے بمشکل دیہاڑی پر کام ملتا ہے وہ بھی ہفتے میں تین یا چار دن ہی ہوتا ہے ایسے میں دو وقت کی روٹی تک کیلئے پیسے نہیں ہوتے۔ انہوں نے کہا کہ اگر دوپہر تک انہیں کہیں روزگار نہیں ملا تو وہ خالی ہاتھ گھر واپس لوٹ جاتے ہیں ایسے میں دو وقت تو درکنار ایک وقت کی روٹی بھی نہیں خریدی جا سکتی۔

(اگست 2010ء)

پاک افغان تجارتی معاہدہ

18 جولائی کو ہونے والے پاک افغان ٹرانزٹ ٹریڈ معاہدے کو دو ہفتے ہو گئے ہیں۔ معاہدے پر دستخط کی تقریب کے بعد سے اب تک خیبر پختونخوا اسمبلی سمیت ملک بھر کی بزنس کمیونٹی نے جس بھرپور انداز میں معاہدے کو مسترد کرتے ہوئے احتجاج کیا اور اپنے خدشات ریکارڈ پر لائی اس سے یہ امکانات روشن ہو گئے ہیں کہ کابینہ یا پارلیمنٹ کے لئے اس معاہدے کی منظوری تو آسان نہیں رہی۔ پاکستان اور افغانستان کے مابین دوطرفہ تجارت میں اضافے کے لئے پاک افغان ٹرانزٹ ٹریڈ کا نیا معاہدہ اور بالخصوص بھارت کو سہولیات کی فراہمی واضح طور پر امریکی دباؤ کا نتیجہ دکھائی دیتا ہے۔ معاہدے کے ڈرافٹ میں پاکستان نے افغانستان کو اپنی مصنوعات بھارت برآمد کرنے کے لئے واہگہ بارڈر تک جانے اور پاکستان کا زمینی راستہ استعمال کرنے کی اجازت دی ہے، تاہم بھارت کو پاکستان کا زمینی راستہ استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ اس کے بدلے افغانستان پاکستان کو وسطی ایشیائی ریاستوں تک راہداری فراہم کرے گا۔ معاہدے میں بھارت کو واہگہ بارڈر پر افغانستان جانے والے سامان کو ان لوڈ کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ جہاں سے افغان ٹرک بھارتی سامان افغانستان لے جا سکیں گے۔ معاشی ماہرین نے پاک افغان

ٹرانزٹ ٹریڈ موجودہ شکل [illegible] کے خلاف قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ اس معاہدے سے پاکستان کی معیشت پر بہت برے اثرات مرتب ہوں گے۔ معاہدے کا مقصد بھارت کو [illegible] پہنچانا ہے اور موجودہ [illegible] میں [illegible] معاہدے سے ملک میں اضافہ ہوگا اور یہ [illegible] کسی بھی پہلو سے پاکستان کے حق میں نہیں۔ معاہدے سے پاکستان کی معیشت پر منفی اثرات مرتب ہوں گے۔ حکومت نے یکطرفہ طور پر افغانستان کو بہت زیادہ رعایت دی ہے جس سے بھارت یہ واضح طور پر مستفید ہوگا۔ بھارت ہمیں یہاں اور [illegible] تک راہداری دینے کے لئے تیار نہیں۔ ادھر بزنس کمیونٹی نے پاک افغان ٹرانزٹ ٹریڈ کے نئے معاہدے کو مسترد کرتے ہوئے اپنے شدید تحفظات کا اظہار کیا ہے بزنس کمیونٹی کا موقف ہے کہ اس معاہدے سے پاکستان میں ٹرانسپورٹ کا شعبہ بری طرح متاثر ہوگا جبکہ مال برداری سے ہونے والی پاکستان ریلوے کی آمدنی بند ہونے کے ساتھ ہزاروں افراد بے روزگار ہو جائیں گے۔ بزنس کمیونٹی کا کہنا ہے کہ معاہدے کے تحت اگر افغانستان کے ٹرانسپورٹرز کراچی سے مال افغانستان لے کر جاتے ہیں تو پاکستان کے ٹرانسپورٹرز ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں گے جبکہ افغان ٹرانسپورٹرز کی آمد سے امن وامان کی صورتحال متاثر ہونے کا بھی خدشہ ہے۔ یہاں پر نئے افغان ٹرانزٹ ٹریڈ معاہدے سے ملکی معیشت پر منفی اثرات کی تفصیل سے قبل موجودہ افغان ٹرانزٹ ٹریڈ معاہدے کی وضاحت کرنا ضروری ہے۔ بین الاقوامی قوانین اور جنیوا کنونشن کے تحت جس ملک میں سمندر نہیں ہوگا اس کا ہمسایہ ملک اس کو سمندری سہولیات فراہم کرے گا اور سمندر سے محروم ملک کے لئے دیگر ممالک سے تجارت [illegible] اپنی بندرگاہ سے دوسرے ملک کی سرحد تک راہداری کی سہولت فراہم کرے گا۔ جیسے بھارت نیپال کو یہ سہولت مہیا کر رہا ہے۔ پاک افغان ٹرانزٹ ٹریڈ معاہدہ 45 سال قبل 1965ء میں جنیوا کنونشن کے تحت عمل میں لایا گیا جس کے تحت پاکستان اپنی بندرگاہ یعنی کراچی سے [illegible] سہولت فراہم کر رہا ہے۔ افغانستان کیلئے دیگر ممالک سے آیا مال

[illegible] کے ذریعے پہنچایا جاتا ہے۔ ایک [illegible] ٹرانزٹ کی جاتی ہے۔ [illegible] سے پشاور تک [illegible] پاکستان ریلوے سالانہ [illegible] سے 3 ارب روپے [illegible] این ایل سی [illegible] ایک [illegible] (بوگی) پر 22 ٹن [illegible] 48 ہزار روپے بنتا ہے جبکہ این ایل سی کا کرایہ 75 ہزار روپے تک [illegible] ہے۔ [illegible] ذریعے مال پشاور تک تاخیر سے پہنچتا ہے جبکہ این ایل سی [illegible] ذریعے پشاور تک پہنچایا جاتا ہے اور ریلوے کی نسبت کم وقت میں پہنچتا ہے۔

افغانستان کو راہداری کی سہولت دینے سے [illegible] افغانستان کی حکومت [illegible] بھی [illegible] تک رسائی کی سہولت دیتا ہے۔ خصوصاً افغانستان [illegible] ہے۔ کوئٹہ سے چونکہ قندھار نزدیک پڑتا ہے اس لئے [illegible] راستے بھارت اور دیگر ممالک کو پہنچایا جاتا ہے جبکہ خیبر پختونخوا میں پاک افغان سرحد [illegible] مزار شریف ہے جہاں کی پیداوار فریش اور ڈرائی فروٹ ہے۔ [illegible] بھی ہے۔ [illegible] کے راستے بھارت پہنچایا جاتا ہے۔ افغان ٹرانزٹ ٹریڈ معاہدے کے مطابق ٹرانزٹ کا [illegible] ٹیکسوں سے مستثنیٰ ہوتا ہے لہٰذا حکومت پاکستان کو اس کا کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ [illegible] اس [illegible] کے ذریعے فریٹ کی سہولیات کی مد میں پاکستان ریلوے سالانہ 3 ارب روپے کما رہا ہے۔ [illegible] صرف کراچی میں 3 ہزار کسٹم کلیئرنگ ایجنٹ کام کر رہے ہیں اور ہر ایجنٹ کے پاس [illegible] سے 20 افراد پر مشتمل عملہ ہے جبکہ کراچی پورٹ ٹرسٹ (کے پی ٹی) پر کرین اور دیگر [illegible] پر کام کرنے والے مزدوروں کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ اسی طرح صوبہ خیبر پختونخوا میں [illegible] کلیئرنگ ایجنٹس کی تعداد 300 ہے۔ 60 بارڈر ایجنٹ ہیں ان کے پاس بھی 10 سے

2. [illegible] مشتمل ہے جس میں 8 افراد ان فارورڈنگ ایجنٹس کے دفاتر میں [illegible] پورٹ
15 افراد پر مشتمل ہے۔ [illegible] پر خدمات انجام دیتے ہیں۔ ان ہزاروں افراد کا روزگار ٹرانزٹ ٹریڈ
ایئرپورٹ اور 4 [illegible] پر خدمات [illegible]
سے وابستہ ہے۔ نئے معاہدے کی راہ 2009ء کے آخر میں ہموار کی گئی ورلڈ بینک نے پاکستان
اور افغانستان کو 1965ء میں کیے ہونے والے پاک افغان ٹرانزٹ ٹریڈ معاہدے میں ترامیم
کرنے کی خواہش ظاہر کی اور نیا پاک افغان ٹرانزٹ ٹریڈ معاہدہ عمل میں لانے کے لئے 13
جنوری کو اسلام آباد میں پاکستان اور افغانستان کے ٹرانزٹ ٹریڈ سے وابستہ تاجروں کے لئے ایک
روزہ کانفرنس کا انعقاد کیا گیا۔ کانفرنس کے تمام انتظامات ورلڈ بینک نے کیے تھے حیران کن بات تو
یہ ہے کہ معاہدہ پاکستان اور افغانستان کے مابین ہونے جا رہا تھا اور دونوں ممالک کی تجارت کی
وزارتوں کے بجائے اس کے لئے بات چیت کا انعقاد ورلڈ بینک کر رہا ہے اور اس معاہدے کو جلد
از جلد حتمی شکل دینے پر زور دے رہا ہے۔ (1965ء میں پاک افغان معاہدہ دونوں ممالک کی
وزارتوں کے درمیان ہوا اور اس میں کوئی تیسرا فریق شامل نہیں تھا) 13 جنوری کی تقریب میں
ورلڈ بینک کے نمائندوں کے علاوہ افغانستان کے اس کاروبار سے وابستہ افراد نے شرکت کی جبکہ
صوبہ خیبر پختونخوا سمیت پاکستان کے کل 110 تاجر شامل ہوئے۔ تقریب کے پہلے سیشن میں
ورلڈ بینک نے نئے افغان ٹرانزٹ ٹریڈ کے حوالے سے بریفنگ دی جبکہ دوسرے سیشن میں اس
کاروبار سے وابستہ افراد نے اپنی تجاویز دیں جبکہ خیبر پختونخوا کی نمائندگی کرنے والے تاجروں
نے پاک افغان ٹرانزٹ ٹریڈ میں بعض ترامیم پر اپنے شدید تحفظات کا اظہار کیا اس وقت نئے
ٹریڈ معاہدے میں جو پیچیدہ نکات شامل کرنے کی تجویز ورلڈ بینک نے دی تھی ان
[illegible] مال پہنچانے کے لئے ایک ملٹی نیشنل کمپنی کی
[illegible] افغان بارڈر پر پہنچائے گی جبکہ
[illegible] ٹرانسپورٹ استعمال کرے گی۔ دوسرا اہم نقطہ یہ

[illegible] بھارت کا افغانستان کے لئے بھجوایا گیا مال [illegible]
بھارت [illegible] بارڈر [illegible] سے براہ راست اپنے [illegible]
[illegible] معاہدے میں تیسرا انتہائی منفی پہلو [illegible]
جبکہ پاکستان کیلئے [illegible] Agree کے
بھی dis agree کر سکتا ہے لیکن [illegible] پہنچ
سکتا اس مجوزہ ٹرانزٹ پر پالیسی لینڈنگ نے سخت تحفظات کا اظہار کیا تھا اور [illegible]
بات کے پاکستان پر انتہائی منفی اثرات پڑیں گے پہلا انتہائی اہم [illegible]
ٹرانسپورٹ کی ذمہ داری دینا جس سے کراچی، کوئٹہ اور صوبہ خیبر پختونخوا کے 3300 [illegible]
ایجنٹس کے علاوہ ان کے پاس کام کرنے والا عملہ جس کی تعداد ہزاروں میں بنتی ہے بے روزگار
ہو جائے گا دوسرا انتہائی منفی پہلو ٹرانزٹ کے لئے استعمال ہونے والی ٹرانسپورٹ بھی ہم سے
چھین لیتا ہے۔ کمپنی کی اپنی گاڑیاں استعمال ہونے سے صرف پاکستان ریلوے کو سالانہ 3 ارب
روپے کا نقصان اٹھانا پڑیگا جو پہلے ہی اربوں کے خسارے کا شکار ہے۔ تیسرا انتہائی پہلو بھارت کو
پاکستان کے راستے افغانستان تک راستہ دینا ہے جو کسی طور بھی مناسب نہیں ہے۔ [illegible]
ہے کہ 13 جنوری کو اسلام آباد میں ہونے والی کانفرنس میں [illegible] نے شدید
تحفظات کا اظہار کرتے ہوئے تحریری طور پر حکومت کو آگاہ کر دیا تھا پاکستانی [illegible]
سے یہ مطالبہ کر رہا ہے کہ اگر ہم افغانستان کو راہداری کی سہولت بغیر کسی رکاوٹ کے دے رہے
[illegible] پاکستان کو بھی افغانستان کے ذریعے وسطی ایشیائی ممالک تک رسائی دی جائے اور
پاکستانی مصنوعات بھی افغانستان کے ذریعے 6 آزاد ریاستوں اور دیگر ممالک کو سپلائی کر سکیں۔
[illegible] بات یہ کہ اگر بھارت واہگہ کے ذریعے افغانستان کو مال سپلائی کرنے کی اجازت دی
[illegible] پاکستانی مصنوعات بھی بھارت کے راستے بنگلہ دیش اور دیگر ممالک تک

[illegible] بات تو یہ ہے کہ راؤنڈ [illegible] کی پہلی کانفرنس میں پاکستان سے [illegible]
[illegible] ہو گئی ہیں۔ بعد ازاں صوبہ خیبر پختونخوا ان بزنس کیونٹی نے 15 [illegible]
[illegible] نہیں ہو گی۔ اس دوران بھی نئے افغان ٹرانزٹ معاہدے [illegible]
[illegible] خدشات دور کرنے کی بھی یقین دہانی کرائی تھی۔
[illegible] اگر ہم ٹرانزٹ ٹریڈ [illegible] تو اس حوالے سے پاکستان اپنے [illegible]
[illegible] کو ٹرانزٹ ٹریڈ کی سہولت سے انکار کی پالیسی سے رجوع کر کے [illegible]
[illegible] سہولت فراہم کی گئی ہے۔ اصل بات بھارتی سامان کی افغانستان اور وسطی ایشیائی ریاستوں [illegible]
[illegible] فراہمی ہے جس سے مواقع ملنے سے بھارت کو اپنے مال کی کھپت کے لئے ایک بڑی منڈی [illegible]
[illegible] راہداری کے چند حصے ہیں۔ افغانستان کی جانب سے [illegible]
[illegible] وسطی ایشیائی ریاستوں تک راہداری کی سہولت دینے سے [illegible]
[illegible] معیشت اور تجارت پر [illegible] منفی اثر پڑنے کا زیادہ امکان نہیں۔ بھارتی [illegible]
[illegible] بھی [illegible] ہو جائے تو مارکیٹ میں مقابلے کی جو فضا پیدا ہو گی اس [illegible]
[illegible] کے [illegible] صنعت کاروں کے لئے آسان [illegible]
[illegible] سے بھارت والے اپنے مال کی کھپت بڑھانے [illegible]
[illegible] پاکستان کی اندرونی معیشت پر جو منفی اثرات مرتب ہوں گے [illegible]
[illegible] افغان ٹرانزٹ ٹریڈ کا جو مال اس وقت [illegible] اگر پاکستان [illegible]
[illegible] افغانستان سے [illegible] صورتحال پہلے ہی ملکی صنعتوں اور [illegible]
[illegible] اور بھارتی مال کی بھی [illegible]
[illegible] تو اس صورتحال کا [illegible]
[illegible] تحت انہوں نے صورتحال [illegible] بھی

[illegible] کی پالیسی اختیار کی۔ بھارتی [illegible]
[illegible] اور [illegible]
[illegible] اہتمام میں یہ بات [illegible] بھارتی [illegible]
[illegible] میں بھارت کا [illegible]
[illegible] بھارت [illegible]
[illegible] کبھی غلط نہیں ہو گا [illegible]
[illegible] میں نمایاں ترقی سے محروم رہا ہے۔ افغانستان سے [illegible]
[illegible] پالیسیوں اور [illegible]
[illegible] میں ٹرانزٹ ٹریڈ کے حوالے سے [illegible]
نئے معاہدے کے بعد یہ سرگرمیاں بھی [illegible] ہو جائیں گی۔

پاک افغان ٹرانزٹ معاہدہ کے اہم نکات

☆ افغانستان کو اپنی مصنوعات بھارت برآمد کرنے کے لئے [illegible]
پاکستان کا زمینی راستہ استعمال کرنے کی اجازت ہو گی جبکہ بھارت کو پاکستان [illegible]
کرنے کی اجازت نہیں ہو گی۔ ☆ بھارت کا افغانستان [illegible] سے پاکستان
کے فضائی اور سمندری راستے استعمال کرنے کی اجازت ہو گی جس کے تحت بھارت اپنا [illegible]
افغانستان بھجوانے کے سمندری راستے سے [illegible] کراچی پورٹ اور [illegible]
فضائی راستہ استعمال کرنے کی بھی اجازت دی گئی ہے۔ ☆ پاکستان اور افغانستان کے
[illegible] فضائی سمندری حدود سے ٹرانزٹ ٹریڈ پہلے سے [illegible] برقرار رکھی گئی ہے۔ [illegible]
[illegible] میں افغانستان پاکستان کو وسطی ایشیائی ریاستوں تک راہداری فراہم کرے گا۔ ☆ پاکستانی
مصنوعات وسطی ایشیائی ریاستوں تک جانے کی اجازت ہو گی جبکہ بھارت کو [illegible] افغانستان

[illegible] افغان ٹرک بھارتی [illegible] کی اجازت [illegible]
ہونے والے سامان [illegible] آف [illegible] (ایل سی)
[illegible] پاکستان [illegible] افغانستان [illegible]
[illegible] افغان ٹرک [illegible] جاری ہے [illegible]
[illegible] کی اجازت دی گئی ہے۔ افغان ٹرک [illegible]
[illegible] پاکستان افغانستان سے ٹرانزٹ [illegible]
[illegible] بین الاقوامی قوانین [illegible]
[illegible] افغانستان [illegible]
کراچی تک ٹرک [illegible] کی اجازت دی گئی ہے

پاک افغان ٹرانزٹ ٹریڈ معاہدے کے نقصانات

☆ افغان ٹرانسپورٹ [illegible] پاکستان ریلوے [illegible] 3 ارب روپے کا نقصان ہوگا
(ریلوے کو پہلے ہی 40 ارب روپے خسارے کا سامنا ہے)۔

☆ این ایل سی (نیشنل لاجسٹک سیل) [illegible] روپے کا خسارہ برداشت کرنا پڑے گا [illegible] روزگار [illegible] ہو جائیں گے۔

☆ افغان ٹرک [illegible] خدشات بھی ہیں۔

☆ افغانستان [illegible] بھارتی سامان [illegible] پاکستان کے راستے [illegible] کابل اور آگے وسط ایشیا [illegible] افغانستان اور وسطی ایشیائی [illegible] مارکیٹ سے بھی پاکستان آؤٹ ہو جائے گا۔

پاکستان [illegible] خدشات بھی [illegible] ہیں۔

[illegible] پاکستان [illegible]

([illegible] ستمبر 2010ء)

کرپشن کا بھوت ناچ جاری ہے

[illegible]

[illegible] کاروبار دن دگنی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے [illegible] گزشتہ چھ سال کے دوران [illegible] لیکن اس کے باوجود ان میں اتنا اضافہ [illegible]

گزشتہ دنوں جب سیلاب زدگان [illegible] اس بات پر [illegible] انہیں [illegible] آفت لانے [illegible]

[illegible] کون ہے؟

پلڈاٹ کی ایک رپورٹ کے مطابق اراکین اسمبلی الیکشن کمیشن کو پیش کردہ گوشواروں سے مطابق ان کے اثاثہ جات میں 6 سال کی مدت میں تین گنا اضافہ ہو گیا ہے۔ [illegible] 2002-03 میں اراکین کے اثاثے 27 ملین مالیت کے تھے جو کہ 2008-09 میں بڑھ کر 81 ملین روپے ہو گئے۔ پیپلز پارٹی کے اراکین محبوب اللہ جان 3 ارب 28 کروڑ سے زائد اثاثوں کے ساتھ سب سے امیر اور سعید اقبال چوہدری غریب ترین ہیں۔ پلڈاٹ کے جاری کردہ گوشواروں کے مطابق [illegible] میں سال 2007-08 کی نسبت 9.5 فیصد اضافہ ہوا ہے۔ غیر مسلم اراکین اسمبلی 20.35 ملین کے اثاثہ جات رکھتے ہیں جو کہ اراکین کے اثاثہ جات کی اوسط سے 75 فیصد کم ہیں۔ [illegible] میں پیپلز پارٹی کے ایم این اے 23 بلوچستان سے رکن قومی اسمبلی محبوب اللہ جان 3 ارب 28 کروڑ 80 لاکھ روپے کے اثاثہ جات کے ساتھ سب سے زیادہ امیر ہیں۔ 1 ارب 62 کروڑ 70 لاکھ روپے کے اثاثوں کے ساتھ راولپنڈی سے مسلم لیگ (ن) کے رکن اسمبلی شاہد خاقان عباسی دوسرے نمبر پر ہیں۔ مسلم لیگ (ق) کے جہانگیر ترین 1 ارب 9 کروڑ 50 لاکھ روپے کے اثاثہ جات کے ساتھ تیسرے نمبر پر ہیں۔ سعید احمد ظفر 1 ارب 3 کروڑ روپے [illegible] ملین میں سب سے امیر رکن اسمبلی مسلم لیگ (ن) کی نزہت صادق ہیں جو 912.81 ملین روپے کے اثاثہ جات رکھتی ہیں۔ سال 2007-08 میں الیکشن کمیشن کو پیش کردہ اثاثہ جات کی جو تفصیلات دی گئی تھیں اس کے مطابق محبوب اللہ جان [illegible] 25 کروڑ 20 لاکھ روپے کے اثاثوں کے مالک تھے جبکہ نزہت صادق 1 ارب 51 [illegible] کے اثاثہ جات کی مالک تھیں۔ چوہدری [illegible] اس وقت اثاثہ جات [illegible] 80 [illegible]

[illegible] پارٹی

سعید اقبال چوہدری غریب ترین ہیں جو 29 ملین روپے کے اثاثہ جات کے مالک ہیں۔ [illegible]

[illegible]

نزہت صادق [illegible]

515.25 ملین روپے [illegible] 298.50 ملین روپے کے اثاثہ جات کے ساتھ تیسرے نمبر پر ہیں۔ [illegible] قومی اسمبلی [illegible] جن کے اثاثہ جات میں ایک سال کے دوران 42 [illegible] اضافہ [illegible] اثاثہ جات میں 12 [illegible] 9 [illegible] سب سے زیادہ امیر اراکین اسمبلی مسلم لیگ (فنکشنل) [illegible] 239 ملین روپے فی کس [illegible] پیپلز پارٹی کے اراکین اسمبلی 122 ملین روپے، آزاد اراکین 108 ملین روپے، پیپلز پارٹی کے اراکین 102 ملین روپے، مسلم لیگ (ن) کے 75 ملین روپے، مسلم لیگ (ق) کے 62 ملین روپے، اے این پی کے 61 ملین روپے، پیپلز پارٹی شیرپاؤ کے 37 ملین روپے، ایم کیو ایم کے 25 ملین روپے، بی این پی کے 14 ملین اور ایم ایم اے کے اراکین اسمبلی 6 ملین روپے کی اوسط رکھتے ہیں۔

رپورٹ کے مطابق 2002ء سے 2006ء کے دوران پاکستان تحریک انصاف کے واحد رکن قومی اسمبلی عمران خان دولت کے حوالے سے پہلے نمبر پر رہے جن کے اثاثوں کی مالیت 85 ملین روپے تھی جبکہ مسلم لیگ (ن) 61 ملین کے ساتھ دوسرے، مسلم لیگ (ق) 56 ملین کے ساتھ تیسرے اور پیپلز پارٹی کے اراکین 34 ملین کے اوسط اثاثوں کے ساتھ چوتھے نمبر پر رہے۔

رپورٹ کے مطابق 2008-09ء میں اسلام آباد سے تعلق رکھنے والے اراکین اثاثوں کے حوالے سے پہلے نمبر پر رہے جبکہ خیبر پختونخوا، پنجاب، سندھ اور بلوچستان کے نمبر اس کے بعد

[illegible] کے ارکان سرفہرست ہیں۔ مجموعی اثاثوں کی مالیت [illegible] ہے۔ 2007-08 میں بھی [illegible] 2002 سے 2006 [illegible] پہلے نمبر پر رہا جبکہ ان میں [illegible] پنجاب 54 فیصد کے ساتھ [illegible] سندھ کا حصہ 10 فیصد، فاٹا تین فیصد اور [illegible] 31 [illegible] خیبر پختونخوا [illegible] 73 فیصد [illegible] ایک فیصد اور بلوچستان ایک فیصد اثاثوں کا مالک رہا۔

کاش پاکستان کے بدقسمت عوام پر جان سکتے کہ ہمارے معزز اراکین پارلیمنٹ کے پاس وہ کون سی جادو کی چھڑی ہے جس کے چھونے سے ان کے کاروبار دن دگنی رات چوگنی ترقی کر رہے ہیں [illegible] اقتصادیات کا جنازہ نکل چکا ہے اور ایک مستند رپورٹ کے مطابق عالمی بینک نے پاکستان [illegible] بجلی کے فنڈز کی فراہمی روک دی ہے بینک کے نائب صدر برائے جنوبی ایشیاء [illegible] نے 10 ستمبر کو روزنامہ "نیوز" کو بتایا کہ سرمایہ ضائع کرنے والا بجلی کا شعبہ پاکستان کے بجٹ اور دیگر اہم اہداف کیلئے سنگین خطرہ ہے۔ کیونکہ گردشی قرضہ [illegible] میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ نائب صدر برائے جنوبی ایشیاء مسز ایزابل [illegible] ایک خصوصی انٹرویو میں بتایا کہ بجلی کے شعبے میں بڑھتی ہوئی سبسڈیز بجٹ کے تمام [illegible] بری طرح متاثر کر رہی ہیں اس لئے عالمی بینک نے چاہے کہ اس ضیاع کو فوری طور پر [illegible] عالمی بینک گزشتہ دس سال سے شعبہ بجلی کیلئے پیسے فراہم [illegible] مسز ایزابل نے کہا کہ اب عالمی بینک نے اس شعبہ کیلئے [illegible] بڑھتی ہوئی سبسڈیز کسی مسئلے کا حل نہیں ہیں تاہم [illegible] 30 ارب روپے کی منظوری [illegible] اب صرف دو ہی آپشن رہ گئے ہیں کہ [illegible] اضافہ [illegible] مہینے آٹھ ارب روپے کا بجٹ [illegible] بجلی کی قیمتوں

میں اضافہ [illegible] قیمتوں میں زبردست اضافے [illegible] برداشت نہیں کر سکتی۔

[illegible] خیال کیا گیا ہے [illegible] بجلی کی قیمتوں [illegible] 30 ارب روپے [illegible] نہیں [illegible] بخوبی آگاہ ہیں کہ اس کا حصول ممکن نہیں [illegible] شاندار نتائج دکھانا شروع کر دے گا [illegible] کسی کو تعینات کیا جائے گا جو اس [illegible] کے مطابق حکومت شعبہ بجلی [illegible] اصلاحات کرتے ہوئے سارے میرٹ پر منصب کئے [illegible] جائے اور کرپٹ عناصر کو نکال کر ان کی جگہ ایماندار اور مخلص ملازمین رکھے [illegible] بجلی کی قیمتوں میں تین سے چار مراحل میں تیس فیصد اضافے کیلئے [illegible] موجودہ مالی سال کیلئے بجٹ میں منظور کردہ تیس ارب روپے میں اضافہ نہیں کیا جاتا تو [illegible] 700 ارب روپے رہے گا۔ [illegible] بجلی چوری کی صورت میں [illegible] لیکن اصلاحات کے نفاذ پر توجہ نہیں دی جاتی جس کی وجہ سے بجلی کے شعبے میں بحران گہرا ہوتا جا رہا ہے۔ [illegible] حقیقی معنوں میں 35 فیصد تک ہیں لیکن واپڈا والے مختلف مدوں میں چھپانے کی کوشش کرتے ہیں مثال کے طور پر واپڈا والے اپنے ملازمین کیلئے [illegible] متعارف کرانے کی بجائے انہیں [illegible] حد تک بجلی کے یونٹ مفت استعمال کرنے کی اجازت دیتے ہیں اس سہولت کا ملک بھر میں [illegible] بڑے پیمانے پر غلط استعمال کیا جا رہا ہے۔ [illegible] بجلی کے شعبے میں اصلاحات [illegible]

[illegible] کمپنیوں سے [illegible] سامنے آیا ہے۔ اس مقصد کے لیے ان
کمپنیوں [illegible] میں فروخت کرنے [illegible]
[illegible] وزارت نے [illegible] اور صارفین سے [illegible]
[illegible] کرتے [illegible]
[illegible] میں زیادتی [illegible] ہیں
[illegible] ہوتی ہے اس کا بوجھ غریب صارفین پر [illegible]
[illegible] حکومتی آمدنی میں بھی اس [illegible] سے کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔

14 ستمبر 2010ء کو [illegible] میں اس حوالے سے بڑے دلچسپ انکشافات کیے گئے۔
[illegible] حکومتی کرپشن اور [illegible] کے بعد یہاں [illegible]
[illegible] کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ یہ خطرناک وارننگ کسی اور
[illegible] حفیظ شیخ نے دی ہے۔ گزشتہ دنوں وزیراعظم گیلانی کی زیر
صدارت [illegible] پاکستان کے سربراہان اور [illegible] ترین حکومتی عہدے
[illegible] حفیظ شیخ نے یہ انکشاف کیا [illegible] کے ساتھ پاکستان پر
[illegible] صاف صاف بتا دیا گیا کہ ملک اب مزید افراتفری،
[illegible] متحمل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اگر پاکستان کو
[illegible] وزیراعظم نے [illegible]
[illegible] ذمہ دار پیشہ وارانہ شہرت کے
[illegible] اس خط کے بعد بھی وزیراعظم گیلانی اور ان
[illegible] نظر آتے ہیں اور ان کا [illegible] پاکستان کے
[illegible] پاس نہیں۔

وزیراعظم [illegible]
[illegible] نظر نہیں [illegible]
نظر آتے ہیں۔ [illegible] حفیظ شیخ [illegible]
[illegible]
[illegible]
افسران [illegible] پیشہ وارانہ [illegible] ہو رہے ہیں۔

وزیراعظم گیلانی نے [illegible]
کے منافی نظر آتے ہیں جس [illegible] OGDC [illegible]
[illegible] خواجہ کا تقرر [illegible]
[illegible] وزیراعظم [illegible]
ہے۔ وزیراعظم نے یہ اقدام ایک ایسے وقت میں اٹھایا جب [illegible] اپنے وزیر خزانہ حفیظ
شیخ نے ملک میں معاشی ابتری پیدا ہونے کی خطرناک [illegible]
محدود نہیں ہے بلکہ وفاقی وزیر تجارت مخدوم امین فہیم کے [illegible]
سابق چیف ایاز خان نیازی کو NIC کا سربراہ بنا دیا گیا جس کے بعد [illegible] NIC
ایک رئیل اسٹیٹ [illegible] کرنے والا ادارہ بن گیا ہے۔ ایاز خان نے [illegible]
دکھانا شروع کر دیے اور اب تک کئی سودوں میں اربوں روپے کے گھپلے کر چکے ہیں۔ اربوں
روپے کے گھپلوں کا انکشاف اب روزانہ کا معمول بن چکا ہے۔ [illegible]
[illegible] سے اس حوالے سے ایسی ایسی پریشان کن خبریں سامنے آتی ہیں کہ [illegible]
ہے لیکن حکومت کا [illegible] نہیں ہو سکا۔

(اکتوبر 2010ء)

حامد
اردو ٹیچر
کیلئے

(2) اہم کتابیں

پاکستان کے خلاف عالمی ریشہ دوانیوں کو سمجھنے کے لئے

ممبئی سے اپریشن بلیوسٹار تک۔ طارق اسمعیل ساگر

[illegible]

[illegible]

[illegible] پاکستان کے خلاف بھارتی

[illegible]

[illegible] سے نکال کر آپ

تک پہنچی ہے۔

قیمت 250 روپے ساگر پبلشرز 16- [illegible] لاہور فون 042-36361089

(2) اہم کتابیں

پاکستان کے خلاف عالمی ریشہ دوانیوں کو سمجھنے کے لئے

مکتی باہنی سے اپریشن بلیوسٹار تک۔ طارق اسمٰعیل ساگر

☆ گولڈن ٹیمپل پر بھارتی فوج کے حملے اور سکھوں کے خلاف کی جانے والی بربریت پر ایک ناقابل فراموش پرازدرد تحقیق۔

☆ ان خون آشام لمحات کی تفصیلات جو تاریخ کی گرد میں دبے چلے جا رہے تھے۔

☆ مکتی باہنی کیوں بنائی گئی؟ بنگالی مسلمانوں کا قتل عام کس نے کیا؟ شیخ مجیب الرحمن کو کیوں قتل کیا گیا؟ پاکستان کے خلاف بھارتی خفیہ ایجنسیوں کی دہشتانہ کارروائیوں کی کہانی۔

☆ ممتاز مصنف، صحافی طارق اسمٰعیل ساگر نے گولڈن ٹیمپل پر حملے کے ایک ایک پہلو کو تاریخ کے مدفون صفحات سے نکال کر آپ تک پہنچایا ہے۔

قیمت 250 روپے — ساگر پبلشرز 16۔ ای ٹیمپل روڈ نزد سٹریٹ صفانوالہ چوک لاہور فون 042-36361089

پاکستان پر عالمی دہشت گردوں کا حملہ

حامد
اردو فینز
کیلئے

② اہم کتابیں

پاکستان کے خلاف عالمی ریشہ دوانیوں کو سمجھنے کے لئے

مکتی باہنی سے آپریشن بلیو سٹار تک۔ طارق اسمٰعیل ساگر

☆ گولڈن ٹیمپل پر بھارتی فوج کے حملے اور سکھوں کے خلاف کی جانے والی بربریت پر ایک ناقابل فراموش پراز حقائق تحقیق۔

☆ ان خون آشام واقعات کی تفصیلات جو تاریخ کی گرد میں دبتے چلے جا رہے ہیں۔

☆ مکتی باہنی کیوں بنائی گئی؟ بنگالی مسلمانوں کا قتل عام کس نے کیا؟ شیخ مجیب الرحمن کو کیوں قتل کیا گیا؟ پاکستان کے خلاف بھارتی خفیہ ایجنسیوں کی وحشیانہ کارروائیوں کی کہانی۔

☆ ممتاز مصنف، صحافی طارق اسمٰعیل ساگر نے گولڈن ٹیمپل پر حملے کے ایک ایک لمحے کو تاریخ کے مدفون صفحات سے نکال کر آپ تک پہنچایا ہے۔

قیمت 250 روپے ساگر پبلشرز 16۔ ای ٹیمپل روڈ مسجد شریف صفاں والا چوک لاہور فون: 042-36361089

پاکستان پر عالمی دہشت گردوں کا حملہ

مصنف: طارق اسمٰعیل ساگر

☆ پاکستان میں خصوصاً 9/11 کے بعد جاری دہشت گردی کا پس منظر اور پیش منظر۔

☆ تحقیقی اور تاریخی دستاویز آپ کو وہ کچھ بتائے گی جس پر شاید آپ مشکل ہی سے یقین کریں۔

☆ جہاد افغانستان سے آپریشن راہ راست تک پاکستان کے خلاف ہونے والی سازشوں کا مکمل احوال۔

☆ گریٹ گیم، تاریخی حقائق اور پاکستانیت کے حامی حلقوں کے لئے خصوصی تحفہ۔

☆ پاکستان کے خلاف کی جانے والی "را" کی سازشوں کو سمجھنے کے لئے ایک اہم دستاویز۔

قیمت 300 روپے صفحات 368

[illegible] قارئین کے لئے خصوصی رعایت

رابطہ 16۔ ای ٹیمپل روڈ [illegible] چوک لاہور فون 042-36361089 موبائل 0300-9468248